زینت السادات نورُ السادات فخرُ السادات فخرُ المشائخ پیرِ طریقت رہبرِ شریعت حضرت پیر سیّد

بابا جی میر طیب علی شاہ بخاری صاحب مدظلہ

سرپرستِ اعلیٰ آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف

مُرشد العصر کی باتیں

سفرنامہ انڈیا



مصنف

پیر ثناء اللہ طیبی نقشبندی

خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف

زیرِ سرپرستی

پیر حاجی انعام اللہ طیبی نقشبندی برکاتی مدظلہ

خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف



بسم الله الرحمن الرحيم

صلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد وآلہ وسلم

بابا جی سید میر طیب علی شاہ بخاری

سجادہ نشین حضرت کرماں والے

مرشد العصر کی باتیں

باتصویر سفرنامہ
زیارت
مزاراتِ اولیاء
واقع ہندوستان

ثناء اللہ طیبی مجددی نقشبندی

ایڈیٹر ماہنامہ مجلہ حضرت کرماں والہ

کرمانوالہ بک شاپ
دکان نمبر ۲۔ دربار مارکیٹ لاہور
Voice:+92 42 7249515

[illegible] محمد کرماں والا میں 26-2-2005 بروز بدھ

بفیضانِ کرم

حضرت سید السادات پیر محمد اسماعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف **حضرت کرماں والے** آستانہ عالیہ حضرت کرمانوالہ شریف اوکاڑہ

شیمِ باغِ ولایت

● حضرت سید محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

منظرِ بدرِ طریقت

● حضرت سید محمد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

● حضرت پیر سید غضنفر علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

● حضرت پیر سید صمصام شاہ بخاری مدظلہ العالی

بہ نگاہِ نظر

حضرت پیر

سید میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہ العالی

سجادہ نشین حضرت کرمانوالہ شریف

زیرِ نگرانی

حاجی انعام اللہ طیبی نقشبندی برکاتی

زیرِ اہتمام

سمیع اللہ برکت

اشاعت فروری 2008

قیمت 350 روپے

فہرست مضامین

انتساب

مرشدُ العصر، شیخ المشائخ

باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری دامت برکاتہم العالیہ

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف

اور

خانوادۂ حضرت کرماں والے کے شہزادے

باباجی سیّد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شبیہہ

باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری کے جگر گوشہ

سیّد محمد میرام بخاری کے نام

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ثناء اللہ طیبی

مجددی نقشبندی

عجب میں نے شان دیکھے کرماں والے پیر دے
بیڑے کیتی پار جاندے ہر دل دلگیر دے

چہرے دی کیہہ صفت آکھاں والضحیٰ دی شان اے
زلفن دی تعریف کیہہ اے راز رحمان اے

دل نوں روشن کیتی جاندے شعلے بدر منیر دے
عجب میں نے شان دیکھے کرماں والے پیر دے

از پیر سید امام علی شاہ صاحب

آستانہ عالیہ گجومتہ شریف فیروزپور روڈ لاہور

عرض ناشر:

الحمد للہ رب العالمین ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ عزوجل کا کروڑ کروڑ احسان کہ اس نے ہمیں اس نفسانفسی کے دور میں دین متین کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا۔

زیر نظر کتاب دراصل موضوعات پر مشتمل ہے۔ پہلا تو یہ کہ اس میں مرشد گرامی قدر حضور پیر سید میر طیب شاہ بخاری مدظلہ العالیٰ کے وہ لازوال ارشادات عالیہ ہیں جو کہ آپ نے مختلف محافل میں ارشاد فرمائے۔

دوسرا حصہ اس کتاب کا بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہے کیونکہ اس میں حضور قبلہ پیرومرشد کے ان سیاحتی دوروں کا ذکر مذکور ہے جو کہ آپ نے بھارت میں کیا ان دونوں موضوعات کو کمال محبت وعقیدت اور نہایت عرق ریزی کے ساتھ جناب محترم ثناء اللہ طیبی جیسی نابغہ روزگار شخصیت نے مرتب کیا ہے۔ ادارہ اس کتاب کو شائع کرنا اپنے لیے باعث فخر خیال کرتا ہے۔ اگرچہ ہم نے اپنی انتہائی کوشش کی ہے کہ کمپوزنگ کی کوئی غلطی رہ نہ جائے مگر بتقاضائے بشریت اگر کوئی غلطی آپ کی نظر سے گذرے تو ازراہ کرم ادارہ کو ضرور مطلع فرمایئے گا تاکہ آئندہ اشاعت میں درستگی کردی جائے۔ ادارہ آپ کا ممنون احسان ہوگا

خادم آستانہ عالیہ

سمیع اللہ برکت

سیف اللہ برکت

مرشدُ العصر کی باتیں

مُرتّبہ: ثناءاللہ طیّبی

☆ بروز منگل ۲۰ ذیقعدۃ ۱۴۲۴ ہجری 13 جنوری 2004ء

بعد از نمازِ مغرب بابا جی حضور کی خدمت میں حاضری ہوئی تو اعضاء کی مضبوطی کے لیے مختلف انداز میں ورزش پر بات چیت فرمائی۔

فرمایا: بیٹھے بیٹھے ورزش ہوسکتی ہے، سانس کو **اللہ** کہتے ہوئے ناک سے اندر کھینچ لو، پانچ یا چھ لمحات کے لیے روک رکھو اور پھر **ھو** کہتے ہوئے منہ سے چھوڑو، اِس طرح بہترین ورزش کی جا سکتی ہے، دراصل بعض اوقات دماغ کو آکسیجن والا خون مہیا نہیں ہوتا، اِس طریقے سے دماغ کو آکسیجن والا خون مہیا ہوتا ہے اور ذہنی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔

پھر دنیا کی بے ثباتی پر گفتگو فرمائی۔

فرمایا: آج سے سو سال پہلے جو لوگ تھے کیا ہم اُن کے متعلق کچھ بات چیت کرتے ہیں؟ بہت کم لوگ ایسے ہیں کہ جو اپنے دادا کے بعد پردادا کے نام سے واقف

ہیں، پھر کیسی اعلیٰ شان عمارات اور گھر بنائے جاتے ہیں، کیا وہ گھر تعمیر کرنے والے اُن میں ہمیشہ کے لیے بیٹھے ہیں؟ اِن باتوں پر غور کرنا چاہیے۔

فرمایا: حیدرآباد کا ایک فرمانروا ''نظام'' نامی تھا، پیوند لگے کپڑے پہنتا اور سخت مشکل زندگی گذارتا لیکن اُس کے خزانے بھرے ہوئے تھے، آج سوچو کہ وہ خزانے کہاں ہیں، اُس نے اتنا کچھ جمع کرنے کے باوجود حقیقت میں کیا جمع کیا؟

فرمایا: میں نے ایک جگہ لکھا ہوا دیکھا، اے ہنسنے والے! تجھے معلوم ہے کہ موت آنے والی ہے اور تو پھر بھی ہنس رہا ہے اور فرمایا کہ بزرگانِ دین کی نظر دور تک جاتی ہے، وہ اِس دنیا کو کچھ نہیں سمجھتے حالانکہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ لوک ہے، یقیناً وہ اللہ لوک ہی سب سے زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں، وہ دین کو پسند کر لیتے ہیں اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اَمر ہو جاتے ہیں، اِسی لیے جسم مر جاتے ہیں لیکن روح نہیں مرتی اور فرمایا کہ اللہ والوں کی طرح سادگی کو اپنانا چاہیے۔ اپنے آپ کو ظاہری اور باطنی طور پر صاف رکھنا چاہیے، جس طرح دل چاہتا ہے کہ کپڑے پر کوئی داغ نہ ہو، اِس طرح روح پر بھی کوئی داغ نہیں ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہنا چاہیے اور اُس کی یاد میں مستغرق رہنا چاہیے۔

فرمایا: کینیڈا میں ڈاکٹر صلاح الدین کو ہم نے ایک خط لکھا جس میں حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ کے مطابق ''ذکرِ الٰہی ضروری! جیسے موت!'' درج تھا، اُس نے ایک بڑی پینٹنگ کی صورت میں لکھوا کر اپنے گھر میں لگوایا اور جب میں نے اِس طرح کرنے کے متعلق پوچھا تو کہنے لگا کہ اِس جملے نے مجھے حیرت میں

ڈال دیا، یعنی اللہ کی یاد کی اہمیت سے آگاہ کرنے کا کتنا خوبصورت طریقہ ہے، کہ موت جس نے آ کر رہنا ہے، اُس کے متعلق دو آراء نہیں ہوسکتیں، اِسی طرح اللہ کی یاد ہر حال میں ضروری ہے۔

فرمایا: حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کی شان کے متعلق ذرا سوچو، آپ فرمایا کرتے ''میریاں گلاں سادیاں سادیاں ہوندیاں نیں، پر نجانے کوئی عارف وی ورلا ای سمجھے گا'' عارف وہ ہوتا ہے جس کے پاس اللہ کی معرفت ہو، اب حضرت صاحب کے فرمان کے مطابق آپ کی باتیں عارف بھی شاید ہی سمجھ سکتا ہے تو ذرا سوچو کہ حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کی شان کیا ہوگی!

پھر فرمایا: کہ ایک شخص نے پیر سید محفوظ الحق شاہ صاحب مکان شریف والوں سے پوچھا کہ مجھے نسبت کہاں اختیار کرنی چاہیے؟ اِس پر انہوں نے (حالانکہ مکان شریف کے سجادہ نشین تھے) فرمایا، اِس وقت نعمتِ عظمیٰ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاری ہوئی تھی، حضرت صاحب کرمانوالوں کے پاس ہے اور حالانکہ اُس وقت قبلہ ثانی صاحب بھی حیات تھے، لیکن پھر بھی آپ نے فرمایا کہ اگر نسبت اختیار کرنا چاہتے ہو تو حضرت صاحب کرماں والے کے پاس جاؤ۔

فرمایا: حضرت صاحب سرکار کچھ علیل تھے تو پیر سید محفوظ الحق شاہ صاحب (مکان شریف والے) تشریف لائے اور آپ کو دیکھ کر گمان کیا کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کیا ہوگا؟ اُسی وقت حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، پیر جی! ''قیامت تک نئیں مُکن لگیا''۔ (ہمارا لنگر قیامت تک ختم نہیں ہوگا، انشاء اللہ)

فرمایا: میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا تو دل میں یہ خیال بار بار آتا تھا کہ تیرے جیسا

گناہ گار اِس ارضِ مقدس پر حاضر ہو گیا ہے، تجھ پر آقا ﷺ کا کتنا کرم ہے! اِس وقت میرے ساتھ ایک شخص کھڑا کہنے لگا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم، حضور! میں ہرگز اِس قابل نہیں تھا کہ یہاں آپ کے دربار میں حاضر ہو سکتا، میرے جیسا غریب یہاں کیسے پہنچ سکتا تھا، حضور یہ تو آپ کا کرم ہے کہ مجھے تیس سال سے یہاں رکھا ہوا ہے، میں نے اُس سے پوچھا کہ تم تیس سال سے یہیں ہو، کہنے لگا، جی ہاں، ہندوستان سے میرا تعلق ہے اور تیس سال سے یہیں مقیم ہوں، حضور کے روضہ اقدس پر حاضری ہوتی ہے، تیس سال قبل آیا تو واپس نہیں گیا، اب سوچتا ہوں کہ مجھ سے بڑھ کر حضور کا کرم کس پر ہو گا کہ ۱۰۰۰ سال مغل بادشاہوں نے ہندوستان پر حکومت کی لیکن حاضری کی سعادت حاصل نہ ہوئی لیکن مجھ جیسا غریب یہاں آقا کی بارگاہ میں تیس سال سے حاضر ہے۔

فرمایا: میرا دل کرتا ہے کہ ہم سب مل کر ایک جہاز کروائیں اور مدینہ طیبہ حاضری دیں۔

فرمایا: نہ جانے کی جلدی ہو نہ رہنے کی خواہش، بس راضی برضا رہنا چاہیے۔

پھر اجازت عنایت فرما دی۔

☆ بروز منگل ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۲۴ ہجری 10 فروری 2004ء

بعد از نمازِ ظہر حاضری کا حکم ہوا۔ حضور کی خدمت میں حاضری کی سعادت میسر آئی تو یہ فرمان جاری تھا کہ لوگ دست بوسی کرتے ہیں، میں دست بوسی کے خلاف نہیں لیکن ماتھا لگانے کے خلاف ہوں کہ ہاتھ چومتے ہوئے ماتھا

نہیں لگنا چاہیے کیونکہ مقصد صرف بوسہ دینا ہوتا ہے۔

فرمایا: میرا ہاتھ ایسا نہیں کہ جسے بوسہ دیا جائے ، بلکہ میں تو کہتا ہوں بیلی میرے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں تو میرے لیے یہ سعادت کی بات ہے۔

فرمایا: کہ مختلف تنظیمی وتحریکی معاملات کے لیے انتظامی کمیٹیاں تشکیل دینی چاہییں کیونکہ اکیلا شخص تھک جاتا ہے۔

فرمایا: اگر چند من وزن ایک شخص سے کہا جائے کہ اٹھاؤ تو مشکل ہے، شاید نہ اٹھا سکے لیکن اگر اُسے اٹھانے کے لیے ایک سو لوگ ہوں تو بے حد آسان ہے۔

پھر درج ذیل شعبہ جات کے نام ارشاد فرمائے۔

۱۔ مرکزی کمیٹی ۲۔ شعبہ میلاد پاک وتبلیغ ۳۔شعبہ بیعت وخلافت ۴۔شعبہ حضرت کرماں والا یونیورسٹی

فرمایا: لوگ ہزار ہا باتیں کرتے ہیں لیکن میں نے خلافت ذات پات دیکھ کر نہیں دی بلکہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر دی ہے، میں نے بلا اجازت یہ کام نہیں کیا۔

فرمایا: ایک بات بتاؤ، جن درگاہوں پر سجادگان بیٹھے ہیں کیا وہ سب اُن مسندوں کے اہل ہیں؟ اگر نہیں تو پھر میں نے دین کے فروغ کے لیے اپنے بیلیوں کو خلافت واجازت دی ہے تو اِس میں کیا حرج ہے؟ دوسروں کی بات نہیں کرتا، اپنی بات کرتا ہوں کہ میں اِس سجادہ کے ہرگز قابل نہیں ہوں۔

فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ حضرت کرماں والا شریف میں ایک کالونی بنائی جائے جس میں بیلیوں کی رہائش ہو۔

فرمایا: میری صحت ٹھیک نہیں، شاید آپ کو میری باتیں سمجھ نہ آ رہی ہوں، لیکن میں کہتا ہوں کہ کچھ دین کا کام کرلو، میرے پاس وقت کم ہے۔

میں نے عرض کیا حضور! میں تنظیمی معاملات کے لیے چند تجاویز تیار کر رہا ہوں، جو آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

فرمایا: میں تم سے راضی ہوں، تم اچھا کام کرتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں دین و دنیا میں ترقی اور کامیابی عطا کرے اور میں تو صرف دعائیں ہی دے سکتا ہوں، میرے پاس اور کیا ہے!

فرمایا: پچاس ہزار لوگوں کی تربیت کے لیے ایک صاحبِ اجازت بیلی ہونا چاہیے۔

فرمایا: تنظیمی حوالے سے سب کو منظم کرنے کی ضرورت ہے، مجھے سفر کرنے پر مجبور نہ کیا کرو، ایک دفعہ سفر کرلوں تو دس دن تک طبیعت درست نہیں ہوتی۔

فرمایا: جس قدر خلفاء ہیں، اگر سب محافل منعقد کروانا شروع کر دیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ میں تمام محافل میں شرکت کیا کروں۔

☆ بروز پیر ۲۴ ذی الحجہ ۱۴۲۴ ہجری 16 فروری 2004ء

سیالکوٹ اور لاہور سے واپسی پر بعد از نمازِ عشاء حضور کی خدمت میں حاضری ہوئی، جلووانہ کے مولانا کا خطاب سماعت فرما رہے تھے، داخل ہوتے ہی

میں نے سلام عرض کیا تو مجھے دیکھتے ہی مسکرائے، جواب مرحمت فرمایا اور آنکھوں سے ہی بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ میں بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد وقفہ کے دوران میں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ دارالحکومت سے صدر کی طرف سے دعوتی چٹھی آئی ہے کہ آپ علماء اور مشائخ کانفرنس میں شرکت کریں، سنتے ہی فرمایا: میں کسی گمراہ کی باتیں سننے کے لیے نہیں جاؤں گا۔

فرمایا: مشائخ دنیا کے کسی بادشاہ کے دربار میں کیوں جائیں؟ اُس کو (یعنی دنیا کے بادشاہ کو) خانقاہوں پر جانا چاہیے۔

بروز ہفتہ ۲۸ محرم الحرام ۱۴۲۵ ہجری 20 مارچ 2004ء

قبل از نمازِ عصر بابا جی حضور کی خدمت میں حاضری ہوئی تو میں نے حضور کی طبیعت و مزاج پوچھے۔

فرمایا: کچھ حرارت تھی، اب آپ کی دعاؤں سے ٹھیک ہو گیا ہوں۔

فرمایا: ہماری یونیورسٹی میں تعلیم کے چند خاص مقاصد ہیں، اگر ایک بچہ ہماری یونیورسٹی سے MBA کر جائے اور دوسرا کچھ تربیت لے کر نکلے یعنی وہ شب بیدار ہو، درود شریف پڑھتا ہو، نماز وغیرہ اور کردار کے لحاظ سے مضبوط اور پاکیزہ

ہوتو میرے نزدیک MBA کرنے والے طالب علم کی نسبت یہ طالب علم بہت بہتر ہے۔

فرمایا: دولت کی بجائے مضبوط اور اعلیٰ کردار ہونا زیادہ ضروری ہے۔

فرمایا: حضور مجدد پاک سرکار رحمۃ اللہ علیہ گوالیار کے قلعے میں قید ہوئے تو خط لکھا کہ پہلے وقت نہیں ملتا تھا، لیکن اب وقت ملا ہے تو قرآن پاک بھی حفظ کر رہا ہوں، دوسری طرف ابوالفضل فیضی، جس نے قرآن پاک کی بے نقطہ تفسیر لکھی اور بے پناہ دولت بھی حاصل کر لی مگر پھر بھی آج مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ کی شان وراء الوریٰ ہے۔

فرمایا: ایک بہت بڑے جاگیردار کا شجرہ دیکھا جس میں تیسرے یا چوتھے مقام پر لکھا تھا، عالم اعظم اور پھر تھا، اکبر اعظم۔یعنی اُس کے اجداد میں وہ شخص اکبر کے نورتن میں سے ایک تھا، ایک شخص دیکھ کر کہنے لگے، وہ تو بہت بڑا ارب پتی ہوگا، یعنی سب کچھ دولت کا چکر تھا۔

فرمایا: عاجزی اور خودی نہایت ضروری ہے اور اِن کو برقرار رکھنا بھی بہت مشکل ہے، خودی میں ذرا سی لغزش سے انسان تکبر تک پہنچ جاتا ہے اور باریک لکیر کا فرق ہے جسے سمجھنا بہت ضروری ہے، اِسی طرح عاجزی اور خوشامد میں بہت باریک فرق ہے، اِسے سمجھنا بھی ضروری ہے، ذرا سی لغزش سے خوشامد اختیار کر کے عاجزی کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔

فرمایا: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایک طرف مرحب کو تلوار ماری تو فولادی خود سے کہیں آگے نکل گئی اور زمین کانپ گئی لیکن دوسرا وقت آیا، مسجد نبوی شریف میں خشک روٹی کے ٹکڑے چبا رہے ہیں اور چبائے نہیں جا رہے۔ایک طرف یہ حالت

تو دوسری طرف یہ ہے کہ کافر نے منہ پر تھوک دیا تو اُسے معاف کر رہے ہیں، وقت آخر آیا تو شکر ادا کیا کہ پسند کی موت ملی ہے، پھر صاحبزادگان کی طرف دیکھیں تو دونوں قربانی دے رہے ہیں، طبعی موت نہیں آئی۔

فرمایا: کسی کو شناخت دے دینا بہت بڑا کام ہے، حاجی طارق (سی۔اے سپورٹس والا) میرے پاس آیا تھا، کہنے لگا کہ ایک گھر کینٹ میں بنانا چاہتا ہوں، آپ نے جو ذمہ داری عطا کی ہے اُسے نبھانے کے لیے بیلیوں سے ملنا بھی تو ہے۔

فرمایا: رُشد و ہدایت کے لیے یہ احساس شناخت دینے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

فرمایا: اگر ایک بچہ میرے ساتھ نو مرتبہ جھوٹ بولتا ہے اور ایک مرتبہ سچ بولتا ہے، میں اُس سے بھی کوئی اچھا کام کروانا چاہتا ہوں۔ کسی کو بُرا بُرا کہتے رہو وہ بُرا بنتا جائے گا، کسی کو اچھا اچھا کہتے رہو وہ اچھا بن جائے گا۔

فرمایا: نوے فیصد لوگ جو کسی کے ساتھ بُرے ہوں تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود اُن کے ساتھ بُرا ہے، اگر کسی کے ساتھ صرف دس فیصد لوگ برائی کرتے ہوں تو یہ ایک صحیح نتیجہ ہے۔

فرمایا: ایک شخص کسی کے پاس کام کرنے کے لیے ملازمت کے سلسلہ میں گیا، اُس نے اُسے رکھ لیا، اُس کے پاس سونے کے چمچ اور پلیٹ تھے، ایک دن وہ ملازم اُس کے سونے کے چمچ اور پلیٹ چوری کر کے بھاگ گیا، راستے میں اُسے پولیس نے پکڑ لیا جو اُسے لے کر اُس کے پاس آ گئے اور کہنے لگے کہ یہ شخص آپ کے سونے کے چمچ اور پلیٹ لے کر بھاگ رہا تھا، ہم نے اِسے پکڑ لیا ہے، وہ کہنے لگے، کیا مطلب؟ یہ میرا بھائی ہے، اِسے میں نے خود یہ سب کچھ دیا ہے، یعنی اُس نے اُسکے

مجرم ہونے سے سرے سے انکار کر دیا اور اِس طرح اُس کے انکار نے اُس کی زندگی بدل دی۔

فرمایا: داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر پیغام حسین کانفرنس میں جا رہا ہوں، کل تک آ جاؤں گا، بیلیوں سے ملاقات ہو گی، دو بجے کے بعد میں نہیں مل سکوں گا اگر کوئی شام کے وقت آئے آپ خود ہی ملاقات کر لینا۔

فرمایا: بیلیوں کو خلافت دینے کا مقصد یہ ہے کہ تم بھی کسی کسی کو مل لیا کرو، اگر کوئی ایسا آ جائے جو ہر صورت میں بیعت ہونا چاہے تو اُسے بیعت کر لیا کرو، یہ اُس سے بہتر ہے کہ وہ خالی واپس جائے۔

بروز منگل ۱۲ ذی الحجہ ۱۴۲۵ ہجری یکم جون 2004ء

یہ فقیر قیلولہ کر رہا تھا کہ محمد یوسف علی شاکر صاحب تشریف لے آئے اور فرمایا کہ حضور بلوا رہے ہیں، فوراً اُٹھا، وضو کیا اور حاضر خدمت ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ اندرون خانہ تشریف لے گئے ہیں اور پانچ بجے ملاقات کا حکم فرمایا ہے چنانچہ درس و تدریس میں مشغول قبلہ استادِ مکرم مولانا مفتی غلام یٰسین صاحب کی خدمت میں کچھ دیر بیٹھا کہ محمد ظفر اللہ طیبی تشریف لائے اور اشارہ کیا تو میں حاضر خدمت ہو گیا۔

فرمایا: دنیاوی اسباب کے آنے جانے کی وجہ سے پریشان نہ ہونا، یونیورسٹی کی تعمیر کا آغاز کردو۔ بعد ازاں مفتی غلام یٰسین صاحب تشریف لائے تو داتا صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کے خطیب مولانا مقصود احمد کی بات شروع ہوگئی۔

فرمایا: میں ایک دفعہ عرس مبارک پر داتا صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوا تو مولانا میرے قریب ہو کر اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ وہ لاہور کے کور کمانڈر صاحب بیٹھے ہیں، میں نے حضور داتا صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے دربار شریف کی طرف دیکھا کہ میں داتا صاحب کے حضور بیٹھا ہوں، یہ سب کے بادشاہ ہیں۔

فرمایا: میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دربار شریف گیا تو وہاں زائرین اور مشتاقین کا ایک ہجوم دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا کہ داتا صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ہزار سال نہیں ہوا بلکہ محسوس یہ ہو رہا تھا کہ جیسے ابھی ابھی داتا صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے ہیں اور ابھی باہر تشریف لانے والے ہیں۔

بروز جمعرات ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۵ ہجری 17 جون 2004ء

جمادی الاوّل کے رسالے کے لیے مضامین تیار کر رہا تھا کہ لاہور سے بیلی ملک محمد صفدر اور خالد اقبال آئے، مصافحہ و معانقہ کے بعد تشریف آوری کی غرض و غایت معلوم کی تو خالد اقبال صاحب نے کہا: میں نے آپ کو بتایا تھا کہ

صفدر کا قیمتی موبائل کسی نے اٹھالیا تھا اور ایک شخص اِسے کہتا تھا کہ جاؤ اپنے مرشد سے جا کر کہو کہ موبائل تلاش کر کے دے، مجھے یاد آ گیا کہ لاہور میں خالد اقبال صاحب نے مجھ سے یہ بات کی تھی، اب صفدر صاحب کہنے لگے کہ مجھے اوکاڑہ کے تھانہ اے ڈویژن سے فون آیا ہے کہ یہاں پہنچو تمہارا موبائل ہمارے پاس ہے، ہم وہاں جا رہے ہیں۔

تھانہ سے واپسی پر صفدر صاحب اور خالد اقبال صاحب آئے اور بتایا کہ حضور بابا جی کا تصرف کمال انداز میں کام آیا، ایس ایچ او کا کہنا تھا کہ مجھے جب یہ موبائل ملا تو میں نے اِسے کھولا، لیکن سامنے کرماں والے پیر (بابا جی حضور) کی تصویر دیکھی تو میں فوراً پہچان گیا، مجھے یوں محسوس ہوا جیسے پیر صاحب مجھے کہہ رہے ہوں کہ میرے مرید کا موبائل اُسے پہنچاؤ، لہذا میں نے آپ کو فون کیا، لیکن ایک شرط ہے کہ آپ یہ معلوم نہیں کریں گے کہ مجھے یہ موبائل کیسے ملا؟ کس سے حاصل کیا؟ بس آپ یہ لے جائیں، صفدر صاحب کہنے لگے کہ میں نے اُسے مٹھائی کے لیے پانچ سو روپے دینے کی کوشش بھی کی لیکن وہ کہنے لگا کہ میں ہرگز نہیں لوں گا، کیونکہ میں نے آپ کے پیر صاحب کے حکم کے مطابق آپ کو موبائل پہنچا دیا ہے، بس آپ جائیں۔

بروز جمعہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۵ ہجری 18 جون 2004ء

بعد از نمازِ جمعہ طبیعت کچھ بوجھل تھی، عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا کہ بابا جی حضور نے بلوا لیا، فوراً حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا، مجھے دیکھا تو

طبیعت کا حال احوال پوچھا اور پھر قریب ہونے کا اشارہ کیا۔

فرمایا: یونیورسٹی کا کام تیز کریں، دوسرا وہاں تعمیر شدہ مکانات عارضی ہیں یا مستقل؟ میں نے عرض کیا کہ حضور وہ تمام مکانات عارضی بنائے گئے، آپ نے فرمایا،ٹھیک ہے! پھر تمام حاضرین سے مخاطب ہوئے۔

فرمایا: آج کل لوگ پیر خانے پر جاتے ہیں تو ذہن میں ایسی باتیں لے کر جاتے ہیں کہ پیر وہاں پر تماشے دکھائے، کرامات دکھائے اور مداری کی طرح کرتب کرے لیکن میں تو یہ جانتا ہوں کہ پیر پکڑنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کریم اور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت وغلامی کی طرف دل کو مائل کردے، پیر کا صحیح مطلب یہی ہے اور جو حضور ﷺ کی محبت پیدا کردے، باعمل بنادے، وہی پیر ہے۔

بروز ہفتہ ۳۰ ربیع الثانی ۱۴۲۵ ہجری 19 جون 2004ء

وقت اشراق فقیر کو بابا جی حضور نے طلب فرمایا، دیکھتے ہی طبیعت کے متعلق دریافت فرمایا اور پھر فرمانے لگے، یونیورسٹی کے لیے کام کرو اور نا اُمید یا مایوس مت ہونا، لوگ باتیں کرتے رہتے ہیں، پھر فرمانے لگے کہ چند دن پہلے مجھے بھی کچھ لوگوں نے باتیں کیں کہ یونیورسٹی کی تعمیر کے لیے رضا کارانہ ھدیہ اکٹھا کر رہے ہیں لیکن میں نا اُمید یا مایوس نہیں ہوا بلکہ میرے اندر کام کرنے کی تڑپ اور

بڑھ گئی ہے۔

فرمایا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ غزوۂ تبوک کے لیے حصہ لاؤ، اے عمر رضی اللہ عنہ! آپ بھی لائیں، اے عثمان رضی اللہ عنہ، آپ بھی اور اے علی رضی اللہ عنہ آپ بھی لائیں تو کیا یہ کسی نیک، جائز اور اہم مقصد کے لیے فنڈ اکٹھا کرنا نہیں ہے؟ لہذا گھبرانا مت، کام کرنا۔

پھر رخصت عنایت فرمادی، کچھ دیر کے بعد ایک مرتبہ پھر بلوایا اور

فرمایا: میں نے ایک خواب سنانا ہے، پھر پوچھا کیا پہلے سنایا ہے؟

میں نے عرض کیا، نہیں حضور، مجھے یاد نہیں۔

فرمایا: تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے مختلف اداروں کے حصص خریدے اور کاروبار کیا لیکن اُس میں کچھ نقصان ہوا، پھر میں نے فیصل آباد میں کام شروع کیا تو وہاں سے بھی نقصان ہوا لہذا میں کوئی کاروبار کرنے کے لیے سوچنے لگ گیا، اِسی دوران چاولوں کے کارخانے کی منصوبہ بندی ہوئی اور کارخانہ بھی تعمیر ہو گیا، میں اِس کے متعلق کافی متفکر رہتا تھا اور اِس کی ترقی کے متعلق سوچتا رہتا، اِسی دوران ایک رات مجھے خواب آئی کہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ آپ تشریف لائے ہیں، آپ کے پیچھے ایک قطار میں سفید لباس اور عمامہ شریف باندھے بیلی کھڑے ہوئے ہیں اور میں آپ کی خدمت میں موجود ہوں، آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، تمہاری زندگی کا مقصد یہ نہیں کہ تم کاروبار کے متعلق سوچو، تمہارا مقصدِ حیات یہ بیلی ہیں اور آپ نے ہاتھ سے اپنے پیچھے قطار میں کھڑے ہوئے بیلیوں کی طرف اشارہ کیا، میں نے عرض کیا: حضور! روزی روٹی کا کیا بنے گا؟ تو آپ ایک

طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے، ایہہ ہٹی کرلواں گے!(یہ دکان کرلیں گے) میں نے جب اُس طرف دیکھا تو وہاں ایک پرانی طرز کی اینٹوں سے بنی چھوٹی اور مختصر سی عمارت موجود تھی، میں نے اُس کے اندر جھانک کر دیکھا تو اُس میں کچھ بھی نہیں تھا، میں بڑا حیران ہوا، لیکن اِسی دوران میری آنکھ کھل گئی اور پھر اُس خواب کا اثر یہ ہوا کہ اُس کے بعد میرے دل سے کاروبار کے خیالات نکل گئے اور ساری توجہ سلسلہ عالیہ کی طرف ہوگئی اور دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یونیورسٹی بنائی جائے جہاں ہمارے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کریں، اگرچہ اُس کے بعد چاولوں کا کارخانہ بھی کام کرنے لگا لیکن میں کبھی اُن طرف گیا بھی نہیں اور نہ ہی کبھی کوئی ارادہ قائم ہوا کہ اُس طرف جاؤں، بس اُس کے بعد یہی دل کرتا ہے کہ بیلیوں کی خدمت کرتا رہوں۔

فرمایا: یونیورسٹی کے لیے زیادہ سے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے، یہ ایسے کام ہیں جو اللہ کے بندے ہی کرتے ہیں، فرمایا: ملکہ بلقیس کا تخت کوئی جن لے کر نہیں آیا تھا بلکہ حضرت آصف بن برخیالائے تھے جو کہ ایک ولی اللہ تھے، لہذا یہ کام کوئی مشکل نہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ جلد سے جلد کون تخت لے کر آئے گا تو حضرت آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے تخت کو حاضر کر دیا، میرا تو خیال ہے کہ وہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں میں سے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کے لیے ایسے کام کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

اِسی دوران فقیر کو میاں صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان یاد آ گیا جسے خزینہء معرفت میں مولانا ابراہیم قصوری صاحب نے نقل فرمایا ہے کہ ایک دن

میاں صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ بتاؤ، آصف بن برخیا پلک جھپکنے سے پہلے تخت کس طرح لے آئے تھے؟ تو مولانا ابراہیم قصوری نے عرض کیا کہ وہ تخت پلک جھپکنے سے پہلے اِس طرح آیا کہ حضرت آصف بن برخیا نے ملکہ سباء کے محل میں پڑے ہوئے تخت کی نفی کی اور یہاں اثبات کر دیا تو تخت آپ کے پاس حاضر ہو گیا۔

آپ حضور نے یہ بات سنی تو خوش ہوئے اور فرمایا کس قدر لطیف نکتہ ہے، پھر فقیر نے عرض کیا حضور! کل آپ داتا صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے تو میرے ذہن میں میاں صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور قول تازہ ہوا تھا، حضور میاں صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا، جس کے پاس مدینہ شریف حاضری کے لیے کرایہ نہ ہو، وہ داتا صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ حاضری دے۔

آپ یہ سن کر بھی بہت خوش ہوئے اور کچھ دیر خاموش رہے، پھر اجازت مرحمت فرما دی۔

بروز جمعرات ۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۵ ہجری 12 اگست 2004ء

حضور نے عام ملاقات کے لیے دیدار کی نعمت سے نوازا، بیلیوں کی تربیت کے لیے چند باتیں ارشاد فرمائیں:

فرمایا: تربیت بہت اثر کرتی ہے، اِس کی مثال یوں ہے کہ اگر کتا تربیت یافتہ

ہوتو اُس کا لایا ہوا شکار بھی حلال ہو جاتا ہے اور اگر وہ تربیت یافتہ نہ ہوتو اُس کا لایا ہوا شکار بھی حرام۔

حضور نے بابا محمد رمضان (رمضانی) سے فرمایا کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ باتیں سنا دیں یہی اصل تربیت ہے، اُنہوں نے کھڑے ہو کر بیان شروع کیا اور کافی دیر تک حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کی شان بیان کرتے رہے، پھر یہ واقعہ بیان کیا کہ میں آپ کے پاؤں دبا رہا تھا کہ ایک آدمی آیا اور حج کی دعا کروائی، آپ نے دعا کے بعد فرمایا، حج کرنا اچھا ہے، اِدھر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حج تو امیر لوگ ہی کرتے ہیں، آپ نے تھوڑا سا مڑ کر میری طرف دیکھا اور فرمایا، رمضاناں! توں وی حج کرنا ایں، میں نے عرض کیا حضور! کرنا تو ہے، آپ نے فرمایا، جا رمضاناں! تیرے چھوٹے چھوٹے بھی حج کریں گے (شہادت کی انگلی کا تھوڑا سا حصہ دِکھا کر فرمایا) بعد میں حاجی صاحب یہ بات بھول گئے، حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد عرب شریف چلے گئے، اِن کے دوستوں نے اپنے اپنے گھر والوں کے ویزے لگوانے کے لیے درخواست دی تو ساتھ میں حاجی رمضان صاحب کی اہلیہ کے ویزے کی درخواست بھی جمع کروا دی لیکن اِن کی اہلیہ کے ویزے کی درخواست مسترد ہو گئی۔ پھر حاجی صاحب کے دوستوں نے کہا کہ اِن کے بچوں کا بھی ساتھ میں لکھ دیتے ہیں، چونکہ حاجی رمضان صاحب، حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات بھول چکے تھے، لہذا کہنے لگے: رہنے دو، یہ عربی کافی سخت ہیں، ایک بار درخواست مسترد کر دی ہے تو اب کہاں ویزا دیں گے۔ لیکن انہوں نے درخواست جمع کروا دی تو تیسرے دن ویزا لگ کر آ

گیا۔ حاجی محمد رمضان کہنے لگے کہ میرے تمام گھر والوں نے جس وقت حج کیا تو میری چھوٹی بیٹی پونے دو سال کی تھی۔ باباجی سید عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا، فن نہ دکھانا، پیسے پھاوڑے سے اکٹھے کرتے رہنا، حاجی صاحب کہنے لگے کہ میں انگوٹھا چھاپ آدمی ہوں، ماہانہ دس دس ہزار ریال کماتا رہا۔

بعدازاں باباجی حضور نے خود یہ واقعہ بیان فرمایا: لاہور میں سید سخاوت بخاری صاحب رہتے ہیں، اُن کے ایک بیٹے حساب کتاب کی کسی معاملے کی وجہ سے جیل چلے گئے، [کسی مصلحت کے تحت باباجی نے یہ واقعہ اُسی جگہ مکمل نہیں فرمایا لیکن بعد میں اِس فقیر کو مکمل بتایا جو کچھ اِس طرح ہے] سیّد سخاوت بخاری صاحب کے بیٹے کی اہلیہ چھوٹے امی جان (باباجی حضور کی اہلیہ) کی چچازاد بہن ہے۔ جیل جانے کے بعد تمام رشتہ دار کافی بھاگ دوڑ کرتے رہے لیکن کہیں کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ آخری تاریخ سے قبل بخاری صاحب کے بیٹے کی اہلیہ نے چھوٹے امی جان کو فون کیا کہ ہم بے بس ہو چکے ہیں، میرا خاوند (سخاوت بخاری صاحب کا بیٹا) پیر امام علی شاہ صاحب گجومتہ شریف والوں کا مرید تھا، وہ تو وصال کر گئے ہیں اور پیر امام علی شاہ صاحب بھی حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے لہذا آپ خود دربار شریف پر جا کر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کریں۔ امی جان پردہ کروا کر دربار شریف پر گئے اور کچھ واسطوں کے ساتھ حضرت صاحب سرکار کی خدمت میں یہ سارا معاملہ عرض کر دیا۔ جب واپس گھر تشریف لائے تو باباجی حضور نے دربار شریف پر حاضری کا مقصد دریافت فرمایا۔ جب انہوں نے بتایا تو باباجی حضور نے فرمایا: صبح وہ (سخاوت بخاری صاحب کے بیٹے) بَری ہو جائیں گے، چھوٹے امی

جان (باباجی حضور کی اہلیہ) نے کہا، کیا آپ اِس لیے کہہ رہے ہیں کہ میں نے کافی واسطے دے کر دعا کی ہے، آپ نے فرمایا: نہیں یہ بات نہیں ہے۔ اگلے دن سخاوت بخاری صاحب کی بہو کا ٹیلی فون آیا کہ میرے خاوند باعزت بَری ہو گئے ہیں۔ امی جان نے بعد میں باباجی حضور سے دوبارہ استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: دراصل حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کی جیسی شان اور مرتبہ ہے اُس حوالے سے یہ کام نہایت معمولی تھا۔ دوسرا آپ خود دربار شریف پر جا کر حضرت صاحب سرکار کی خدمت میں عرض کر آئی تھی تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب یہ کام ہو کر رہے گا، چنانچہ آپ نے دیکھا کہ کام ہو گیا۔

دورانِ ملاقات ایک بیلی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا، حضور! میں بہت پریشان رہتا ہوں، بہت فکرمند رہتا ہوں۔

حضور نے فرمایا: بیلیا! تو نے کبھی بلیاں دیکھی ہیں، وہ حیران ہو کر عرض کرنے لگا، جی حضور! میں نے بلیاں دیکھی ہیں، آپ نے فرمایا: یہ بازاروں میں چلتی پھرتی رہتی ہیں کبھی اِن کو پریشان بھی دیکھا ہے (سبحان اللہ) حضور نے فرمایا: تم تو اشرف المخلوقات ہو، جاؤ اللہ کریم خیر فرمادے گا اور ذکر کیا کرو، فکر اللہ کریم پر چھوڑ دو۔ ایک دوسرا بیلی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا، حضور! میں مؤکل قابو کرتا رہا لیکن اب وہ مؤکل میرے لیے ہی وبال بن گئے ہیں، میرے گھر والوں کو مارتے ہیں اور تنگ کرتے رہتے ہیں، میں بڑا پریشان ہوں میری اِن سے جان چھڑوائیں۔ حضور نے فرمایا: کملیا! تو اتنے مؤکل قابو کرتا رہا لیکن اگر ایک اپنے نفس کو کر لیتا تو سب کچھ تیرا ہو جاتا، اچھا جاؤ اللہ کریم خیر فرمادے گا۔

بروز جمعہ ۲۶ جمادی الثانی ۱۴۲۵ ہجری 13 اگست 2004ء

فقیر نے جمعہ کا خطبہ دیا، بابا جی حضور تشریف لائے تو نماز کے بعد تربیتی نشست منعقد کی گئی، جس میں بابا جی حضور نے تربیتی باتیں بیان فرمائیں۔

فرمایا: لوگوں کے تین زمانے ہوتے ہیں، ماضی، حال اور مستقبل۔ لیکن اللہ والوں کا ایک ہی زمانہ ہوتا ہے یعنی ''حال''۔ نہ ہی اُن کے لیے کوئی زمانہ ماضی ہوتا ہے اور نہ ہی مستقبل۔

فرمایا: حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ واقعہ سنایا کہ ایک بزرگ کسی گاؤں میں پہنچے تو وہاں ایک مائی چنے بھوننے والی تھی، آپ نے اُس سے کہا کہ مائی چنے بھون دو۔ مائی نے اُس بزرگ سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ آپ بیٹھے اور مراقبہ میں مستغرق ہو گئے۔ وقت گذرتا رہا۔ آپ کا مراقبہ طویل ہو گیا حتیٰ کہ لوگوں نے آپ کے اِردگرد کمرہ تعمیر کر دیا اور باہر تحریر لکھ دی کہ یہاں ایک بزرگ مراقب ہے۔ کئی سالوں کے بعد وہاں ایک بادشاہ آیا، اُس نے تحریر دیکھی تو اُسے بزرگ کی زیارت کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اُس نے کمرہ کھولنے کا حکم دیا، دروازہ توڑتے ہوئے چھت سے کچھ مٹی اُس بزرگ پر گری تو وہ سر اُٹھا کر کہنے لگے، مائی! کیا میرے چنے بھون دیئے گئے ہیں؟

فرمایا: حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ بعض اللہ والے ایسے ہوتے ہیں جو جھٹ ای جھٹ (بہت تھوڑی دیر کے لیے) مراقبہ کرتے ہیں اور اِس دوران کئی ہزار مرتبہ دنیا بنتی ہے اور کئی ہزار دفعہ قیامت آتی ہے۔

فرمایا: حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو وصال کیے ہوئے تقریباً ۹۶۰ سال ہو گئے ہیں اور آپ کی پیدائش کو ایک ہزار سال سے زائد گزر گیا ہے، کب ایسا لگتا ہے کہ آپ وصال کر گئے ہیں بلکہ یوں لگتا ہے کہ آپ ابھی اپنے حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے ہیں اور ابھی باہر آنے ہی والے ہیں۔

بروز جمعرات ۲ رجب المرجب ۱۴۲۵ ہجری 19 اگست 2004ء

عصر کی جماعت فقیر نے کروائی، نماز کے بعد افتخار بھائی کے ساتھ شہر گیا، انہوں نے باباجی حضور کی محفل کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ آج باباجی حضور، مولانا انوار الحق (جلوانہ) کا خطاب سن رہے تھے کہ مولانا نے دورانِ تقریر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "میرا ڈھولہ" کی نداء کے ساتھ خطاب کیا، باباجی حضور نے سنتے ہی فرمایا: یاد رکھو! ایسے خطابات جو عام لوگوں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے استعمال نہیں کرنے چاہییں اور ایسے خطابات جو سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں وہ عام لوگوں کے لیے استعمال نہیں کرنے چاہییں۔

بروز جمعۃ المبارک ۳ رجب ۱۴۲۵ ہجری 20 اگست 2004ء

بعد از نمازِ مغرب حضور نے بلوایا اور فرمایا کہ غیر تربیت یافتہ غلطی کرلے تو سزا کم ملتی ہے لیکن اگر کوئی تربیت یافتہ غلطی کرے تو اُس کی سزا زیادہ سخت ہوتی ہے۔

فرمایا: درویشی رنگ ہونا چاہیے، سختی والے دیندار بننا اچھا نہیں۔

فرمایا: نرمی اختیار کرو کیونکہ یہ بہتر ہے اور علم اوپر سے آتا ہے نیچے سے حاصل نہیں ہوتا۔

بروز سوموار ۶ رجب المرجب ۱۴۲۵ ہجری 23 اگست 2004ء

حضور کے ساتھ وجاہت حسین بھلی کے بھائی کی رحلت کے افسوس کے لیے سیالکوٹ جانا ہوا، آپ کی کرم نوازی کی انتہاؤں میں عروج کا تسلسل باقی رہا اور راستے میں ارشادات وملفوظات کی دولت سے سرفراز بھی فرمایا۔

فرمایا: حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے متعلق حاضر وناضر کے عقیدے کے متعلق مولوی حضرات بڑی باتیں کرتے ہیں، ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ جسے سرکار نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی شان نظر آئے اُس کے لیے حاضر وناظر ہیں اور جسے نظر نہ آئیں اُس کے لیے نہیں۔ آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے

فرمایا: بعض لوگ بڑی تمنا کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں موت آئے، ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ اگر دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہو اور موت کہیں بھی آئے، اُسے مدینہ طیبہ پہنچا دیا جاتا ہے اور اگر دل میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نہ ہو اور موت مدینہ طیبہ میں بھی آئے تو اُسے باہر پھینک دیا جاتا ہے۔

فرمایا: تربیت سختی سے نہیں ہوتی بلکہ عمدگی سے ہوتی ہے۔

فرمایا: آج کل لوگ سکون تلاش کرتے پھرتے ہیں، کوئی روٹی میں سکون تلاش کرتا ہے، کوئی دولت میں، کوئی اونچے گھروں میں، لیکن اِن چیزوں میں سکون نہیں ہوتا، اصل سکون تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر میں ہے۔

فرمایا: کوشش زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے، یہ مت دیکھو کہ کامیابی کا تناسب کیا ہے، کیونکہ جب کسان ایک ایکڑ زمین میں گندم کاشت کرتا ہے تو 50 کلو گندم بطور بیج پھینکتا ہے لیکن اُس میں سے جو گندم اُگتی ہے وہ صرف پانچ کلو ہوتی ہے اور اِس بات سے سب بخوبی واقف بھی ہوتے ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں کرتا کہ پانچ کلو گندم بطور بیج پھینکے، کیونکہ 50 کلو پھینکنے سے ہی پانچ کلو گندم اُگے گی۔ بس اِسی طرح کوشش زیادہ سے زیادہ کرو، کامیابی ضرور حاصل ہوگی۔

بروز سوموار ۲۰ رجب المرجب ۱۴۲۵ ہجری 6 ستمبر 2004ء

میں کچھ کام کر رہا تھا کہ حضور نے یاد فرمایا اور میں حاضر خدمت ہو گیا، آپ اندرون خانہ تشریف لے گئے تھے، انتظار میں بیٹھ گیا، تھوڑی دیر بعد اندر سے تشریف لائے اور دیکھتے ہی مسکرائے۔

فرمایا: اب طبیعت کیسی ہے؟ (دو دن سے میری طبیعت کچھ خراب تھی) مجھے بھی نزلہ وزکام ہو گیا ہے۔

فرمایا: انوار اللہ نے کراچی سے خط لکھا ہے، اُس کا جواب دینا ہے۔

اِسی دوران گجومتہ شریف سے عطاء اللہ طیبی صاحب ہمراہ ایک بیلی اندر آئے اور سلام عرض کیا تو آپ اُن کی طرف متوجہ ہوئے، انہوں نے عرض کیا کہ کل رات پیر محمد حسین صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہوا ہے بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ اُنہیں زہر دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے جواب دیتے ہوئے

فرمایا: ایسی بات کرنا مناسب نہیں اور کسی پر شک کرنا درست نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ مائی صاحبہ علیل تھیں اور انہیں جگر و سانس کا مسئلہ تھا۔

فرمایا: سجادہ نشین کا چناؤ اب ضروری ہو گیا ہے، کوئی خانقاہ صرف کمیٹی پر نہیں چلتی، لہذا پیر امام علی شاہ صاحب کے مریدین میں سے کسی پاکیزہ کردار اور نیک و صالح شخص کا انتخاب کرو جسے سجادہ نشین مقرر کیا جائے۔

فرمایا: یہ خیال نہ کرنا کہ میں خود سجادہ نشین بن جاؤں، مجھے حضرت کرماں والا شریف بہتر ہے میں یہ نہیں چاہتا لہذا وہاں سے کوئی ایسا بیلی دیکھو جو بزرگوں کا

تابعدار ہو۔

بعد ازاں مجھے انوار اللہ کے نام خط لکھوایا اور پھر فقیر نے چند مسائل حضور کی خدمت میں عرض کیے جن کے فوری حل عطا فرمائے گئے۔

فرمایا: اپنا مورال ہمیشہ بلند رکھو، جنہوں نے کچھ کرنا ہو، وہ اپنے راستے خود بنالیا کرتے ہیں۔

فرمایا: طلباء کو عموماً ناکامی کے خوف سے دوچار کردیا جاتا ہے حالانکہ اُنہیں سب کچھ یاد ہوتا ہے لیکن خوف کی وجہ سے بھول جاتے ہیں۔

فرمایا: اگر چالیس نمبر پاس ہونے کے لیے ہوں تو خوف اور دباؤ کی وجہ سے پینتالیس نمبر کے سوال حل کرنے کی صلاحیت رکھنے والا پینتیس نمبر حاصل کر کے ناکام ہو جاتا ہے ورنہ مثبت سوچ رکھنے والا اور بلند مورال والا پینتیس نمبر کے سوال حل کرنے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود اِس طرح کام کرتا ہے کہ پینتالیس نمبر حاصل کرلیتا ہے۔

فرمایا: ''عام'' اور ''خاص'' کے درمیان بہت کم فرق ہے، معمولی فرق! دیکھو ایک شخص کو اگر کوئی دوسرا گالی دے اور وہ جواباً گالی دے دے تو یہ عام بات ہے لیکن اگر وہ خاموشی اختیار کرلے تو خاص ہو گیا۔

فرمایا: کوئی بات اچھی لگے تو لکھ لیا کرو۔

بروز منگل ۲۸ رجب المرجب ۱۴۲۵ ہجری 14 ستمبر 2004ء

بعد از نمازِ عصر حضور نے یاد فرمایا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ایک دوبار طبیعت کے بارے میں دریافت فرمایا اور پھر رابطہ کمیٹی کے متعلق فرمایا کہ اُنہیں آستانہ عالیہ کے حوالے سے تمام محافل کا پہلے سے علم ہونا چاہیے، یہ مرکزیت کے تصور کی مضبوطی کے لیے ہے۔

فرمایا: بلاوجہ کسی سے معذرت نہ کرو، اپنے مورال کو بلند رکھو، اگر کوئی کام آپ نے سلسلہ عالیہ کی بہتری کے لیے کیا ہے اور آپ کا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ درست اقدام ہے تو پھر معافی کس چیز کی؟

فرمایا: انسان کی روح بڑی عجیب چیز ہے بعض اوقات کوئی چیز ہم نے دیکھی نہیں ہوتی، بعض اوقات کسی شخص سے ہم ملے نہیں ہوتے لیکن کوئی جگہ یا چیز دیکھیں تو یوں لگتا ہے کہ پہلے بھی دیکھ چکے ہیں اور کسی سے ملاقات ہو تو یوں لگتا ہے کہ پہلے بھی کہیں ملے ہیں تو یہ سارے کمالات روح کے ہیں، یہ سیر کرتی رہتی ہے، اکثر ہم بیٹھے بیٹھے کھو جاتے ہیں تو روح سیر میں مشغول ہوتی ہے۔

فرمایا: ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی بزرگوں کے سپرد کر دو۔

فرمایا: میں ابھی چھوٹا تھا تو ایک دن مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی شریف سے باہر آیا اور میرے جوتے کہیں گم ہو گئے، دیکھو کیسی بات ہے کہ میں نے جا کر عرض کیا کہ میرے جوتے مل جائیں اور فوراً میرے جوتے مجھے مل گئے، حالانکہ ایسی دعا کیسی عجیب بات لگتی ہے۔

فرمایا: ایک دفعہ بچپن میں مجھے پیشاب کی زیادتی ہوگئی تو میں نے بے بے جی حضور (حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ بے بے جی! مجھے بار بار پیشاب آ رہا ہے، آپ نے فرمایا، اب نہیں آئے گا اور ایسا ہی ہوا۔

فرمایا: ایک دفعہ میں نہانے کے لیے کسی جگہ گیا، غوطہ لگایا تو پانی کی گہرائی کم تھی، فرش پر سر لگنے کی وجہ سے میرا دانت تھوڑا سا ٹوٹ گیا، جڑ سے نہیں ٹوٹا تھا بس ایک کونا ذرا سا ٹوٹا تھا، میں لاہور میں گھر واپس آیا تو اُسی وقت بے بے جی حضور کا حضرت کرماں والا شریف سے فون گیا کہ میر طیب خیریت سے ہے؟ اُس کا دانت تو نہیں ٹوٹا؟ یہ ہوتا ہے بزرگوں کا تعلق ورابطہ!

فرمایا: عاجزی اچھی چیز ہے لیکن خودی بھی ہونی چاہیے، جس قدر عاجزی زیادہ ہو اُتنی ہی خودی بھی زیادہ ہونی چاہیے۔

فرمایا: غرور نہیں ہونا چاہیے، خودی ہونی چاہیے کیونکہ غرور اور خودی میں بال برابر فرق ہے اِسے قائم رکھنا ضروری ہے۔

بروز ہفتہ ۲ شعبان المعظم ۱۴۲۵ ہجری 18 ستمبر 2004ء

بعد از نمازِ مغرب حضور کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، ایک بیلی حاضر خدمت ہوا جو شاید آپ سے استخارہ کرنے کی درخواست کر رہا

تھا آپ نے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے اندر ایسی کوئی بات نہیں کہ استخارہ کر سکوں، میرے اندر وہ صلاحیت ہی نہیں، پھر تھوڑی دیر توقف کے بعد فرمایا، حضرت جی! میں تو اتنا جانتا ہوں کہ حضرت صاحب سرکار کے پاس تھوڑی دیر کھڑے ہو جائیں تو سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر حضور نے اِس فقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا، کبھی آپ نے بھی استخارہ کیا ہے؟ میں نے نفی میں جواب عرض کیا۔ پھر آپ نے تکبر اور خودی کے متعلق گفتگو فرمائی۔

فرمایا: اِس جمعہ پر میں نے کہا کہ تکبر اور خودی پر گفتگو کرتا ہوں لیکن نہ کر پایا، چند باتیں میرے ذہن میں آ رہی تھیں، میرا ذہن وقفے وقفے سے چلتا ہے، بعض اوقات بہت کچھ مل جاتا ہے، یہ سب کچھ حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کی مہربانی کی وجہ سے ہے۔

فرمایا: تکبر کیا ہے اور خودی کیا ہے؟ جب کوئی اپنے نفس یا اپنی ذات کے لیے کسی کے سامنے ڈٹ جائے تو یہ تکبر ہے اور جب اللہ تبارک و تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے کسی سامنے ڈٹ جائے تو اِسے خودی کہتے ہیں۔

فرمایا: تکبر کی نفی یا عاجزی اور خودی کی انتہا کی ایسی مثال کیا ہو گی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک کافر کو گرا لیا، تلوار بلند کی کہ اُسے قتل کریں، چونکہ اُسے گرانا اور تلوار کو بلند کرنا اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے تھا اِس لیے یہی خودی ہے۔ اب کافر نے آپ پر تھوک پھینکی تو زاویہ بدل گیا لہٰذا فی الفور اُسے چھوڑ دیا یہ تکبر کی نفی اور عاجزی ہے، یعنی بیک وقت عاجزی کی انتہا اور خودی کی انتہا کی یہ کیسی مثال ہے۔

فرمایا: حضرت امام حسین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یزیدیوں نے جو رویہ اختیار کیا وہ انتہائی

غلط تھا، آپ اپنے گھوڑے پر سوار تھے کہ اُنہوں نے گھوڑے کی لگام سے پکڑ کر جھٹکا دیا، یہ امام عالی مقام رحمۃ اللہ علیہ کی بہت بڑی گستاخی تھی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے ساتھ کبھی اِس انداز میں برتاؤ نہیں کیا تھا، لیکن پھر بھی آپ نے برداشت کیا اور کچھ نہ کہا کیونکہ یہاں تکبر کی نفی یا عاجزی کا اظہار کرنا تھا لیکن جب یزیدیوں نے کہا کہ یزید کی بیعت کرنا ہوگی تو چونکہ اب معاملہ پورے اسلام کا تھا لہذا آپ نے انکار فرمادیا اور شاید یزیدیوں کا خیال تھا کہ یکدم اِنہیں صدمہ دینے کی بجائے ایک ایک کر کے صدمہ پہنچایا گیا تو کہیں نہ کہیں ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے ایک ایک کر کے پورا کنبہ شہید کروالیا لیکن یزید کی بیعت نہیں کی ، یہ خودی ہے۔ بیک وقت عاجزی اور خودی کی انتہا کا کیسا خوبصورت امتزاج ہے۔

فرمایا: ایک شخص نے نہایت قیمتی کپڑا ہیرے جواہرات جڑا تیار کیا اور بادشاہ کو پیش کیا کہ وہ خرید لے لیکن بادشاہ نے انکار کر دیا کہ میں یہ کپڑا نہیں خرید سکتا، وہ بڑا پریشان ہوا اور اِسی پریشانی کے عالم میں حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اُس نے آپ کی خدمت میں کپڑا پیش کر کے خریدنے کی درخواست کی تو آپ نے خدام سے فرمایا کہ اِسے خرید لیا جائے، اُس سے کپڑا خرید لیا گیا، اُس سے آپ کا کپڑا خریدنا خودی کی مثال ہے کہ وہ ضرورت مند تھا، اُسے خالی نہیں لوٹایا اور پھر کپڑے کی سلائی کا مرحلہ آیا تو عرض کیا گیا کہ حضور کپڑا کچھ چھوٹا ہے بازو پورے نہیں بن رہے تو آپ نے فرمایا کہ جس قدر کپڑا کم ہے اُتنی جگہ پر ٹاٹ (بوریا) کا پیوند لگا دو، یہ عاجزی کی انتہا اور تکبر کی نفی ہے۔

فرمایا: انسان کو زمین کی مانند ہونا چاہیے، سردی، گرمی، دھوپ، بارش، طوفان، روشنی، اندھیرا سب کچھ برداشت کرتی ہے لیکن پھر بھی دیکھ لو کہ سبزہ دیتی ہے۔ اِس پر سیلاب آتے ہیں اور گذر جاتے ہیں لیکن پھر چراگاہ بن جاتی ہے۔

فرمایا: ٹرین کے انجن کو دیکھو، اکیلا اور حجم میں دوسرے ڈبوں کے برابر ہونے کے باوجود کئی ڈبوں کو کھینچتا ہے اور منزل پر لے جاتا ہے، ایک ہی پٹڑی پر چلتا رہتا ہے، حالانکہ اب تو بجلی والے انجن آ گئے ہیں پہلے بیچارہ خود کالا ہو جاتا لیکن دوسرے ڈبے اس کی وجہ سے صاف رہتے۔

بروز جمعہ ۸ شعبان المعظم ۱۴۲۵ ہجری 24 ستمبر 2004ء

جمعہ کے دن بوقت اشراق حضور کی بارگاہ میں حاضری ہوئی۔

فرمایا: کل ہم حضور میاں صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے دربار شریف پر حاضر ہوئے، جب میں راستے میں تھا تو دل میں یہ خیال آ رہا تھا کہ جب بھی شرق پور شریف جائیں تو جلال غالب نظر آتا ہے کوئی بات، کوئی عرض، کوئی خیال، دل میں جگہ نہیں پاتا، دیکھیے! اِس مرتبہ جا کر بہت سی باتیں کریں گے، بہت کچھ کہیں گے لیکن جب وہاں پہنچے، حضور کے دربار شریف پر حاضری ہوئی تو دیکھا کہ جمال ہی جمال ہے، دل میں ایک عجب سکون، ایک عجیب ٹھنڈک اور جمال کی کیفیت پر کیف سینے میں

محسوس کی۔ جو بہت کچھ کہنے کا خیال دل میں تھا، نجانے کہاں گیا، کوئی سوال نہ رہا، کوئی عرض نہ رہی کوئی خیال نہ رہا، بس حضور میاں صاحب سرکار رحمۃاللہ علیہ کے جمال کی لذت محسوس ہو رہی تھی۔

ایک بیلی نے عرض کیا، حضور مجھے شیخوپورہ میں نگران مقرر کیا گیا ہے، دعا فرمائیں۔

فرمایا: ماشاءاللہ، خوب کام کریں، بیلیا! اپنے آپ کی نگرانی کر لی، خود کو قابو کر لیا تو پورا جہان قابو آ جاتا ہے۔

فرمایا: ابھی ہم نے جنازہ پڑھا ہے (تھوڑی دیر قبل ایک بچے کا جنازہ پڑھا گیا تھا) دیکھ لو جنازے بھی پڑھتے ہیں، موتیں بھی دیکھتے ہیں لیکن پھر بھی نہیں ڈرتے، موت کا خیال تک نہیں آتا، کبھی تصور نہیں آتا کہ ایک دن ہمارا بھی جنازہ ہوگا، اِسی طرح لوگ اُٹھا کر لے جائیں گے اور قبر میں نہ کوئی آسائش ہوگی نہ کوئی دیکھ بھال کرنے والا اور نہ کوئی پرسان حال۔

بروز بدھ ۲۰ شعبان المعظم ۱۴۲۵ ہجری 17 اکتوبر 2004ء

حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کی طبیعت اطہر کافی متغیر محسوس ہوتی تھی۔ دراصل کسی نے نمود و نمائش پر فخر کا اظہار کیا تھا جس کی وجہ سے آپ بے اطمینانی و پریشانی کا اظہار فرما رہے تھے۔

فرمایا: مجھے رشتہ داروں میں سے کسی نے کہا ہے کہ جناب کوئی اعلیٰ گاڑی آپ کے پاس ہونی چاہیے اور یہ کہ فلاں شخص نے ایک کروڑ روپے کی گھڑی باندھی ہوئی تھی تو پتہ چلتا تھا کہ یہ کسی ادارے کا مالک ہے یا کوئی امیر کبیر آدمی ہے، اِس سے آدمی کا پتہ چلتا ہے، اِس پر میں نے جواب دیا کہ پھر تو اُس کے ہاتھ سے گھڑی اتار کر اُسے خوب مارنا چاہیے یا جب وہ گھڑی بند ہو جائے تو پھر اُسے مارنا چاہیے۔

فرمایا: مجھے ایک رشتہ دار نے کہا ہے کہ تمہارا گھر اچھا نہیں، میں نے اُس سے کہا تم یہ بات نہ کرو، میرے مکان جیسا کوئی مکان نہیں، جس گھر میں حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی گزاری، جس مکان میں آپ نے وصال فرمایا، اِس سے بہتر مکان پورے ملک میں کوئی نہیں، تمہیں اِس مکان کی عظمت کا پتہ ہی نہیں۔

فرمایا: یاد رکھو جو شخص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا گستاخ ہو وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اِس طرح جو اہل بیت پاک کا گستاخ ہو وہ بھی دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہو جاتا ہے، اُس کی شکل موت کے وقت مسخ ہو جاتی ہے۔

فرمایا: لوگ حضور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہیں لیکن دیکھو کہ جب حضرت امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اِس کی پیشانی سے نور جھلک رہا ہے، حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے عقل و قیاس کو حکم کے تابع رکھا، حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فقہ صرف عقل و قیاس سے نہیں ہے کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو پھر عورت کے لیے وراثت میں سے ایک حصہ رکھا گیا اور مرد کے لیے دو، حالانکہ یہاں عقل کا تقاضا ہے کہ عورت کے لیے دو اور مرد کے لیے ایک حصہ ہو کیونکہ عورت کمزور ہوتی ہے لیکن یہاں عقل و قیاس کو دخل نہیں پھر فرمایا

کہ نماز اور روزہ میں سے نماز زیادہ افضل ہے لیکن عورت کے مخصوص ایام میں اُس سے جو نمازیں قضا ہوتی ہیں وہ معاف ہیں لیکن روزہ قضاء ہونے پر بعد میں قضاء لازم ہے حالانکہ عقل و قیاس کے مطابق نماز کی قضاء چاہیے تھی پھر فرمایا کہ عقل و قیاس کے مطابق پیشاب، مادہ تولید کی نسبت زیادہ ناپاک ہے لیکن مادہ تولید نکلنے پر غسل فرض کر دیا گیا اور پیشاب کے بعد غسل فرض نہیں کیا گیا، لہذا معلوم یہ ہوا کہ ہر جگہ عقل کے گھوڑے نہیں دوڑانے چاہییں، سرکار کی رضامندی اور اطاعت و متابعت ہی دراصل سب کچھ ہے۔

دوران گفتگو گجومتہ شریف کا تذکرہ ہوا۔

فرمایا: گجومتہ شریف آباد رہے گا اور آباد رہنے کے لیے قائم ہوا ہے۔

بعد از نمازِ ظہر بیلیوں سے ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ غلام بھی قریب موجود تھا ایک بیلی حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا سرکار! میرے بڑے دشمن ہیں، فرمایا: بیلیا! سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے اِس کا مقابلہ کرنے کی تدبیر سوچ۔

ایک بیلی (جو سابقہ عیسائی پادری تھا اور اُس نے چند دن قبل حضور کے خلیفہء مجاز مفتی غلام یٰسین طیبی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا) حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور میری بیوی اور بچیاں بھی مسلمان ہوگئی ہیں اور اب میں آپ کی بیعت اختیار کرنا چاہتا ہوں، حضور نے مبارک باد دی، خوشی کا اظہار فرمایا اور پوچھا: کس چیز نے اسلام کی طرف مائل کیا، اُس نے عرض کیا حضور! مجھے اسلام کی آفاقی تعلیمات نے اسلام کی طرف مائل کیا اور بائبل میں لکھا ہے کہ نبی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتے کے تسمے باندھنے کی تمنا کرتے رہے اور کسی کو کوئی نام ملا،

کسی کو کوئی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حبیب اللہ بنایا۔ آپ اُس کی باتیں سن کر خوشی کا اظہار فرما رہے تھے۔

حافظ ندیم شاہد طیبی نے ایک بیلی کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا (جب ملاقات کا دن ہوتا، باباجی حضور کی خدمت میں بذریعہ ڈاک آئے ہوئے خطوط بھی پیش کیے جاتے) جس میں اُس نے بہت ساری دولت کے حصول کی دعا کرنے کے لیے لکھا تھا، آپ بہت مسکرائے اور فرمایا دولت کیا چیز ہے؟

فرمایا: بھلا سوچو! کسی کو شوگر کا مرض ہو، یہ ایک عام مرض ہے اور وہ دنیا بھر کی دولت اکٹھی کر کے کسی کے پاؤں میں ڈھیر کر دے اور پھر کہے کہ میری مرض کا علاج کرو تو وہ نہیں کر سکتا، ذیابیطس کو مکمل طور پر ختم نہیں کر سکتا، پھر بتاؤ ایسی دولت کا کیا کرنا؟

بروز منگل ۲۶ شعبان المعظم ۱۴۲۵ ہجری 12 اکتوبر 2004ء

بعد از نمازِ ظہر حضور کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔

فرمایا: لنگر شریف کے اخراجات کیسے چل رہے ہیں؟ عرض کیا کہ حضور! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

فرمایا: جو کچھ آتا ہے، کیا خرچ کر دیا جاتا ہے؟ عرض کیا، جی حضور! سب کچھ خرچ

ہو جاتا ہے۔

فرمایا: میرا دل کرتا ہے کہ صبح ایک ارب روپیہ ہو اور شام تک سارا تقسیم ہو جائے اور کیا یہ بات اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہے کہ اگلی صبح پھر ایک ارب روپیہ عنایت فرمادے؟

فرمایا: کسی وقت گھر میں کچھ نہ ہونا بھی رحمت ہے۔ میں نے گھر میں پیغام بھجوایا کہ مفتی غلام یٰسین صاحب تشریف لائے ہیں اُن کے لیے مٹھائی بھجوائیں لیکن مٹھائی نہ آئی تو میں نے پوچھا کہ مٹھائی کیوں نہیں آ رہی؟ بتایا گیا کہ گھر میں مٹھائی نہیں ہے تو میں نے خدا کا شکر کیا کہ کسی وقت گھر میں ضرورت کی چیز نہیں بھی ہے، پھر پوچھا کیا کھجوریں ہیں؟ تو کھجوریں مل گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنت پاک ادا ہو جائے تو اور کیا چاہیے؟

فرمایا: میرا دل کرتا ہے کہ بیلیوں کو افطاری پر بلاؤں، میرے رشتہ دار اور عزیز تو بیلی ہی ہیں۔

فرمایا: بارہ سال گذر گئے، محفل میلاد پاک کا آغاز کیا تھا، (ہر سال ۱۵-۱۴-۱۳ ربیع الاوّل شریف کو حضرت کرماں والا شریف میں باباجی حضور ایک عظیم الشان بین الاقوامی محفل میلاد منعقد فرماتے ہیں) لیکن ایک سال بھی میں اپنے بیلیوں کو اپنی مرضی کا کھانا نہیں کھلا سکا۔ جس طرح کی روٹی میں چاہتا ہوں کہ اپنے بیلیوں کو کھلاؤں، نہیں کھلا سکا۔

فرمایا: شادی بیاہ کا کھانا کچھ کمزور رہ جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن میلاد شریف کی روٹی بہت اعلیٰ ہونی چاہیے۔

بروز منگل ۴ رمضان المبارک ۱۴۲۵ ہجری 19 اکتوبر 2004ء

ظہر کی نماز سے قبل اچانک معلوم ہوا کہ گورنر پنجاب نے آج نمازِ ظہر دربار شریف کی مسجد میں ادا کرنی ہے، اذان کے بعد وضو کر کے مسجد میں پہنچا تو مخدوم المشائخ حضرت پیر سید صمصام علی شاہ بخاری مسجد میں موجود تھے، مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ صفیں درست کروا کر تکبیر خود پڑھنا اور پھر فرمایا کہ جا کر باباجی کی خدمت میں عرض کرو کہ اگر چاہیں تو نماز مسجد میں ادا کریں، مجھے باباجی حضور کے خیالات و نظریات کا اندازہ تھا مگر تعمیل کی غرض سے چل پڑا، میں حویلی میں پہنچا اور آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا تو حضور بیدار ہو چکے تھے، مجھے دیکھتے ہی فرمایا، کیا بات ہے؟ عرض کیا، حضور! بڑے پیر جی نے بھیجا ہے اور آپ کی طرف پیغام بھجوایا ہے کہ گورنر نے نمازِ ظہر مسجد میں ادا کرنی ہے، اگر آپ چاہیں تو تشریف لے آئیں۔ چند لمحے توقف کے بعد حضور نے فرمایا: ''میں علالت کے باعث گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھتا ہوں، آپ تو جانتے ہی ہیں۔'' میں متوقع جواب سن کر خاموشی سے اُٹھ کر واپس آ گیا اور باباجی حضور کا پیغام بڑے پیر جی کو بتا دیا۔ گورنر آیا اور نمازِ ظہر ادا کرنے کے بعد چلا گیا، جماعت کے فوراً بعد ایک بیلی نے باباجی حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا اشارہ کیا، میں حاضر ہو گیا۔

فرمایا: حضرت جی! شرک کی کون کون سی اقسام ہیں؟ میں خاموش رہا۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی کو دکھلاوے کے لیے نماز پڑھنا بھی شرک کی ایک قسم ہے، اِس گورنر کی نوکری تو چند سال رہ گئی ہے لیکن حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ

کریم نے پکی حکومت عطا کی ہوئی ہے۔

فرمایا: میں نے تکبر کی بات نہیں کرتا لیکن میں کسی گورنر کو کیا جانتا ہوں، میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہوں۔

بروز بدھ ۵ رمضان المبارک ۱۴۲۵ ہجری 20 اکتوبر 2004ء

ظہر کی نماز کے بعد حضور نے بلوایا۔ حاضر ہوا تو شوکت علی طیبی، اللہ رکھا حافظ طیبی، چوہدری عبدالغنی، حاجی محمد ارشاد اور محمد یٰسین بسمل طیبی خدمتِ اقدس میں موجود تھے۔

فرمایا: میرا دل کرتا ہے کہ میں اپنے بیلیوں کی افطاری کراؤں، مجھے اپنے بیلیوں سے بڑا پیار ہے۔ میں اپنے بیلیوں سے پیار کیسے نہ کروں؟ یہ وہی بیلی ہیں کہ جن کے لیے اماں جی حضور (حضرت صاحب سرکار کی اہلیہ معظمہ) سحری کا لنگر شریف پکا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ خاموش آنسو بہہ رہے تھے، یہ جمعۃ المبارک کا دن تھا، بہنوں نے پوچھا، اماں جی! کیا بات ہے، آپ کیوں رو رہی ہیں؟ تو اُنہیں کچھ نہ بتایا۔ کون جانتا تھا کہ آپ کے لختِ جگر حضرت پیر سیّد میر طیب علی شاہ بخاری (بعمر گیارہ سال) اُس رات وصال فرما گئے تھے، لیکن اِس بات کا علم صرف اماں جی اور حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کو تھا، اپنے بیلیوں کو صرف اِس لیے نہیں بتایا کہ وہ

آرام کے ساتھ سحری کر لیں اگر اُنہیں معلوم ہو گیا تو کون سحری کرے گا؟ چنانچہ کسی کو نہ بتایا اور سب نے روزہ رکھ لیا تو چند خاص بیلیوں کو غسل کے انتظام کرنے کے لیے بتا دیا اور پھر حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ کے بعد فرمایا، بیلیو! صفیں سیدھی کرلو، پیر جی میر طیب علی شاہ بخاری وصال کر گئے ہیں اُن کا جنازہ پڑھنا ہے۔ بتاؤ اِن بیلیوں سے میں کس طرح پیار نہ کروں؟

فرمایا: مجھ سے کسی نے پوچھا ہے، کیا آپ کے بیلی آپ کے ساتھ مخلص ہیں؟ تو میں نے جواب دیا کہ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اگر آپ کسی کے ساتھ مخلص ہو جائیں تو وہ بھی آپ کے ساتھ مخلص ہو گا، آپ کسی کو دوسرے نمبر پر رکھیں وہ آپ کو چوتھے نمبر پر رکھے گا۔

فرمایا: کسی مصنف نے یہ بات لکھی ہے کہ اگر تم دنیا کے طاقت ور انسان بننا چاہتے ہو تو لوگوں سے پیار کرو۔

فرمایا: یہ بات بالکل درست ہے، دنیا میں سب سے عظیم، کائنات کے خزانوں کے مالک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ سے زیادہ لوگوں کے ساتھ کسی نے پیار نہیں کیا، ذرا وہ وقت یاد کرو جب طائف والوں کے مظالم کی وجہ سے خون مبارک، مقدس ایڑیوں تک پہنچ چکا تھا، لیکن پھر بھی فرمایا، انہیں کچھ نہ کہا جائے کیونکہ یہ نہیں جانتے، میں کون ہوں۔

بروز جمعہ ۷ رمضان المبارک ۱۴۲۵ ہجری 22 اکتوبر 2004ء

یہ فقیر جمعہ پڑھانے کے لیے گجومتہ شریف (لاہور) گیا وہاں سے شام کے وقت مسجد نور (مغل پورہ لاہور) گیا تو فون آ گیا، بشارت رسول گوگا صاحب نے کہا کہ باباجی حضور سے بات کریں، چنانچہ حضور سے بات ہوئی۔

فرمایا: اِس وقت کہاں ہیں؟ عرض کیا، مسجد نور میں ہیں۔

فرمایا: میں نے خیریت جاننے کے لیے فون کیا ہے کیونکہ بیلیوں کی فکر رہتی ہے۔

بروز ہفتہ ۸ رمضان المبارک ۱۴۲۵ ہجری 23 اکتوبر 2004ء

پچھلی رات ۳ بجے پیغام ملا کہ باباجی حضور نے یاد فرمایا ہے اور سحری کا کھانا حضور کے پاس ہوگا۔ میں بروقت حاضر خدمت ہوا۔

فرمایا: مجھے بیلیوں کا بڑا خیال رہتا ہے، وہاں کافی شورش ہے (مراد گجومتہ شریف میں کچھ شرپسند عناصر اپنی ذاتی مفادات کے لیے شرارتیں کر رہے تھے) میں نے عرض کیا: حضور! آپ کا بڑا ہی کرم ہے۔

دورانِ سحری آپ حضور گفتگو فرماتے رہے۔

فرمایا: اپنی آخرت اور قبر کو یاد رکھنا چاہیے۔

فرمایا: جلدی سے یونیورسٹی بنالو، مجھے زیادہ عرصہ بقایا نہیں لگتا، دیکھو! ذیابیطس کا مرض بھی ہے اور عمر کا معاملہ بھی۔

فرمایا: میری بات یاد رکھنا، میری قبر حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے قدمین شریفین کی طرف بنانا، مجھے وہ جگہ بڑی پسند ہے۔

حضور کی یہ بات سن کر حاضرین کی کیفیت متغیر ہو گئی۔

فرمایا: یہ کوئی ایسی بات نہیں، قبر کی نشاندہی کرنا بلکہ بنوالینا اچھی بات ہے۔

بروز اتوار ۹ رمضان المبارک ۱۴۲۵ ہجری 24 اکتوبر 2004ء

حضور کی خدمت میں حاضری کی سعادت میسر آئی۔

فرمایا: آج کل لوگ اپنی اولاد کے بارے میں دنیاوی حوالے سے زیادہ پریشان رہتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیادہ فکر آخرت کے حوالے سے ہونی چاہیے اور آخرت کی بہتری کے لیے کسی نہ کسی سلسلے سے وابستگی نہایت ضروری ہے ورنہ کوئی شیخ القرآن بھی ہو تو بخشش کی اُمید نہیں۔

فرمایا: لوگوں کو محبت سے قریب کرو، یہی صوفیاء کا طریقہ ہے۔ دیکھو! خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو قریب کرنے کے لیے قوالی کا طریقہ بھی اختیار کیا تا کہ کسی طرح لوگ قریب آئیں اور اُنہیں راہِ ہدایت پر لگا دیا جائے۔

فرمایا: کسی شہر میں ایک جلیل القدر بزرگ قیام فرما ہوئے تو آپ کے پاس لوگ

بہت کم آیا کرتے، پتہ چلا کہ اِس شہر میں ایک طوائف رہتی ہے جس کے حسن کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے اور لوگ اُس کو دیکھنے اور سننے کے لیے جاتے ہیں۔ وہ بزرگ متفکر ہوئے اور آخرکار اُس طوائف کے ہاں تشریف لے گئے، اُس کا گانا سنا اور پھر تنہائی میں اُس کی ملاقات کی قیمت ادا کی اور اُس کے پاس گئے۔ طوائف نے دیکھا تو فخر کا اظہار کیا کہ ایسا زہد و تقویٰ والا شخص بھی میرے حسن کا گرویدہ ہے۔ آپ نے طوائف سے کہا کہ میں نے تیری قیمت ادا کی ہے، کیا میری بات مانو گی؟ طوائف نے کہا، ٹھیک ہے۔ فرمایا: وضو کر کے آؤ، اُس نے کہا، لوگ میری تنہائی حاصل کرنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں، تو کن چکروں میں پڑ رہا ہے، اِس وقت سے فائدہ اٹھا۔ آپ نے فرمایا: میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، تم وضو کر کے آؤ۔ چنانچہ طوائف وضو کر آئی، آپ نے اُسے کہا کہ اب دو نفل نماز پڑھو، اُس نے نفل نماز شروع کی تو آپ سجدے میں گر گئے اور اللہ کریم کی بارگاہ میں عرض کیا: باری تعالیٰ! یہاں تک میرا کام تھا، اب بقیہ تیرے ہاتھ میں ہے، تو مہربانی اور رحم فرما۔ اُن کی اِس دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت بخشی اور اُس طوائف نے اپنا پیشہ ترک کر دیا اور حضرت کے حلقہء ارادت میں داخل ہو گئی اور نیک عورت بن گئی۔

فرمایا: ہماری دعا میں ایک شعر آتا ہے کہ "ظاہر باطن ہو برائے خدا"، اِس کا مفہوم کیسا عجیب ہے؟ یعنی باطن تو برائے خدا ہونا ہی چاہیے، لیکن یہ ظاہر برائے خدا ہونا، سمجھ سے بالا ہے۔ دراصل ظاہر برائے خدا ہو تو اللہ کریم باطن بھی درست فرما دیتے ہیں۔ (جس طرح حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اپنا ظاہر درست کرو، باطن کے لیے اللہ کریم خیر فرما دے گا)

بروز پیر ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۵ ہجری، 25 اکتوبر 2004ء

حضور کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو

فرمایا: خوب دل کھول کر صدقات کرنے چاہییں کیونکہ رمضان المبارک میں حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ بہت صدقات فرماتے، بلکہ جس طرح تیز ہوا چلتی ہے (اور ہر جگہ بھر دیتی ہے) سرکار اِس سے بھی زیادہ صدقات فرماتے۔

بروز پیر ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۲۵ ہجری 7 نومبر 2004ء

مسجد میں افطار کے وقت سرکار کی زیارت سے فیضیابی نصیب ہوئی، آپ نے تشریف فرما ہو کر تمثیلاً گفتگو فرمائی۔

فرمایا: کسی نے الماری میں نئے کپڑے رکھنے تھے لیکن جب دیکھا تو الماری میں بہت سے میلے اور گرد آلود کپڑے پڑے تھے، اُس نے خیال کیا کہ اِنہیں نکال کر بعد میں نئے کپڑے اِس میں رکھے جائیں لیکن الماری سے گندے کپڑے نہ نکال سکا اور نئے کپڑے بھی گندے ہو گئے۔

فرمایا: دل کو بغض و تکبر سے پاک کر لو پھر اِس میں نور پیدا ہو گا ورنہ نورانیت بھی ماند پڑ جائے گی۔

بروز پیر ۱۴ شوال ۱۴۲۵ ہجری 29 نومبر 2004ء

بعد از نمازِ ظہر، سرکار کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تو آپ نے گفتگو فرمائی۔

فرمایا: نعمت عظمیٰ مکان شریف میں تھی، وہاں سے کوٹلہ شریف آئی، پھر شرق پور شریف اور حضرت کرماں والا شریف پہنچی۔ لیکن اگر یہاں کوئی قابل ہوا تو رہے گی ورنہ کسی اور جگہ چلی جائے گی۔ کیونکہ طریقت وراثت نہیں ہے، میرے بچے یہ خیال نہ کریں کہ اُنہیں وراثت میں سب کچھ مل جائے گا، ہاں محنت کریں تو سب کچھ ہے۔

فرمایا: ایک دن پیر سید نورالحسن شاہ صاحب (حضرت کیلیانوالے رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے صاحبزادے پیر سید باقر علی شاہ صاحب کو بلایا اور فرمایا: اگر میرا دینی بیٹا بننا ہے تو بن ورنہ دنیاوی بیٹے کی مجھے ضرورت نہیں۔

فرمایا: میرا بڑا دل کرتا ہے کہ یونیورسٹی کی تعمیر میں کام کرنے والے مزدور اور مستری نماز ضرور پڑھیں۔

[شاید حضور میری باتوں کی تائید فرما رہے تھے کیونکہ گذشتہ روز ہی میں نے محمد دین مستری سے یہ بات نہایت تاکید کے ساتھ کہی تھی کہ ہر مزدور اور مستری یونیورسٹی کی تعمیر کے دوران نماز ضرور پڑھے۔]

بروز پیر ۲۸ ذیقعدۃ ۱۴۲۵ ہجری 10 جنوری 2005ء

فرمایا: پسندیدہ سے اخلاق کرنا بہت بڑی بات نہیں یہ بہت آسان ہے، حسن اخلاق یہ ہے کہ جسے پسند نہیں کرتے اُس کے ساتھ اخلاق و محبت کرو۔

فرمایا: کسی کو انکار بھی کرنا ہو تو ایسے سلیقے، قرینے اور محبت کے ساتھ کرو کہ اُسے معلوم تو ہو جائے لیکن محسوس نہ ہو۔

فرمایا: ایک شاہ صاحب مجھے ملنے کے لیے آئے۔ میں اُن سے قیام کرنے کے لیے اصرار کیا تو مسکرا کر نہایت پیار کے ساتھ جواب دیا: یہ تو ممکن نہیں ہو سکے گا ناں! یعنی اُنہوں نے کس قدر پیار کے ساتھ قیام کو ویسے ہی ناممکن ٹھہراتے ہوئے بات ہی ختم کر دی۔ لہٰذا انکار بھی کرو تو ایسے خوبصورت انداز میں کرو کہ طبیعت انکار سن کر مکدّر نہ ہو۔

فرمایا: ایک مرتبہ طبیعت خراب تھی، اپنے آپ پر جبر کر کے ملاقات کر لی لیکن ملاقات میں شگفتگی باقی نہ رہی تو تین ماہ پریشان رہا کہ بیلیوں سے صحیح انداز میں ملاقات کیوں نہیں کر سکا۔

فرمایا: اپنے مورال کو بلند رکھو، اگر کوئی تمہیں پانچ تھپڑ مارے کہ تم یہ عظیم کام کیوں کر رہے ہو اور تم سب کچھ چھوڑ کر بھاگ جاؤ تو یہ کوئی بڑی بات نہیں، لیکن ہاں یہ بہت بڑی بات ہے کہ تم اُس کام کو پورا کرنے کے لیے ڈٹ جاؤ کہ اِسے انشاءاللہ تعالیٰ کر کے دکھاؤں گا۔

فرمایا: لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ سخت مزاج تھے حالانکہ ایسی بات نہیں آپ شگفتہ مزاجی پسند فرماتے۔ آپ کے بیلی مولوی محمد رفیق سرخا (جامع مسجد نور چٹی مسجد، غازی آباد، مغلپورہ، لاہور میں اُن کا مزار مرجع خلائق ہے) اکثر خوش مزاجی کر لیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ داتا صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ سے موہنی روڈ (سیٹھ محمد شفیع کے گھر) تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے مولوی صاحب سے فرمایا، کچھ سناؤ۔ مولوی محمد رفیق سرخا صاحب نے ایک ہاتھ کان پر دھرا اور بازو لمبا کر کے ہیر سُنانا شروع کر دی اور آپ بہت مُسکراتے تھے۔ اِسی طرح ایک

مرتبہ حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کھانا تناول فرمارہے تھے۔ مٹی کی پلیٹ میں گوشت کا سالن تھا۔ مولوی محمد رفیق سُرخا صاحب کو خوش مزاجی سُوجھی اور کہنے لگے، حضور! جب شیر بوڑھا ہو جاتا ہے تو چیل (یا غالباً کسی اور پرندے کا نام لیا) اُڑتی ہوئی جھپٹا مار کر اُس سے گوشت لے جاتی ہے، یہ کہتے ہوئے مولوی محمد رفیق صاحب نے اپنا بازو لہراتے ہوئے پلیٹ میں سے گوشت کی بوٹی اُٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ اِس انداز پر بہت مُسکرائے اور فرمایا، مولوی جی! آدمی بوڑھا ہوتا جائے تو بزرگی جوان ہوتی چلی جاتی ہے۔

فرمایا: اپنے تمام مسائل پیر کے سامنے بیان کیا کرو۔ فیصل آباد والے حاجی صاحب اپنی چھوٹی چھوٹی بات حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر بھیجتے، حتیٰ کہ ایک دفعہ لکھا، حضور! ایک بھینس کا تھن خراب ہو گیا ہے، اُس کے لیے دعا کریں اور پھر ایک دفعہ لکھا کہ بھینس کے بچے کے چلنے میں ٹیڑھا پن ہے، اُس کے لیے دعا فرمادیں۔

فرمایا: رابطہ کی بڑی اہمیت ہے۔ رابطہ مضبوط اور پکا ہونا چاہیے۔

فرمایا: سری لنکا جانے کا خیال آرہا ہے، دیکھیں کیا بنتا ہے۔

[بعدازاں آپ حضور سری لنکا تشریف نہ لے کر گئے۔ جن تاریخوں میں آپ جانا چاہتے تھے، اُنھی دنوں وہاں پر زبردست سیلاب وطوفان آیا، نامعلوم اِس میں کیا معاملہ ہے۔ اِسی طرح آپ حضور نے حاجی محمد شفیق طیبی صاحب کو فرمایا، میرا خیال ہے کہ آپ شیخوپورہ جائیں۔ بعد میں حاجی صاحب نے بتایا کہ جب میں آپ حضور کے حکم پر فوراً شیخوپورہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ ہمارا ایک بیلی حاجی عبدالمجید گجر قتل

ہو گیا ہے اور اُس کی تدفین وغیرہ ہونی ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ آپ حضور نے شیخو پورہ جانے کے لیے بار بار کیوں ارشاد فرمایا]

بروز ہفتہ ۹ محرم الحرام ۱۴۲۵ 19 فروری 2005ء

نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد حضور کی خدمت میں حکم کے مطابق حاضر ہوا، چند دیگر بیلی بھی موجود تھے۔

فرمایا: عرس مبارک قریب ہے، بیلیوں کا بہت خیال رکھنا ہے۔ چوہدری عبدالغنی صاحب نے عرض کیا، حضور! آج مشورہ کرنا ہے کہ سرکاری مہمانوں کا انتظام کیسے کیا جائے۔ شیخ المشائخ نے فوراً ارشاد فرمایا! اور میرے بیلی؟ سرکاری مہمان لوگ تو کاروں پر کچھ وقت پہلے آئیں گے اور دعا کے فوراً بعد بھاگ جائیں گے لیکن میرے بیلی سارا سال کرایہ اکٹھا کرتے ہیں، مجھے اُن کی زیادہ فکر ہے۔

فرمایا: لنگر شریف جتنا کھلایا جائے مجھے خوشی ہوتی ہے لیکن کوشش کریں کہ ایک دانہ بھی ضائع نہ ہو، رزق کی قدر کریں۔

فرمایا: اگر کردار سازی کرنا چاہتے ہیں تو نہ کہنے سے ممکن ہے، نہ سننے، دیکھنے یا بولنے سے بلکہ کردار سازی کر کے دکھانے سے ہوتی ہے۔ دیکھیں، حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے عملی طور پر کر کے دکھایا، ورنہ کیا واقعہء کربلا کو ٹالا نہیں جا سکتا تھا، لیکن آپ نے کر کے دکھایا کہ مشکل وقت میں امتحان لیا جائے تو صبر کس طرح کرنا ہے۔

بروز جمعرات 24 مارچ 2005ء

حضور کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔

فرمایا: اگر مرید میں اخلاص ہو اور شیخ سے محبت کرتا ہو تو پیر اُس پر ناراض نہیں ہوتا۔

فرمایا: ایک صحابی تھے جن کا نام مضحک النبی پڑ گیا، سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں شہد اور گھی لے آتے۔ تحفے کے طور پر پیش کر دیتے اور پھر کچھ عرصہ بعد کسی نہ کسی دکاندار کو ساتھ لے آتے اور عرض کرتے، سرکار! آپ جانتے ہیں، میں تو غریب ہوں لیکن آپ کی خدمت میں تحفہ پیش کرنے کو دل کیا لہذا اِس دکاندار سے اُدھار شہد اور گھی لے آیا، اب یہ رقم کا تقاضا کرتا ہے تو اِسے بھی آپ ہی کے پاس لے آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت مسکراتے اور رقم ادا کرنے کا حکم فرما دیتے۔ اور پھر اُنہوں نے شراب پی لی تو آپ نے حد جاری کروائی۔ پھر بعد میں اُنہوں نے پھر شراب پی تو دوبارہ حد جاری ہوئی۔ حتیٰ کہ اُنہوں نے تیسری مرتبہ شراب پی تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حد جاری کروائی۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اُن کو بُرے لقب سے پکارتے ہوئے سرزنش کی کہ تم باز نہیں آتے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈانٹنے والے صحابی سے فرمایا، ایسے نہ کہو! میں جانتا ہوں کہ اِسے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار ہے۔

فرمایا: اگر مرید میں اخلاص ہو اور محبت بھی کرتا ہو تو پیر اُس کے ساتھ ناراض نہیں ہوتا۔

بروز بدھ ۲ ربیع الثانی ۱۴۲۶ ہجری 11 مئی 2005ء

بعد نماز ظہر پیغام ملا کہ حضور نے بلوایا ہے لہذا فوراً حاضر خدمت ہو گیا۔

فرمایا: بچہ ماں پر کیوں اعتماد کرتا ہے؟ کیونکہ محبت وشفقت کرتی ہے، اللہ کریم تو اپنے بندے کے ساتھ ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے اور اِس ماں کو محبت و شفقت کا جذبہ کس نے عطا کیا ہے؟ اِس لیے اعتماد کرو، کسی پر اعتماد نہ کر کے کیا تم سو فیصد دھوکہ دہی روک سکتے ہو؟ اگر نہیں تو پھر اعتماد کرو، خاص بنو اور کچھ خاص کرو، دھوکہ دینے کی شہرت رکھنے والے پر بد اعتمادی کرنا عام بات ہے سب ایسا ہی کرتے ہیں لیکن اُس پر اعتماد کرنا کچھ خاص ہے۔ حضور ﷺ پر کوڑا ہی تو پھینکتی تھی وہ بوڑھی عورت مگر جب ایک دن نہ پھینکا تو اُس کی عیادت و مدد فرمائی، عام نہیں کیا بلکہ خاص کیا، بس یہی تعلیم ہے سرکار ﷺ کی، یعنی محبت، اخلاص، شفقت پھیلاؤ۔ دیکھو کوئی اپنی ماں کو دھوکہ دیتا ہے؟ نہیں ناں! کیوں؟ اِس لیے کہ اُس نے محبت وشفقت سے اُسے ایسا بنا دیا کہ اُس کی طرف دھوکے کا باب ہی بند کر دیا۔

فرمایا: مراقبہ بڑی چیز ہے۔ ضرور کرنا چاہیے۔

فرمایا: تربیت کرو۔ بدھ مت کے ایک رہنما کی بات یاد آئی۔ اُس نے ایک بوڑھے شخص کو تربیت دینا شروع کی لیکن وہ بوڑھا شخص تربیت حاصل نہ کر سکا اور اُس نے اِسی غم میں خودکشی کر لی اور اُس نے کہا میں بہت غمزدہ ہوں کہ میں تربیت نہیں لے سکا۔

فرمایا: ہمارا دین اُن کی نسبت سچا ہے جبکہ اُن کا مذہب تو کچھ بھی نہیں۔

فرمایا: رابطہ کی بہت اہمیت ہے۔ دنیا بھر میں جو کاروبار ہو رہے ہیں اُن کی حقیقت کیا ہے؟ دراصل یہ صرف رابطے اور برتاؤ کا انداز ہے جسے کاروبار کا نام دے دیا

گیا ہے۔ اگر غور کرو تو ہر کاروبار کی حقیقت فقط اتنی ہے کہ کاروبار کرنے والا اپنے گاہکوں کو خدمات فراہم کرتا ہے اور جواباً اُسے کچھ رقم مل جاتی ہے۔ یہی ہر کاروبار کی اندرونی حقیقت ہے۔

فرمایا: کوکا کولا ہی کو دیکھ لو۔ کتنا بڑا کاروبار ہے، کتنا پھیلا ہوا ہے۔ لیکن سوچو کہ اتنا بڑا کاروبار کیسے بنا۔ یہ کوئی آٹا ہے؟ یا کوئی دال چینی وغیرہ فروخت کر رہے ہیں؟ آخر اِس میں کیا ہے؟ اِس کے باوجود اِس کی قیمت نو روپے ہے۔ جبکہ کاروبار شروع کرنے والے کے پاس ایک دو روپے بھی نہیں پہنچتے ہوں گے۔ پھر جبکہ کوئی کوکا کولا کی عدم دستیابی پر مرتا نہیں۔ پھر آخر اِس کاروبار میں ہے کیا؟ دراصل اُنہوں نے ایک چیز تیار کی اور اُسے ہر جگہ پہنچا دیا ہے۔ اُنہوں نے خدمات فراہم کی ہیں۔ یہی اُن کے کاروبار کی کامیابی کا اصل راز ہے۔

بروز جمعرات ۱۸ جمادی الاوّل ۱۴۲۶، 15 جون 2006ء

حضرت کرماں والا شریف میں نمازِ مغرب باجماعت ادا کرنے کے بعد حضور کی خدمت میں حاضری نصیب ہوئی تو پیر سیّد صمصام علی شاہ بخاری بھی وہیں تشریف فرما تھے۔

فرمایا: پیروار کے دن نیند کے دوران ایک خواب آیا، دیکھتا ہوں کہ حرم شریف میں بیٹھا ہوں، ابتداً احباب میں ہوں، کبھی خیال کرتا ہوں کہ شاید مدینہ طیبہ ہے لیکن پھر

خیال آتا ہے کہ روضہ مبارک نظر نہیں آ رہا تو حاضری کا لطف کہاں؟ اسی دوران دیکھا کہ تین کچی قبور قریب قریب فاصلے پر بنی ہوئی ہیں، تب ہی ایک قبر شق ہو جاتی ہے اور اُس میں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سرکار باہر تشریف لاتے ہیں، آپ کے جسم اطہر پر سفید لباس ہے اور سر اقدس پر عمامہ شریف ہے، بعض دیگر لوگ آپ کو آگے بڑھ کر ہاتھ لگاتے ہیں اور بوسہ دیتے ہیں لیکن میں ادباً پیچھے ہی رہتا ہوں۔ تبھی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں، کیا ہاتھ لگانا ضروری ہے؟ جس نے میرے قرب میں نماز ادا کر لی اُس نے مجھے ہاتھ لگا لیا۔ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس طرف اشارہ فرمایا اُس طرف اصحاب صفہ کا چبوترہ ہے) اِس کے بعد چند لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو واپس قبر انور میں لے جاتے ہیں اور آپ آرام فرما ہو جاتے ہیں، قبر انور بند ہوئی مگر آپ کے مبارک ہاتھ باہر رہتے ہیں، تبھی بعض لوگ آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں اور پھر ہاتھ مبارک بھی اندر ہو جاتے ہیں۔

سبحان اللہ، صلی اللہ علیٰ حبیبہٖ محمدٍ وآلہٖ وسلم

حضور شیخ المشائخ کا خواب سن کر مخدوم المشائخ سیّد صمصام علی شاہ بخاری نے اپنا ایک خواب بیان کیا اور بتایا کہ میں کینیڈا میں حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خاص بیلی کے بیٹے کے گھر میں ٹھہرا ہوا تھا کہ رات کو سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضری ہوئی اور سرکار نے کرم فرمایا۔ اگلے دن جب میں بیدار ہوا تو اُس بیلی سے آس پاس کے لوگ پوچھتے تھے کہ رات تم نے اپنے گھر میں کون سی خوشبو چھڑکی ہے کہ جس کی مہک بہت تیز تھی اور اُس میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ صلی اللہ علیٰ حبیبہٖ محمدٍ وآلہٖ وسلم

11 جون 2006ء کو الحمراء ہال، دی مال، لاہور میں ایک پر ہجوم اجتماع میں مرشد العصر، شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری دامت برکاتہم العالیہ نے علم و حکمت کے ایسے بے مثل و باکمال پھول بکھیرے کہ جن کی مہک نے مقتدر علمی و روحانی شخصیات کے ساتھ ساتھ تمام لوگوں کو حیرت کے سمندر میں گم کر دیا۔ آپ کی شخصیت کے اِس پہلو نے فکر و نظر میں نئے انقلاب برپا کیے اور بعد ازاں انجمن اساتذہ پاکستان نے آپ کے کلماتِ طیبات سے استفادہ کی خاطر سیمینار کا انعقاد بھی کیا۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہِ الکریم

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں تمام حاضرین اور مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے اہلیانِ شہر لاہور اور بالخصوص میاں خلیل احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور جن لوگوں نے اس پروگرام کا انعقاد کیا اُن کا مشکور ہوں کہ انھوں نے یہاں بلایا اور کچھ گفتگو کرنے کا موقع دیا ہم یہاں کچھ باتیں سیکھنے کے لئے آئے ہیں۔ میں نے جو آیت مبارکہ

تلاوت کی اس کے معنی اس طرح سے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمادی اُس کو خیرِ کثیر سے نواز دیا۔ یعنی حکمت کے معنی خیرِ کثیر سے ہیں اور آج انشاء اللہ تعالیٰ گفتگو حکمت سے شروع ہوگی اور حکمت پر ختم ہوگی۔ اگر جاننا چاہیں کہ حکمت کسے کہتے ہیں تو قرآن پاک میں دیکھیں اور تفسیر کو پڑھیں، ان میں غور و فکر کریں تو حکمت کے مختلف معنی و معارف نظر آتے ہیں جن میں حکمت کا ایک معنیٰ نبوت ہے اور بہت سے معنوں میں سے کچھ پر انشاء اللہ بات ہوگی۔ یہ مضمون ایسا ہے کہ اس پر قلیل وقت میں گفتگو نہیں ہو سکتی، حکمت سے مراد دانائی ہے، حکمت سے مراد کسی چیز کو سمجھنا اور اُس کو گہرائی تک جانچنا اور اُس کی خوبیوں اور خامیوں کو سمجھنا حکمت میں شمار ہوتا ہے۔ حکمت سے مراد علم لدنی ہے یعنی وہ خاص علم جو نبی کریم ﷺ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا اور پھر سرکار نے جسے چاہا اُسے عطا فرما دیا اور جسے نہ چاہا اُسے عطا نہیں فرمایا۔ یہ وہ خاص علم ہے جو کتابوں میں نہیں ملتا اور اِس علم سے سینہ کھل جاتا ہے جو صوفیاء کرام اور اولیاء کرام کے پاس تھا اور نبی کریم ﷺ کے تصرف میں ہے کہ جسے چاہیں عطا فرما دیں اور حکمت سے مراد ایک اور چیز ہے جس پر آج میں بات کروں گا۔ اُس سے مراد مقدم اور مؤخر علوم ہیں ایسے علوم جن کا تعلق ماقبل تاریخ سے ہے، اُن کا جاننا اور ایسے علوم جو ابھی آنے ہیں اور جو ابھی لوگوں کو معلوم نہیں ہیں اُن کا جاننا بھی حکمت ہے اور قرآن مجید کے عالم اور قرآن مجید کے طالب علم اس بات کو جانتے ہیں کہ قرآن ایک آفاقی کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جدید کتاب بھی ہے اور اس میں حکمت کی باتیں ہیں۔ سائنس و ٹیکنالوجی اور ایسی چیزیں جن کے بارے میں عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ

دین کی گفتگو کرنے والے یا واعظ و نصیحت کرنے والے لوگ اِن جدید علوم کو نہیں جانتے ، وہ سائنس کو نہیں جانتے ، ٹیکنالوجی کو نہیں جانتے ، مینجمنٹ کو نہیں جانتے ، تنظیمی روّیے کو نہیں جانتے ، سیاست کو نہیں جانتے ، ایسا سمجھنا کہ یہ لوگ اِن علوم کو نہیں جانتے ، یہ بالکل حکمت کے خلاف ہے جو قرآن کا عالم ہے وہ جدید علوم کو ضرور جانتا ہوگا اور اُس پر نہ صرف سیر حاصل گفتگو کر سکتا ہوگا بلکہ زیادہ بہتر طریقے سے لوگوں کو گائیڈ کر سکتا ہے ، وہ لوگوں کو رہنمائی فراہم کر سکتا ہے اور وہ بہترین لائف کوچ ہے ، اب یہ ''لائف کوچ'' کی بات یہاں سے چلی تو پہلے جو کوچز ہوتے تھے یعنی یورپ یا امریکہ میں کھیلوں کے کوچ ہوا کرتے تھے جو کھلاڑیوں کو متحرک کرتے تھے ، اُن کے پروفیشنل روّیے کو بہتر کرتے تھے اور اِس سے اُن کی کارکردگی اچھی ہو جاتی تھی ۔ اُس کے بعد پھر فورڈ اِزم آیا کہ فورڈ موٹرز نے جب گاڑیاں بنانی شروع کیں تو اُن کا یہ ایک طریقہ تھا کہ سستی گاڑیاں بنا کر لوگوں کو دی جائیں تا کہ اُن کا بزنس پھیل جائے ۔ مگر جب انھوں نے اپنی گاڑیاں بیچنی شروع کیں اور سستی سے سستی بیچتے چلے گئے تو ایک وقت کے بعد اُن کا معیار بہت زیادہ نچلی سطح پر چلا گیا اور اُن کی فروخت کم ہو گئی کیونکہ معیار ہی مقدار کو بڑھاتا ہے اور معیار کے ساتھ مقدار میں اضافہ خود بخود ہوتا ہے اب انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں لہٰذا انھوں نے ایک لائف کوچ بھرتی کیا جو کہ جاپان کا تھا اور اُس نے آتے ہی پہلی چیز جو اُن کو بتائی وہ تھی kazin ۔ یہ جاپانی زبان کا ایک لفظ ہے اس کے من و عن معنی اُردو یا انگریزی میں مجھے نظر نہیں آتے ، بہر حال اِس کے معنی ہیں ''مسلسل اور ختم نہ ہونے والی بہتری کے لیے کوشش کرنا''

یہ آپ نوٹ کرلیں تو اچھا ہے، اگر کوئی بات اچھی لگے تو اُسے نوٹ کر لیں اور اگر کوئی بات اچھی نہ لگے تو اُسے چھوڑ دیں، دراصل ہمیں یہ بات لوگوں تک پہنچانی ہے اور بالخصوص علماء اور مبلغین کو یہ بات لوگوں تک پہنچانی ہے کہ ہمارا دین جدید ہے اور ہمارا دین تمام سائنسز اور تمام علوم کو نہ صرف اچھے طریقے سے سمجھتا ہے بلکہ اُن میں مزید بہتری لاسکتا ہے۔ ہمیں یہ سیکھنا ہے کہ ہمارا دین بہترین ہے اور یہ ایک انفرادی شخص کے لئے بھی مکمل اور باقاعدہ لائحہ عمل ہے اور انفرادی برائیوں کو ختم کر کے ایک اکیلے شخص کو بہتر کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی برائیاں اور جو نقص انسان میں ہوتے ہیں، اُن میں عقلی نقص اور جسمانی نقص ہیں اور روح کی بیماریاں اور انسان کے جذبات اور روّیے کو درست کرتا ہے اور (ہمارا دین) بہت آسان ہے، دوسرے مذاہب میں انسان کے قدرتی جذبات کو ختم کرنے پر زور دیا جاتا ہے، اگر ہم ہندو اِزم کو دیکھیں یا عیسائیت، بدھ اِزم یا جودھ اِزم دیکھیں تو آپ جان لیں گے کہ اُن کے جو مبلغ ہیں وہ اس پر زور دیتے ہیں کہ آپ اپنے جذبات کو ختم کردیں جبکہ اسلام میں قدرتی جذبات کو ختم کرنا مقصد نہیں ہے بلکہ اُن کو خاص حدود اور قابو میں رکھنے کا نام اسلام ہے اور اسلام نے حدود کی قیود بنا دی ہیں، جس طرح ہاکی کھیلنے کا میدان ہوتا ہے اُس کے اِردگرد ایک باؤنڈری ہوتی ہے اُس کے اندر کھلاڑی جو بھی کرے وہ جائز ہے اگر وہ اُس سے باہر نکل جائے تو وہ خلافِ قانون ہوگا۔ اسی طرح اسلام میں کئی جذبات کو بہت اچھا بنایا گیا ہے جیسے کہ حسد ہے یہ ایک قدرتی جذبہ ہے جو چھوٹے بچوں میں بھی پایا جاتا ہے اس کو اسلام میں نیا رُخ دیا گیا ہے کہ اسے رشک کے معنوں میں لیا۔

اسی طرح سے غصہ ایک قدرتی جذبہ ہے اور اسلام نے ہمیں سکھایا کہ اپنی ذات کے لئے نہیں کرنا یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات میں اگر کوئی خلاف ورزی ہو اور علم اصول کے خلاف بات ہو تو غصے کو ظاہر کرنا ہے لیکن اپنی ذات کے لئے نہیں۔ اِسی طرح جیسے چغلی یا غیبت ہے۔ میں نے بہت سے ممالک کے گفتگو سے متعلق قوانین کو پڑھا تو دیکھا کہ دنیا میں کوئی بھی قانون ایسا نہیں ہے خواہ وہ امریکہ کا ہو یا یورپ کا یا ایشیا میں چائینیز لاء۔ آپ دیکھیں تو کسی قانون میں بھی زبان کے حملہ پر کوئی سزا نہیں ہے۔ جب ہم کسی پر الزام تراشی کرتے ہیں یا ہم کسی کے بارے میں چغلی کرتے ہیں کیونکہ زبان سے نقصان پہنچانا ہی وہ عمل ہے جو قوم کو خراب اور سبوتاژ کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اموات تو ہر جگہ ہوتی ہیں لوگ پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں اور یہ معاشرے کا ایک حصہ ہے لیکن ناجائز گفتگو اور الزام تراشی سے انسان کا ذہن خراب ہوتا ہے اور اُس کے لاشعور میں ایسے بُرے اثرات نقش ہو جاتے ہیں کہ اُس کا ذہن پوری زندگی اچھے فیصلے کرنے سے محروم ہو جاتا ہے اور دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے ماسوائے قرآن وحدیث کے جو اِن حقوق کا تحفظ کرتا ہو جیسے کسی نے چغلی یا غیبت کی تو اُس نے اِس طرح سے کیا جیسے اپنے زندہ بھائی کا گوشت کھایا اور مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔ تو آپ کس طرح کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب قدیم ہے اور ہمارے مذہب میں جدت نہیں ہے اکثر لوگ بہت بدگمان ہوتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو جانے اور سمجھے بغیر اُس کے بارے میں رائے قائم کر لینا اور بالخصوص ایسی رائے قائم کرنا جو کہ غلطی پر مبنی ہو۔ اگر ہم قرآن پر عمل کرتے تو بلاشبہ

ہماری قوم اِس وقت ترقی یافتہ ہوتی۔ ہمارے پاس قرآن پاک اور حدیث پاک کے اصول ہیں اور انبیاء کرام، اولیا کرام اور صوفیاء کا طریقہ ہے اور وہ ایسا طریقہ تھا جو بہت جدید تھا اور وہ لوگ بڑے نرم خُو تھے۔ انھیں گفتگو کی مہارت حاصل تھی اور گفتگو کے انداز ایسے تھے کہ انھیں پتہ تھا کہ کس طریقے سے شخصیت کو مسئلے سے الگ کرنا ہے اگر آپ کو کسی کی اصلاح کرنی ہے تو آپ کو یہ چیز سیکھنا پڑے گی کہ انسان کی فطرت ایسی ہے کہ طبعی طور پر اگر اُسے ڈائریکٹ کوئی حکم دیں تو وہ کبھی بھی نہیں مانے گا۔ اگر آپ کسی شخص سے کہیں کہ تمہاری داڑھی نہیں ہے، تمہارا یہ عمل خراب ہے تم داڑھی رکھ لو تو یہ بات ماہر نفسیات اور معاملہ فہمی رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ اس طرح کہنے سے کبھی کوئی بات نہیں مانی جائے گی۔ اگر اُس کی اصلاح کرنا مقصود ہے تو بات کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا یعنی شخصیت کو مسئلے سے علیحدہ کرنا ہوگا اور (مسئلے یا گناہ پر بہت سخت ہوں اور شخصیت پر بہت نرم ہوں، اِسی طریقے سے اللہ والوں نے اصلاح کا کام کیا، حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ گناہ سے نفرت کریں گناہ گار سے نہیں۔ جب ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درِ انور پر آیا تو اُسکی داڑھی نہیں تھی، سرکار نے اُس سے ابتداء میں گفتگو نہیں فرمائی لیکن بعد میں شفقت کرتے رہے تو اِس سے معلوم ہوا کہ نفرت گناہ سے کرنی چاہئے گناہ گار سے نہیں۔ انسان بہت ہی بہترین مخلوق ہے اس کو عام نہ سمجھیں اور ہمارے پاس اسلام ایسا اصول ہے کہ اگر ہم قرآن کو سیکھیں، قرآن کو سمجھیں اور قرآن کو نافذ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ انسان بیٹھے بیٹھے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، سوچ کا انداز انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتا

ہے۔ میں پچھلے دنوں ایک کتاب پڑھ رہا تھا اُس میں ایک واقعہ لکھا ہوا تھا کہ اٹلی میں ایک چرچ بن رہا تھا اور ایک آدمی اُس میں استعمال ہونے والا پتھر تراش رہا تھا، ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ بتاؤ کہ تم کیا کر رہے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ میں کنکر کو تراش رہا ہوں اِس لئے کہ یہ میرا روزگار ہے اور یہی میری زندگی ہے اور وہ آدمی بڑا مایوس تھا، پھر وہ آدمی دوسرے مزدور کے پاس گیا جو پتھر کو تراش رہا تھا تو اُس نے پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو تو اُس نے جواب دیا کہ میں محنت کر رہا ہوں مجھے اِس سے پیسے ملیں گے جس سے میں اپنے بچوں کے کھانے پینے کا انتظام کروں گا تو وہ تھوڑا سا خوش تھا اور تیسرا آدمی بہت خوش تھا اور اپنے کام میں بہت محو تھا اُس نے کہا بھئی تم کیا کر رہے ہو تو اُس نے کہا کہ میں یہاں ایک چرچ بنا رہا ہوں۔ اب دیکھیں یہ سوچ کا انداز ہے ہمیں بے وقوفوں سے بھی عقل سیکھنی ہے، حدیث پاک ہے کہ حکمت اور دانائی مومن کی گمشدہ پونجی ہے جہاں سے ملے، لے لو۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عقل بے وقوفوں سے سیکھی ہے اور آپ دیکھیں کہ ابھی حضرت کرماں والا شریف میں ایک یونیورسٹی بن رہی ہے یا کوئی کام ہو رہا ہے تو یہ ایک سوچ کا انداز ہے کہ اگر کوئی آدمی وہاں اینٹیں اُٹھانے کا کام کر رہا ہے اور کوئی آدمی اُسے جا کر پوچھے اور وہ بولے کہ میں تو بس یہ پتھر اُٹھا رہا ہوں یا میں اینٹ گارا اُٹھا رہا ہوں تو یہ سوچ کا ایک انداز ہے اور دوسرے آدمی سے بات کریں تو وہ کہے کہ یہ میری مزدوری ہے جو مکمل کر کے گھر چلا جاؤں گا اور تیسرا آدمی اگر کہے کہ میں ایک ایسا ادارہ بنا رہا ہوں کہ جہاں پر آ کر نبی کریم ﷺ کے غلام علوم قدیم اور علوم جدید سیکھیں گے اور سائنس و ٹیکنالوجی سیکھیں گے تو اب دیکھیں کہ یہ

کیسا ذہنی خاکہ ہے!

یہ جو لائف کوچز آج کل ہر ادارے نے رکھے ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ شروع تو چائنا اور جاپان سے ہوا تھا پھر اِس کے بعد آہستہ آہستہ یہود و نصاریٰ نے اس کو اپنا لیا، میں نے مختلف لائف کوچز کو ڈیل کارنیگی سے لے کر ڈاکٹر سٹیفن کوی تک پڑھا، جو مختلف کمپنیوں کے چیف ایگزیکٹیو کو جا کر کاروبار سکھاتے ہیں، اُن کو کارکنان یا ورکرز کو اکٹھا کرنا سکھاتے ہیں، اُن کو سکھاتے ہیں کہ کس طرح سے اکٹھے ہو کر کام کرنا ہے، مینجمنٹ کیسے کرنی ہے اور لیڈرشپ کیسے کرنی ہے۔

مینجمنٹ کے حوالے سے اگر بات کریں تو انسان قابلِ منظم نہیں ہے، مینجمنٹ کے حوالے سے جب ہم سوچتے ہیں تو ہمارا دماغ کا جو سامنے کا بایاں حصہ ہے وہ کام کرتا ہے جو لوگ لگی بندھی سوچ والے ہوتے ہیں اُن کا یہ حصہ چلتا ہے اور جو لوگ جذبات سے تعلق رکھتے ہیں، جذباتی قسم کے لوگ ہوتے ہیں یا محبت کا جذبہ یا غصے کا جذبہ جن میں ہوتا ہے تعمیری یا غیر تعمیری سوچ والے لوگوں کا دماغ کا دایاں حصہ کام کرتا ہے جسے دماغ کا درمیانی حصہ کہتے ہیں تو جذبات جو ہیں وہ انسانی رویے کو کنٹرول کرتے ہیں۔ لہذا چیزوں کو منظم کیا جاتا ہے اور انسان کو راہنمائی فراہم کی جاتی ہے۔ یہ بات آپ نوٹ کر لیں کہ چیزیں اور میٹریل یعنی پیسہ اور دوسری اس طرح کی چیزیں تو آپ منظم کر سکتے ہیں لیکن جب انسان کی بات آئے تو انھیں رہنمائی فراہم کرنا ہوگی اور لیڈرشپ کے لئے ضروری ہے اپنا نمونہ بنائے اور ہمیں چاہئے کہ کوئی نہ کوئی نمونہ بنائیں اور آج کل ہم دیکھیں تو اِس کی کمی ہے اور ہمارے لئے سب سے بہترین نمونہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات

گرامی ہے اور آپ سے بڑھ کر کوئی اور اچھا نمونہ نہیں ہے اور آپ کے وصال پاک کے بعد صحابہ کرام، اہل بیتِ اطہار اور اولیا عظام تھے پھر آپ ﷺ کی تعلیمات پہ عمل پیرا ہو کر لوگوں کو متاثر کیا، اُنھیں متحرک کیا اور ایسی تربیت کی کہ بہترین فاتح اسلام پیدا ہوئے، بہترین سائنسدان اسلام میں پیدا ہوئے۔

اسلام اور تصوف عام آدمی سے ہٹ کر نہیں ہیں، یہاں ہمارے چند دوست جو موجود ہیں وہ سوچ رہے ہوں گے کہ شاید یہ خلائی مخلوق بیٹھے ہوئے ہیں، جو لوگ تبلیغ کرتے ہیں اُن کو معاشرے کا عام فرد اس طرح سے دیکھتا ہے جس طرح خلائی مخلوق کو دیکھتا ہے کہ یہ دوسرے سیارے سے کوئی چیز آ گئی اور یہ خاص طرح کی گفتگو کرتے ہیں اور اِن کا خاص طرح کا انداز ہوتا ہے اور جو لوگ علم جدید، سائنس، ٹیکنالوجی اور مختلف زبانوں کو جانتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن اور حدیثِ پاک کے طلباء کو دنیا کا پتہ نہیں اور جو آج کل قرآن وحدیث کے علماء ہیں، عمومی طور پر وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے طلباء کو جاہل اور اَن پڑھ کہتے ہیں اور دونوں طبقات اپنی اپنی جگہ پر درست اور غلط ہیں، اصل مسلمان اِن دونوں کے نظریات کا ملاپ ہے یعنی علم جدید اُس کو آتا ہو اور قرآن وحدیث کو اپنا سلطان سمجھے، حکمت کے معنی یہ ہیں۔

میں لائف کوچز کی بات کر رہا تھا تو ڈاؤ، جانز، ایس اینڈ پی اور شکاگو بورڈ آف ٹریڈنگ وغیرہ سب لوگوں نے رکھے ہوئے ہیں اور اُن کے پاس جا کر اپنے دُکھڑے روتے ہیں اور حیرت اور پریشانی کی بات یہ ہے کہ ایسے لائف کوچز کے پاس ہمارے مسلمان جاتے ہیں، مختلف ایگزیکٹیو جا رہے ہیں کیونکہ اُن کو پتہ

ہے آرگنائزیشن کس طرح چلانی ہے، ٹائم کیسے منظم کرنا ہے، بزنس کیسے منظم کرنا ہے، لوگوں کو لیڈ کیسے کرنا ہے، کسی آدمی کو کام پر متحرک کیسے کرنا ہے، تنقید کو قابلِ اصلاح کیسے کرنا ہے۔

تنقید کرنے میں علماء ماہر ہیں اور ہماری قوم کے پاس تنقید کرنے کی جیسی صلاحیت ہے میں نے کم قوموں کے پاس دیکھی ہے کہ بڑی سے بڑی تنظیم کی بنیادیں یہ اپنی تنقید کے ذریعے ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ بعض اوقات کچھ لوگ تعمیری تنقید کرتے ہیں، وہ تو درست ہوتے ہیں، جیسے میرے اندر کوئی غلطی ہے اور کوئی مجھ پر تنقید کرے تو میں کوشش کروں گا کہ اُس کو دور کروں اور کچھ تنقید برائے تنقید کرتے ہیں اور تنقید برائے تنقید دراصل آپ کے لیے حوصلہ افزائی اور ستائش کا اعتراف ہوتا ہے، لہذا آپ یہ بات نوٹ کرلیں کہ اگر آپ اچھا کام کر رہے ہیں اور آپ کی نیت اچھی ہے اور اُس کے باوجود کوئی آپ پر تنقید کر رہا ہے تو اُس آدمی میں صلاحیت نہیں کہ وہ آپ کے سامنے تعریفی روّیہ ظاہر کر سکے، وہ آپ کی ستائش کر سکے، وہ آپ کے ساتھ تعریفی انداز سے بات کر سکے تو وہ یہی کرے گا کہ بلاوجہ تنقید کرے گا۔

میں مقرر نہیں ہوں اور نہ ہی عالم ہوں بلکہ میں ایک چھوٹا سا مبلغ ہوں اور میں آپ کے ساتھ مساویانہ سطح پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ اور احساسِ کمتری یا احساسِ برتری بہر حال اُلجھن ہے اور جو بھی اُلجھن ہوتی ہے وہ انسان کو تنزلی کا شکار کرتی ہے۔ اِس لیے انسان مساوی ہے۔ میں یہاں پر اِس لیے نہیں آیا ہوں کہ میں کوئی بات کروں اور یہاں پر نعرے لگیں اور میں گھر کو چلا جاؤں بلکہ میرا

مقصد یہ ہے کہ ہم سب مل کر کوئی قابلِ عمل عہد کریں، کوئی ایسا عہد ہو جائے کہ آپ بھی عمل کریں اور میں بھی عمل کروں اور داڑھی کے بغیر جو لوگ ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ وہ داڑھی رکھیں کیونکہ داڑھی مبارک رکھنا سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔ لیکن اِس بات کو ہم اچھے طریقے سے جانتے ہیں کہ اگر ہم اُن کی شخصیت پر کھلم کھلا تنقید کریں گے تو وہ کبھی داڑھی نہیں رکھیں گے۔

ابھی میرے پاس کوئی موضوع نہیں تھا، کسی خاص موضوع پر میں نے گفتگو نہیں کی لیکن مینجمنٹ ہو تو اس پر بات ہو سکتی ہے یعنی ٹائم مینجمنٹ اینڈ اسلام اور بزنس مینجمنٹ اینڈ اسلام پر بھی بات ہو سکتی ہے۔ ایگزیکٹیوز نے کس طرح اپنی آرگنائزیشن کو چلانا ہے اور اسلامی تعلیمات کیسی ہیں، اِس پر بات ہو سکتی ہے کیونکہ وہ لائف کوچز جن کی میں نے بات کی اور اُنہیں دیکھا تو زیادہ تر لائف کوچز یہودی تھے یا عیسائی اور اُنہوں نے کتابوں میں دینی حوالے دیے، ایک کتاب جسے ایم۔بی۔اے کے سٹوڈنٹس پڑھتے ہیں اور ٹیم بلڈنگ کے متعلق ہے۔ دیکھیے! اگر آپ کی ٹیم اچھی نہیں ہے تو آپ کی آرگنائزیشن یا آپ کی فیکٹری یا آپ کا ادارہ کبھی نہیں چل سکتا۔ لہذا ٹیم کو متحرک کرنے کے لیے ایک کتاب

Teach your team how to fish

کے بارے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ایک چائنز پروورب ہے، آپ اِسے نوٹ کر لیں، اچھی بات نوٹ کر لینی چاہیے، اگر کوئی بات اچھی نہ لگے تو اُسے چھوڑ دیں، ماشاءاللہ پڑھے لکھے اور صاحبِ عقل لوگ موجود ہیں اور ہم نے ایسی بات کرنی ہے جو عام آدمی کے ذہن میں بیٹھ جائے، پیچیدگی کبھی نہیں ڈالنی چاہیے،

سادہ اور قابلِ یقین فلسفہ پیش کریں کیونکہ جو چیز قابلِ یقین ہو قابلِ حصول ہوتی ہے اور جو چیز قابلِ یقین ہی نہیں وہ قابل حصول بھی نہیں ہوتی اور ہمارا دین انتہائی آسان اور انتہائی ماڈرن دین ہے، بہترین دین ہے اور اِس پر عمل کرنا بہت آسان ہے اور اِس میں جو مشکلات دکھائی جاتی ہیں وہ اِس میں نہیں ہے۔

یہ دین دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایک تو حقوق اللہ ہیں اور دوسرے حقوق العباد۔ حقوق اللہ میں نماز، روزہ اور اُن کا فلسفہ ہے اور دوسرے حقوق العباد ہیں جو تمام تر انسانوں سے متعلق ہیں۔ اِن میں کبھی نہیں بتایا گیا کہ آپ بیوی بچوں کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ اِن میں کبھی نہیں بتایا گیا کہ آپ کمائی نہ کریں، اِن میں کبھی نہیں بتایا گیا کہ آپ تفریح نہ کریں، ہر چیز دین میں جائز ہے، دیکھیے! میں اکثر گفتگو کرتا ہوں کہ انفرادی برائی ایک انسان کی شخصیت کو سبوتاژ کرتی ہے جبکہ اجتماعی برائی پوری قوم کو تنزلی کا شکار کرتی ہے اور میں قوم کی چند اجتماعی برائیوں پر گفتگو کر کے انشاءاللہ بہت تھوڑے وقت میں اپنی بات کو مکمل کروں گا۔

بغیر محنت کے پیسہ آ جانا یا اِس کی خواہش رکھنا سوسائٹی کو تنزلی کا شکار کرتا ہے، اگر کسی کے پاس ہے تو اُس نے کسی بے ایمانی سے، کسی ڈھنگ اور محنت کے بغیر کمایا ہے اور اُس کو دیکھ کر کسی دوسرے دل میں بھی ویسی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے معاشرہ گر جاتا ہے۔ میں نے یورپ اور امریکہ کے سپر ماڈلز، ہاکی یا بیس بال کھیلنے والے اسٹارز کو دیکھا کہ اِن کو نوعمری یا جوانی میں جو پیسہ ملتا ہے اور ملین ڈالرز ہوتے ہیں تو یہ ایک سال میں 60% سے زیادہ ضائع کرتے ہیں اور جو اٹھارہ سے بیس سال کے بچے اور بچیاں ہیں اور ماڈلنگ کرنے سے اُن کو بہت سارا

پیسہ ملتا ہے تو 50% لوگ تیس سال یا پینتیس سال کی عمر میں مر جاتے ہیں، منشیات جیسی لعنت کے استعمال سے یا ایسے عیش میں پڑ جاتے ہیں جس میں ضمیر نہیں ہوتا۔

دوسری بیماری یا گناہ ایسی تفریح ہے جس سے آپ کا ضمیر خراب ہو جائے اور یہ ہمارے معاشرے میں عام ہے۔ ایسا آدمی جو انسانی نفسیات کو کچھ جانتا ہے اگر اُس کے چہرے کو یکسوئی کے ساتھ دیکھے تو اُس کے چہرے سے نظر آتا ہے کہ اُس کے لاشعور پر اُس کے گناہوں کے کیسے دھبے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں تو ایسا آدمی ذلیل وخوار ہے ہی لیکن سب سے پہلے وہ اپنی عزت نفس کو تباہ کر رہا ہے جس کی وجہ سے اُس کا ضمیر بہت بیمار ہے اور وہ بہت پریشان ہے اُس کو کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے اور اُسے کہاں جانا ہے۔

دیکھیے! ماضی تو گذر گیا اور مستقبل کو ابھی آنا ہے جبکہ اصل چیز حال ہے۔ اب حال کو سنوارنے سے آپ ماضی کی غلطیوں کا تدارک کر سکتے ہیں اور حال کو سنوارنے سے آپ مستقبل کو نکھار فراہم کر سکتے ہیں تو یہ چیزیں اکثر میں نے دیکھا ہے کہ عام لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ دیکھیں! پاکستان کیوں بنا تھا؟ یہ ایک سوال ہے۔ ایسی مملکت بنی تھی جہاں دین پریکٹس کیا جا سکے۔ کیا پاکستان میں دین پریکٹس کیا جا رہا ہے؟ اِسے میں تیسری برائی یا گناہ کہتا ہوں جو قوم کو تنزلی سے دوچار کرتی ہے یعنی ایسی سیاست جس میں اصول نہ ہوں پورے معاشرے کا بیڑہ غرق کر کے رکھ دیتی ہے۔ سیاست میں اصول غلط ہوتے ہیں جیسے سوشلزم کی سیاست ہے، ٹھیک ہے کہ ہم اُس سے اتفاق نہیں کرتے مگر ایک سسٹم تو ہے اور جیسے

اسلامی سیاست ہے جس کا مقصد معاشرے کو بہترین بنانا ہے لیکن اُس پر بھی عمل نہیں ہو رہا۔ ایسی سیاست بے اصول ہے جس کا مقصد فقط طاقت کا حصول ہے یا پیسے کا کمانا ہے یا اپنی انانیت کو بڑھانا ہے۔ میں نے بہت سارے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جو منہ بنائے چلتے ہیں اور میری عادت تھی کہ میں اہل تکبر کے ساتھ غصے سے ملتا تھا لیکن آہستہ آہستہ اعلیٰ حضرت گنج کرم رحمۃ اللہ علیہ اور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں بیٹھنے سے اس بات کا پتہ چلا کہ میں نے متکبر آدمی کے ساتھ بھی اخلاق کرنا ہے۔ کیونکہ وہ بیمار ہیں، تکبر بہت بڑی بیماری ہوتی ہے اور آدمی کا بیڑا غرق کر دیتی ہیں اس کو اگر آپ غصے سے سنبھالنے کی کوشش کریں گے تو اس کی بیماری اور بڑھ جائے گی۔ اس کی دنیا بھی خراب ہو جائے گی اور وہ اپنی تربیت میں بہتری پیدا نہیں کر سکے گا نہ تو جسمانی طور پر اور نہ ہی ذہنی طور پر۔ کیونکہ متکبر آدمی کہتا ہے کہ میں سب جانتا ہوں اور آدمی کو جب یہ گمان ہو جائے کہ میں سب جانتا ہوں تو اسکے بعد اسکے لیے سیکھنے کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ جیسے ایک کچھوا اپنے خول میں چلتا ہے۔

جب آدمی دفاعی انداز میں ہوتا ہے تو وہ چند کام کرتا ہے، ایک تو غصہ کرتا ہے جیسے آپ کسی کے ساتھ ذاتی سطح پر ہوں اور آپ اُسے کہیں کہ داڑھی رکھ لو یا نماز پڑھنے کا کہیں تو فوری طور پر اس کا جو رویہ ہو گا وہ غصہ ہے اور غصہ خوف کی دوسری علامت ہے۔ جیسے آنکھ کے پاس اگر کوئی انگلی کرے تو پلک جھپکیں گے یہ تو کچھ پیدائشی احساسات انسان کے اندر موجود ہیں۔ لہٰذا اُس آدمی کے ساتھ آپ پیار کریں اس کی تربیت کریں کیونکہ بزرگانِ دین، صوفیاء اور انبیاء کا یہ طریقہ تھا کہ

پہلے وہ لوگوں کو پیار و محبت سے راغب کرتے اور پیار سے راغب کر کے وہ اپنے قریب لاتے اور جب وہ لوگ ان کے قریب آجاتے تب وہ ان کو تربیت کے ذریعے پاک کرتے، ان کا تزکیہ کرتے تھے۔ اس طریقے سے کہ وہ لوگ بہت زیادہ سراپا عجز ہو جاتے تھے پھر اُن میں عجز ضرور تھا لیکن وہ خوددار بھی تھے۔ اب دیکھیں! کیسی عجیب بات ہے، میں پہلے بھی آپ سے یہ بات کر چکا ہوں کہ انسان عجز اور خودی کا مرکز و محور ہے ایک ہی وقت میں اِس میں عجز بھی ہے اور اسی وقت اِس میں خودی بھی ہے، کہیں یہ بڑا عاجز ہے اور کہیں یہ بڑا ثابت قدم ہے، یہ کیسی عجیب بات ہے! اب اِس کی مثال میں آپ کو دوں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی مثال جو آپ نے بہت دفعہ سُنی ہے فقط اُس پہ آپ نے گھر میں جا کر غور کرنا ہے کہ جب آپ غصّے کے مُوڈ میں ہوتے ہیں تو کیا فوراً آپ نرمی میں آسکتے ہیں؟ بالکل نہیں آسکتے کیونکہ جو ہمارے جذبات ہیں ان پر ہمارا کنٹرول نہیں ہے۔ ہم نے تربیت نہیں لی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا واقعہ آپ نے سنا کہ آپ نے کافر کو کس طرح اٹھا کر زمین پر مارا اور جب اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا تو آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ اب آپ کنٹرول دیکھیں، جب آپ کسی کو پکڑ کر زمین پر گرا رہے ہیں تو اُس وقت آپ کا جذبۂ خودی کیسا ہے اور جب وہ آپ کے منہ پر تھوک دے اور آپ اس کو چھوڑ دیں تو کیسی بات ہے اور کتنا کنٹرول ہے! آج یہ کنٹرول ہمارے علماء لے آئیں۔

حکمت کا ایک اور معنی میں آپ کو بتادوں کہ وہ علم جس پر آپ عمل کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبع علم ہیں تمام علوم جدید ہوں یا قدیم ہوں سب

سرکار ﷺ کی بارگاہ سے چلتے ہیں اور اس بات پر کوئی اعتراض کرے اور شک کرے تو وہ عالم نہیں، پرلے درجے کا جاہل ہے اور وہ ایسا گدھا ہے جس پر کتابیں تو لدی ہوئی ہیں لیکن اس نے کبھی انہیں کھولا نہیں کبھی اُن پر غور نہیں کیا۔ آپ دیکھیے ! سرکار ﷺ کفار کے گھر جارہے ہیں اور یہاں میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں کہ شق القمر کے وقت حضرت حبیب عجمی مسلمان ہوئے جبکہ اپنے سامنے چاند دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ دیکھنے والے ابوجہل اور ابولہب مسلمان نہیں ہوئے۔ لیکن جب سرکار ﷺ اس عورت کے گھر گئے جو آپ ﷺ پر کوڑا پھینکتی تھی۔ اب آپ دیکھیں! اس عورت کے دل میں کتنا رنج تھا اور کیسی وہ عورت ہوگی جو سرکار ﷺ پر کوڑا پھینکتی تھی! لیکن ایک دن کوڑا نہیں پھینکا تو سرکار ﷺ اُس کے گھر میں چلے گئے، اُس اخلاق اور روّیے کی وجہ سے وہ عورت مسلمان ہوگئی۔ آج ہمارے مبلغ اگر اس روّیے اور اخلاق سے تبلیغ کریں تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ لوگوں کا رخ موڑ دیں گے۔ لیکن اگر کسی کو تنقید کا شکار کریں تو وہ آپ کی بات نہیں مانے گا۔ جیسے بچوں کے ساتھ بھی آپ بات کرتے ہیں کہ تُو تو ہے ہی ایسا، تو ہے ہی ویسا۔ لہذا ایسے نہ کہیں بلکہ بچے کو بولیں تو بہت اچھا ہے لیکن جو تُو پڑھتا نہیں ہے یہ غلط بات ہے۔ یعنی غلطی یا جرم سے سخت نفرت کریں لیکن غلطی کرنے والے یا مجرم کے ساتھ انتہائی نرم روّیہ اپنائیں۔

ایک بات اور کرنا چاہتا ہوں جو تربیت کرنے کے لیے بزرگان دین سے ملی ہے کہ سوال ہی جواب ہیں۔ میں نماز کے متعلق گفتگو کر چکا ہوں، وقت کم

ہے ورنہ میں بولتا چلا جاتا اور آپ سنتے چلے جاتے۔

ہمارا ذہن تقریباً بیس یا پچیس منٹ تک ایک بات کو جذب کر سکتا ہے، اس کے بعد یہ تھک جاتا ہے۔ اگر دماغ کی ایف۔ ایم۔ آر۔ آئی کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دماغ سکڑنا شروع ہو جاتا ہے اور پھر جب تک آرام نہیں لیتا تو وہ دوبارہ پھیلاؤ کی حالت میں نہیں ہوتا اور جب پھیلاؤ کی حالت میں ہوتا ہے تو زیادہ کچھ کر جذب کر رہا ہوتا ہے اور جب وہ سکڑا ہوا ہوتا ہے تو کچھ جذب نہیں کر پاتا۔

پچھلے دنوں میں ایک مضمون پڑھ رہا تھا جو بدھ مت کے حوالے سے تھا۔ آپ ضرور پڑھیں، اگر آپ پڑھیں گے تو آپ دیکھتے چلے جائیں گے کہ جیسے جیسے آپ دوسرے ادیان کو پڑھیں گے، آپ کا دین اسلام پر یقین اور اعتقاد پکا سے پکا ہوتا چلا جائے گا۔ میں اس کتاب میں دلائی لامہ کو پڑھ رہا تھا اس کا ایک شاگرد اورسل لامہ ہے، اس نے بدھ اِزم کی تبلیغ کرنے کے لیے بنیادی طور پر ایک کتاب آرگنائزیشن پر لکھی جو ایم۔ بی۔ اے کے طلباء کو ہاورڈ، ییلڈ اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں پڑھائی جاتی تھی اور آپ یہ دیکھیں کہ اُس کتاب سے غیر محسوس انداز میں کیسے وہ کر رہے ہیں بدھ اِزم کی تبلیغ ...... جبکہ ہم نہیں کرتے قرآن کی تبلیغ

میں آپ کو بتاتا ہوں، وہ بیان کرتا ہے کہ اورسل لامہ ایک آدمی کو جو اُن کا ایک لامہ تھا، اُسے لیبارٹری میں لے گیا اور مشین سے اس کے دماغ کی تصویریں لیں ، ایم۔ آر۔ آئی مشینیں ہمارے یہاں ہوتی ہیں جبکہ ایف۔ ایم۔ آئی۔ آئی بہت کم مشینیں ہیں اور پاکستان میں شاید ہی ایک آدھ ہو،

یہ دماغ کی تصاویر لیتی ہیں جب دماغ سکڑتا ہے یا پھیلتا ہے۔ سکڑنے سے مراد ہے کہ دماغ کے جذب کرنے کی صلاحیت کم ہوتی جارہی ہے اور پھیلنے سے مراد ہے کہ جذب کرنے کی اہلیت بڑھتی جارہی ہے تو اُس نے چھ دفعہ اس آدمی کی میڈیٹیشن کی جسے ہم مراقبہ بولتے ہیں اور جب وہ مراقبہ میں چلا جاتا اور اُس کے بعد جب اُس کے دماغ کا عکس لیا جاتا تو اس کا دماغ اس وقت بہترین حالت میں ہوتا اور بہترین حالت اس وقت ہوتی ہے جب آدمی سو رہا ہو تو مراقبہ میں دماغ اُس سے بھی بہترین حالت میں آجاتا۔ چھ دفعہ تجربہ کرنے کے بعد اس نے کہا کہ مراقبہ کیا کریں اس سے ذاتی اہلیت بڑھے گی اور اُس کے بعد کئی لوگ مراقبہ کرنے لگے لیکن بدھ مت کے حوالے سے۔ مجھے اس بات پر بڑی پریشانی ہوئی کہ ہمارے پاس نماز کا وقت نہیں ہے جو مراقبہ سے کہیں بڑھ کر ہے! چنانچہ میں نے کہا کہ بھئی دیکھوں تو سہی یہ مراقبہ میں کیا کرتے ہیں! میں وہاں پر اُن کی ایک بدھ اِزم کی عبادت گاہ میں چلا گیا اور میں نے انہیں کہا کہ آپ مجھے اپنی کتابیں دیں کہ مراقبہ کیا ہے! اُس نے کہا کہ تم تو داڑھی والے آدمی ہو اور پہلے ہی وہ مجھ سے ڈر گئے جس طرح لوگوں کا ہمارے بارے میں تصور ہے، یعنی یہ کچھ جانتا نہیں ہوگا اور یہ سخت نظریاتی ہوگا، نرم خیال نہیں ہوگا۔ میں نے کہا: نہیں بھئی! میں پڑھنا چاہتا ہوں آپ کے بارے میں اور میں تو کسی مذہب کو برا نہیں کہتا، اگر آپ کسی مذہب کو برا کہیں گے تو پھر وہی بات ہے کہ آپ شخصیت کو مسخ کر رہے ہیں اور غلطی پر کوئی گرفت نہیں کر رہے۔ آپ لوگوں کو پیار سے قریب کریں۔

صوفیا نے غیر مسلموں کو مسلمان کیا، آج ہم کیا کر رہے ہیں؟ باہر جو

مسلمان ہو رہے ہیں تو میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ بھئی آپ کو کس نے تبلیغ کی؟ یہ ہماری عدم خیالی ہے کہ مبلغین باہر جا کر لوگوں کو مسلمان کرتے ہیں ......سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اِن کے پاس تو مثبت روّیہ نہیں ہے اور اِن کے پاس قابلیت نہیں ہے اور یہ تو بات چیت نہیں کر سکتے ،فوراً انانیت کے بندے ہو جاتے ہیں اور آدمی کو چڑانے یا غصہ دلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اُن سے عجیب قسم کی باتیں کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے اسلام کی خود سے تحقیق کی اور جب ہم نے تاریخ پڑھی تو ہم اُس کی وجہ سے مسلمان ہوئے نہ کہ ایسے لوگوں کی تبلیغ سے جو کہتے ہیں کہ ہم نے باہر جا کہ اِتنے لوگوں کو مسلمان کیا۔ زیادہ تر لوگ جو مسلمان ہو رہے ہیں وہ خود سے تحقیق کر کے مسلمان ہو رہے ہیں نہ کہ کوئی مبلغ ہے جو مسلمان کر رہا ہے، مبلغ تو وہاں خلائی مخلوق کی طرح نظر آتے ہیں، وہ تو جدید انداز کو استعمال نہیں کرتے ،انہوں نے عجیب سی شکل وصورت بنا رکھی ہے اور لوگوں سے صحیح طرح بات نہیں کرتے ،آدمی کو حقیر جانتے ہیں، تبلیغ کا کام اِس طرح سے کب ہوتا ہے، بلکہ آدمی سے مل کر اور پیار کرنے سے ہوتا ہے۔

اگر آپ پیار کرنا سیکھ جائیں تو آپ دنیا کے سب سے طاقتور آدمی ہو سکتے ہیں، میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا ''اویکننگ دی جائنٹ وِدِ اِن'' یعنی آپ کے اندر ایک قوت ہے اُسے جگائیں تو اِس میں وہ نقل کرتا ہے کہ جس آدمی کو بہت پیار کرنا آتا ہو اُس سے طاقتور دنیا میں کوئی آدمی نہیں ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں اِس سے اختلاف کرتا ہوں ، جب میں نے اِس پر غور کیا تو میں نے کہا: نہیں، اِس کا سوچنے کا انداز یا ذہن کا نقشہ غلط ہے، میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کیونکہ

پوری کائنات میں نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی پیار کرنے والی شخصیت نہیں ہے اور آپ سے زیادہ طاقتور اور مضبوط شخصیت کوئی نہیں ہے۔تو کیا کرنا ہے آپ کو؟ پیار کرنا سیکھنا ہے! اور پیار کرنا سیکھنا اُس شخص سے ہے جو آپ سے پیار کرے۔اخلاق کے معنی کیا ہیں؟ میں آپ کو بار بار یہ بات کیوں بتاتا ہوں اِس کو کہتے ہیں ''نیورو ایسوسی ایٹیو کنڈیشننگ'' یعنی بار بار ایک بات کو دہرانا جس طرح نماز میں بار بار ہم سنتے ہیں، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح بار بار اور پانچ مرتبہ دہرایا جاتا ہے۔

ایک آدمی پیانو کا شوقین تھا، اُس نے پیانو خریدی اور سیٹ کروائی، جب سیٹ کرنے والے نے کام ختم کرلیا تو خریدنے والے نے اُس سے پوچھا بھئی کتنے پیسے لوگے؟ تو وہ کہنے لگا کہ جب میں دوبارہ آؤں گا تو پھر پیسے لوں گا تو اُس نے کہا: بھئی پیانو تم نے سیٹ کردی ہے اب دوبارہ چکر لگانے کا کیا مطلب؟ تو وہ کہنے لگا کہ دوبارہ اِس لئے کہ جب تم اِس کو چلاؤ گے اور اِسے جب بجاؤ گے تو اس کے تار ڈھیلے پڑ جائیں گے تو میں آ کر دوبارہ اُن کو کس دوں گا اور پھر دوبارہ بجاؤ گے تو پھر ڈھیلے پڑ جائیں گے تو اِن کو میں اتنا کستا چلا جاؤں گا کہ ایک وقت آئے گا کہ دوبارہ اُن کو کسنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، تو اس لئے بار بار میں ایک بات کو دہراتا ہوں تا کہ وہ آپ کے ذہن نشین ہو جائے۔اللہ تعالیٰ کا بھی یہی انداز ہے اور بزرگانِ دین کا بھی یہی انداز ہے کہ ایک بات کو بار بار، کئی دفعہ دہراتے ہیں جب تک کہ وہ ذہن نشین نہ ہو جائے۔

ہماری قوم میں مناظرے یا ڈائیلاگ کے عجیب معنی ہیں اکثر ہم دیکھتے

ہیں ٹی وی پر کہ جب لوگ مناظرہ کرتے ہیں تو وہ چاہتے ہیں کہ ایک ہی نشست میں مخالف ہمارا ہم خیال ہو اور اگر وہ ہم خیال نہیں ہو رہا تو اُس کو ایک طرف کر دیں گے، اِس طرح سے تو گفتگو کا صحیح طریقہ نہیں ہے۔

اگر آپ نے دس پوائنٹ کسی کے سامنے رکھے ہیں اور وہ تین میں ہم خیال ہو گیا تو آپ کامیاب ہیں اگر تین میں ہم خیال نہیں ہوا، دو میں ہم خیال ہو گیا تو بھی آپ کامیاب ہیں اگر فقط ایک نقطے پر، صرف ایک نتیجے پر کوئی مان گیا تو پھر بھی آپ کامیاب ہیں اور اگر ایک نقطے پر بھی کوئی آپ سے متفق نہیں ہوا تو کیا ہوا؟ اہل علم اِس کو بھی کامیابی کہتے ہیں کہ اِس سے ذاتی اظہارِ رائے ہو گیا، جیسے میں اپنے آپ کو یا اپنی رائے کو آپ کے سامنے ظاہر کر رہا ہوں، آپ لوگ کچھ نہ کچھ سوچ کا انداز ذہن میں بنا کر جائیں گے اور کوئی نہ کوئی خاکہ تو آپ لے کر جائیں گے، غلط ہو یا صحیح ہو کچھ نہ کچھ خاکہ تو آئے گا لیکن آپ کا خاکہ تو مجھے ملا ہی نہیں لہذا میں اِس حوالے سے معذور ہوں یعنی سوال و جواب سے راہیں کھلتی ہیں۔

کامیابی کسے کہتے ہیں؟ ایک ہی کام کو مختلف انداز سے کرنے کا نام کامیابی ہے۔ جب ہم لوگ دروازے سے باہر کھڑے تھے تو اِس دروازے کو کھلوانے کی کوشش کر رہے تھے اور یہاں پر مقرر صاحب تقریر کر رہے تھے اور ایک صاحب دروازے کو کھٹکھٹا رہے تھے تو کوئی کھول نہیں رہا تھا چنانچہ میرے ذہن میں آیا کہ اگر آپ کو کسی کو بدلنا ہے تو آپ کو خود میں تبدیلی لانی پڑے گی لہذا میں نے کہا کہ اوپر ہال کے دوسرے مرکزی دروازے سے جو کھلا ہوا تھا، جائیں اور اُدھر سے آئیں تو دروازہ کھل جائے گا۔ اب وہاں جتنی دیر بھی ہم کھڑے رہے کسی نے

دروازہ نہیں کھولا، اُدھر سے آئے تو دروازہ کھل گیا یعنی کسی کو بدلنے کے لئے آپ کو خود اپنے آپ کو بدلنا ہوگا تو مبلغ کو چاہئے کہ خود بدلے اور کوشش کرتا رہے اور مسلسل کوشش کرتا رہے اور جو آدمی انکار کو برداشت کر لیتا ہے اور پھر غور کرتا ہے کہ میں مسترد کیوں ہوا ہوں خواہ وہ سی۔ایس۔ایس کا امتحان ہو، خواہ وہ کوئی اور بڑا امتحان ہو تو اس پر سوچے کہ میں مسترد کیوں ہوا ہوں!

دو چیزیں ہوتی ہیں پی اور پی۔سی بیلنس، ایک ہے "پیداوار کی خواہش" اور دوسری ہے "پیداوار کی صلاحیت"، ہماری خواہش یہ ہے کہ ہم اوپر جائیں لیکن صلاحیت بہت نیچے ہے تو جب تک ہماری صلاحیت ہماری خواہش کے برابر اور مطابق نہیں ہوگی تو ہم اُس کو پورا نہیں کر سکتے۔

میرا مقصد یہ ہے کہ میں کچھ نہ کچھ آج آپ کو سمجھا کر جاؤں تو خواہش ہے، حصول کی خواہش، کسی بھی حصول کی خواہش، کوئی بھی خواہش ہو سکتی ہے۔ بادشاہ بننے یا سائنسدان بننے کی خواہش ہو سکتی ہے جو بھی آپ کا ذہنی رجحان ہے جتنی بھی بڑی آپ کی سوچ ہے! کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قبر منور ہو جائے اور سوچتے ہیں کہ مرنے کے بعد کی زندگی حسین ہو جائے اور کچھ لوگ اِس پر یقین نہیں رکھتے اور اس کے بارے میں سوچتے بھی نہیں! آپ کو پتہ ہے آپ کتنی زندگی گزار چکے ہیں؟ آپ کو پتہ ہے کتنا وقت باقی رہ گیا ہے؟ یہ بات میں کئی مرتبہ کر چکا ہوں کہ ایک انسان ہونے کی وجہ سے بہترین پیدائش اگر اُس کا حق ہے، بہترین تعلیم اگر اُس کا حق ہے، اور بہترین مستقبل اُس کا حق ہے تو بہترین موت اُس کا حق کیوں نہیں اور موت کے بعد قبر بہترین ہو یہ اُس کا حق کیوں نہیں ہے!!! تو اِس کی تیاری

تو کرنی پڑے گی، اگر امتحان کی تیاری نہیں کی تو پاس کیا خاک ہوں گے؟

تو ایک ہوتی ہے کسی چیز کی خواہش اور دوسری ہے صلاحیت۔ جب صلاحیت، حصول کی خواہش کی سطح سے مل جائے گی تو آپ یقینی طور پر اُسے حاصل کر لیں گے اور جو چیز قابلِ یقین ہے وہ قابلِ حاصل ہے اور اِس کے لیے آپ ذہنی خاکہ بنائیں اور بہت سی چیزیں قابلِ حاصل ہوتی ہیں۔ کسی امتحان کو پاس کرنا ،کسی امتحان میں اچھی پوزیشن لینا، یہ بہت ہی قابلِ حاصل ہے۔ اصل میں ہم کہتے ہیں کہ ہم سیدھی سادی سوچ رکھتے ہیں تو بحیثیت قوم جو سوچ یا ذہن کی سادگی ہے وہ ہمارے اساتذہ کے سکھانے کی وجہ سے بے یقینی یا نااُمیدی ہے جب کہ ہمیں پُراُمید ہونا چاہیے، کسی حال میں بھی اُمید کو نہیں چھوڑنا۔

دیکھیں بزرگانِ دین کا یہ طریقہ تھا کہ گفتگو کو کیسے اچھے انداز سے اعلیٰ طور پر تبدیل کرتے تھے جیسے اعلیٰ حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق میں آپ کو ایک بات بتاؤں، اگر میں کرامات شروع کردوں تو ختم نہیں ہوں گی، وقت ختم ہو جائے گا، آپ کے پاس جب کوئی آدمی جاتا تھا اور جا کہ یہ کہتا کہ سرکار ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے تو آپ گفتگو کو اعلیٰ طور پر تبدیل کیسے کرتے تھے؟ آپ بہت ہی آرام سے کہتے ''رب کریم نے تو جواب نہیں دیا!!!''

ایک جملے سے اللہ تعالیٰ پہ لوگوں کا عقیدہ اور توحید کا درس کیسے دیتے تھے؟ فقط ایک جملے سے!!! یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو جواب نہیں دیا اور پھر دعا کے ساتھ اور آپ کے تبلیغی انداز کے باعث اُس کو شفا ہو جاتی اور کتنے زیادہ پُراُمید تھے!!! ہماری قوم پُراُمید نہیں ہے مجھے اکثر لوگ کہتے ہیں کہ جناب

ٹیلنٹ بہت ہے! ٹیلنٹ کس میں نہیں ہوتا، ٹیلنٹ تو سب میں ہے ٹیلنٹ افریقہ کے لوگوں میں ہے، ٹیلنٹ کانگو اور صومالیہ کے لوگوں میں ہے، وسطی افریقہ میں ہے اور افغانستان کے لوگوں میں کیا ٹیلنٹ نہیں ہے؟ جن کے پاس ذہن ہے ٹیلنٹ ہے لیکن صرف ٹیلنٹ سے آپ آگے نہیں جا سکتے۔

دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک ہے آئی۔کیو اور دوسری ہوتی ہے: ای۔کیو آئی کیو کا مطلب ہے، ذہن کی سطح اور ای۔کیو کا مطلب ہے، روّیے کی سطح۔ جب آپکا رویہ اچھا نہ ہو تو آپ کامیاب نہیں ہو سکتے، روّیہ اچھا ہو تو آپ اپنی صلاحیتوں کو نکھار کر مزید بہتر کر سکتے ہیں اور میں پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ انسان تین چیزوں پر مشتمل ہے: جسم، ذہن اور روح۔ اور اس کا جزو اعظم روح ہے۔ اگر میں روح پر گفتگو کروں تو اس کے لئے بہت زیادہ وقت درکار ہوگا میں روح کے بارے میں لکھ رہا تھا کچھ تفاسیر سے اور کچھ خود سوچ کر تو اس پر گفتگو کے لئے بہت وقت چاہئے، انشاءاللہ کبھی سیمینار رکھیں گے اور صرف روح پر گفتگو کریں گے جو سب سے اہم جزو ہے۔

دیکھیں! جسم کیا ہے؟ انسان کے جسم کو اگر ہم دیکھیں تو انسان کا جسم بہت سے آرگنائزم سے مل کر بنا ہے، اِس کے بعد سسٹم ہے، جنہوں نے سائنسز پڑھی ہیں، جانتے ہی ہیں اور سسٹم کے بعد کیا ہے؟ آرگان ہے! آرگان کے بعد کیا ہے؟ ٹشوز ہیں! ٹشوز کے بعد کیا ہے؟ سیل ہے! سیل میں کیا ہے؟ نیوکلیس ہے! نیوکلیس میں کیا ہے؟ جینز ہیں! کروموسومز ہیں! ڈی۔این۔اے ہے! اور اگر ڈی۔این۔اے کا کوڈ کسی کو پڑھنا آتا ہو؟ مالیکیولز کی ترتیب ہر آدمی میں مختلف

ہے۔ اگر کسی کو ڈی۔این۔اے کا کوڈ آتا ہو تو وہ بتا سکتا ہے کہ بچے کی آنکھوں کا رنگ کیا ہوگا! اس کی سوچ کا انداز کیا ہوگا! یہ تو جسم کے بارے میں علم ہے اور معاذ اللہ کچھ لوگ تو یہ دعویٰ کرنے لگے ہیں کہ ہم ایک انسان سے دوسرا انسان بنا دیں گے! اب یہ معاشرے کی تیسری برائی ہے جسے میں کہوں گا، شرفِ انسانیت سے عاری سائنس۔ اس سے معاشرہ تنزلی کا شکار ہوتا ہے، ایسی سائنس جس سے انسان کی تذلیل ہو، معاشرے کو تنزلی سے دوچار کر دیتی ہے۔ اب ہمارے بچے پڑھ رہے ہوتے ہیں اور ایک نئے آدمی نے کہہ دیا کہ انسان میں ڈی۔این۔اے کے نیوکلیس میں کروموسومز کی تعداد 46 ہے اور ساتھ میں یہ بھی کہہ رہا ہے کہ ریچھ میں بھی 46 ہے تو ایسی تعلیم دے کر آپ انسان کو ریچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو اس طرح تو یہ ڈارون کی سوچ آ گئی تو یہاں سے ہمیں پتہ چلا کہ یہ علم الاجسام یا جسم سے متعلق علوم کو گھٹیا ذہنیت رکھنے والے لوگ حاصل کرتے ہیں اور جو اِن سے بلند ہوتے ہیں وہ ذہن کے بارے میں سوچتے ہیں اور ذہنی سطح کی جانچ پڑتال کرتے ہیں اور وہ سیکھتے ہیں کہ

ذہنی صلاحیت کو کیسے بہتر کیا جا سکتا ہے؟

دماغی قابلیت کیسے بڑھائی جا سکتی ہے؟

سوچنے کے انداز کو کیسے بہتر کیا سکتا ہے؟

توجہ اور سیکھنے کی صلاحیت کیسے بڑھائی جا سکتی ہے؟

آپ منظم کیسے ہو سکتے ہیں اور قیادت کیسے کر سکتے ہیں؟

اور یہ دوسری سوچ ہے، علماء کے پاس بیٹھتے ہیں، کتابیں پڑھتے ہیں، لیکن پھر بھی

بات پوری نہیں ہوتی، جو انسان کا جزوِ اعظم ہے۔ ''ونفخت فیہ من روحی''، ''میں اِس میں اپنی طرف سے خاص روح کو پھونک دوں''۔ یہ خاص روح ہے جو اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے آپ کا ذہن زمین سے متعلق ہے اور یہ سائنسی آلات زمین سے متعلق ہیں، ایٹم بم زمین سے متعلق ہے اور زمین اللہ کی بنائی ہوئی ہے، اِسے کھودا آپ نے ہے، مٹی سے متعلق ہے، حجر زمین سے متعلق ہیں، حجر یعنی ہیرا کیا ہے؟ کاربن کی دوسری صورت ہے، کاربن کو اگر حدت دی جائے اور اس کو صحیح رگڑ لگ جائے تو وہ ہیرا بن جاتا ہے۔ ہیرے کی اصل کوئلہ ہے، انسان کی اصل روح ہے اور روح اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے خاص انعام ہے لیکن روح کو بہتر کرنے کے بارے میں کوئی سوچتا ہی نہیں، لوگ کہتے ہیں کہ تصوف میں تو ایسے لوگ ہیں جو دنیا سے الگ ہوتے ہیں حالانکہ صوفیا اصل میں سائنسدان تھے، صوفیا معتدل اور ماڈرن تھے لیکن بے غیرت نہیں تھے، ماڈرن ہونے میں کوئی برائی نہیں ہے، ماڈرن ہونا چاہئے۔ خوش لباس ہونے میں کوئی برائی نہیں ہے، خوش لباس ہونا چاہئے۔ خوشبو لگانے میں کوئی برائی نہیں، اچھی خوشبو لگانی چاہئے لیکن بے غیرتی ٹھیک نہیں ہے اور اسی طرح اور بھی بہت سے موضوعات ہیں جیسے ایک موضوع ہے ایسا علم جس میں کردار نہ ہو۔ یہ بھی معاشرے کو تنزلی سے دوچار کر دیتا ہے۔ آپ دیکھ لیں، ابولفضل کو اور دیکھیں فیضی کو، آج کل کے علماء کو دیکھ لیں اور کردار والے آدمی کو دیکھیں۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھیں، خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیں حضرت مولیٰ علی وجہہ الکریم کو دیکھیں، حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیں، میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیں، حضرت بابا کرماں والا رحمۃ اللہ علیہ

کو دیکھیں کہ بغیر عمل کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایسا عالم جو عمل نہیں کرتا وہ جاہل ہے، یہ بہت ہی نقصان دہ ہے اور تیسری چیز ہے ایسا مذہب جس میں قربانی نہ ہو، آپ دیکھیں کہ قربانی دینے سے آپ قابلِ تقلید کردار بنتے ہیں، تمام انبیاء نے قربانیاں دیں، کوئی جنت سے چلے گئے تو کوئی اپنے علاقے سے چلے گئے، کسی کا بیٹا بچھڑ گیا تو کوئی مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے، اُس کے بعد نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے ہجرت فرمائی اور اُس کے بعد یہ دیکھیں کہ حضرت حسین نے من وعن کس طرح سے قرآنِ پاک کی تفسیر فرمائی۔

لہذا یہ بہت اہم ہے اور دین قربانی مانگتا ہے اور دین کی راہ میں قربانی دینی پڑتی ہے لیکن آخرت بہت اچھی ہو جاتی ہے، میرا خیال ہے کہ میں اپنے وقت سے زیادہ بول چکا ہوں اور لائف کوچز کے پاس جانے سے بہتر ہے کہ آپ صوفیا کی درگاہوں پہ آئیں اور اُن سے کچھ سیکھیں، بخدا، میں ایک عام آدمی ہوں، میری تعلیم عام آدمی سے کم ہے، میری صلاحیتیں ایک عام آدمی سے کم ہیں، میرا آئی۔ کیو لیول اور ای۔ کیو عام آدمی سے کم ہیں لیکن بحمدُ للہ تعالیٰ! حضرت صاحب کے قدموں میں بیٹھنے کی وجہ سے ہم وہ کر سکتے ہیں جو عام آدمی نہیں کر سکتا اور میرے جیسا نالائق، کم علم، کم عقل اور کم ظرف آدمی کر سکتا ہے تو آپ لوگ کیوں نہیں کر سکتے، آپ سب لوگ بہتری کی کوشش کریں کیوں کہ اچھی فیملی ہوگی تو اچھی قوم ہوگی۔ خود پہ نظر ڈالیں، توجہ مرکوز کریں، اور قابلِ نمونہ بنیں۔

میں ایک مثال دیتا ہوں کہ ایک اثر کا دائرہ ہوتا ہے اور دوسرا تشویش کا دائرہ۔ دو دائرے لگالیں، ایک بڑا دائرہ تشویش کا دائرہ تصور کریں اور ایک چھوٹا

سا دائرہ ہے جو با اُصول ہے، جس میں قرآن و حدیث کے اُصول ہیں، جسے ہم اثر کا دائرہ کہتے ہیں اور اُس اثر کے دائرے کا مرکز و محور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ کریم ہے اور اُس میں ایسی صلاحیت ہے کہ وہ کثرت پر اثر کرتا ہے، ہم اُس کو عمل کے دائرے میں لائیں گے تو اثر کا دائرہ بڑھتا چلا جائے گا اور تشویش کا دائرہ ختم ہوتا چلا جائے گا اور یہ آپ کر سکتے ہیں اور میں کر سکتا ہوں۔ ہم مساوات پر بات کر رہے ہیں۔ اگر میں یہاں صرف واہ واہ سننے آؤں تو میرا آنا فضول ہے کیونکہ میں کافی محنت کرتا ہوں، طعنے سنتا ہوں، باتیں سنتا ہوں، میں عملی طور پر کوئی کاروبار نہیں کرتا تو صرف میرا مقصد یہ ہے کہ انسان کے کردار میں بہتری پیدا ہو جائے کیونکہ میری یہی نوکری ہے اور میں حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کا خادم ہوں۔ اللہ والے کون ہوتے ہیں؟ اب اللہ والے کے بارے میں لوگوں نے معلوم نہیں کون کون سے گمان پیدا کر رکھے ہیں، اللہ والے کون ہیں؟ صوفیاء کیا ہیں؟ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں اور اُن کے ورکر ہیں اور بس!

انشاء اللہ تعالیٰ، بفضلِ خدا، میں اُمید رکھتا ہوں کہ ایسے سیمینار منعقد ہوتے رہیں گے اور ہم لوگ کوشش کریں گے کہ مختلف باتیں صوفیاء کی درگاہوں سے سیکھ کر لوگوں کو بتاتے رہیں، قرآن کو پڑھنا چاہیے اور اُس پر عمل کرنا چاہیے۔ میں ایک حدیث پاک پڑھ رہا تھا اور آپ کو سنانا چاہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ہونا دنیا میں بہت بری بات ہے۔ ایک قرآن اُس شخص کے دل میں جو ظالم ہے، جو اُس کو صحیح سمجھا نہیں سکتا، جو اُس کی تفسیر و تبلیغ غلط کرتا ہے جو آیات کے شانِ نزول کو مروڑ کر بھولی بھالی قوم کو گمراہ کرتا ہے اور

دوسرا ایسا نیک فرد جو بداعمال کے حلقے میں ہو اور تیسرا ایسا قرآن مجید جس کو کھول کر اُس سے کچھ سیکھا نہ ہو۔ ہمارے گھروں میں ایسی صورتحال ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن کو پڑھیں۔ اگر عربی ہماری مادری زبان نہیں اور نہیں آتی تو اُردو میں تراجم موجود ہیں آپ اُنہیں دیکھیں اور اُن تراجم پر غور کریں، اُن پر تدبر کریں، پھر روزمرہ کی زندگی میں خواہ وہ ایجوکیشن ہو، خواہ کیریر ہو، آپ کی فیملی ہو، سب میں بیلنس ہو کیونکہ زندگی تو بیلنس کا نام ہے ناں! کچھ بھی ہو ذہنی سکون ہو، یہ بہت بڑی نعمت ہے دنیا میں ...... تو یہ کریں انشاء اللہ تعالیٰ بفضل خدا ہمیں فائدہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ ہماری حاضری منظور فرمائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی میں ہمیں رکھے، آپ کی غلامی میں ہمیں موت دے اور کل قیامت والے دن سرکار کی غلامی میں اُٹھائے۔ ﴿ وما علینا الا البلاغ المبین ﴾

لاہور میں Behavior improvement seminar کے نام سے ایک نشست منعقد ہوئی جس میں مرشد العصر، شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری دامت برکاتہم العالیہ نے اہلِ فکر ونظر کو بیش قیمت نکات سے مستفید کیا جن کا مطالعہ نہایت مفید وضروری تصور کیا گیا۔ اُس خصوصی لیکچر کے دُرِ بے بہا کو تحریری شکل میں احساسِ کم مائیگی کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً البقرہ

ترجمہ: اے ایمان والو! دین میں پوری طرح داخل ہوجاؤ۔

اِس آیت مبارکہ کی تفسیر میں غور وخوض کرتے ہیں تو کچھ باتیں سمجھ میں آتی ہیں جو مفسرین نے وضاحت سے لکھی ہیں کہ زبان سے کلمہ طیبہ پڑھنا یا زبان سے دین قبول کرنا، اس کے معنی ومعارف اُس طرح سے نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ مسلمان ہیں کیونکہ ہر دعوے کو ایک دلیل کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر دعوے کے لیے ایک دلیل ہوتی ہے، اِسی لیے مسلمان کے لیے یہ دلیل ہے کہ جو

وہ پڑھتا ہے، سنتا ہے یا کہتا ہے، اُس پر عمل کرے۔

اِسی آیت کے ماتحت، مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ نہ صرف عمل کرنا بلکہ اُس کے اوپر پوری طرح سے مطمئن ہونا اور اس کے علاوہ حدود و قیود جو اسلام نے مقرر فرمائی ہیں اُن سے روگردانی یا نکلنے کا تصور بھی دین کامل نہیں ہے چنانچہ پوری طرح سے دین میں اگر داخل ہو جائیں تو پریشانیاں، دقتیں اور روزمرہ کے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

ہفتے والے دن جو موضوع ہمیں ڈسکس کرنا تھا وہ تھا روّیہ، اُس دن بارش تھی لہذا پہنچ نہیں سکا۔ آج کی گفتگو اِسی لیے رکھی تھی کہ جو باتیں اُس دن نہ ہو سکیں، اُنہیں نوٹ کرلیا جائے اور اُن کو پھیلا دیا جائے، لکھ دیا جائے اور شائع کر دیا جائے۔

بی ہیوئیر کے لفظی معنی اگر اُردو میں کریں تو ''روّیہ'' ہے اور یہ موضوع ایسا ہے کہ اِس پر دس نشستیں بھی ناکافی ہیں لیکن فی الوقت ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ روّیہ کسے کہتے ہیں؟

مشرق والوں نے روّیہ کو خوش اخلاقی، عاجزی اور خلق میں شمار کیا ہے۔ بنیادی طور پر ہم روّیہ کو خلق کہیں گے اور روّیہ کسی بھی تنظیم کے کامیاب یا ناکام ہونے میں ایک بنیادی کردار/کسوٹی کا کام کرتا ہے۔ اگر رویہ اچھا ہوگا تو کوئی بھی مطلوبہ نتیجہ یا مقصد ہے تو اُس کو بہت تیزی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اگر روّیہ نامناسب ہے تو چانسز یہ ہیں کہ وہ مقصد حاصل نہیں ہو پاتا، خواہ کتنا ہی عظیم اور اچھا مقصد کیوں نہ ہو! بھلے سے تبلیغ دین ہی کیوں نہ ہو، تبلیغ دین کرنے میں رویہ بہت

ہی ضروری اور بہترین کردار ادا کرتا ہے۔ مبلغ یعنی جو دین کی تبلیغ کرتے ہیں، اگر اُن کا رویہ مناسب نہ ہو تو دین کی تبلیغ نہیں ہو سکتی۔ بہت زیادہ مواقع ہیں کہ وہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔

اب روّیے کے حوالے سے کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ کسی کو غصہ آئے ہی نہیں۔ آدمی غصے والا ہو ہی نہیں۔ لیکن انسان کی جبلت میں غصہ بھی ہے۔ انسان کی جبلت میں تکبر بھی ہے جسے غرور بولتے ہیں۔ انسان کی جبلت میں چاپلوسی اور خوشامد بھی ہے۔ تو یہ کس طریقے سے پتہ چلے گا کہ کیسا روّیہ بہترین اور منظم ہے۔ غصے کا منظم اظہار یا غرور کا منظم اظہار خودی ہے۔ یہ بھی اچھے روّیے کا ایک حصہ ہے۔ غلط بات پہ نالاں ہونا بھی اچھے روّیے کا ایک حصہ ہے۔ تو اِس حوالے سے کس طرح پتہ چلے گا کہ خود اعتمادی یا کب جا کر متکبرانہ سوچ بن جائے، آدمی اپنی طرف سے یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ خودی کو استعمال کر رہا ہے لیکن اگر اُس کا کوئی حدود اربع یا مربوط نظام نہیں ہے تو اُسے پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کب اُسکا خودی کا روّیہ تکبر میں تبدیل ہو جائے گا اور اُس کے حالات بڑے خراب ہو جائیں گے اور جب وہ عجز کر رہا ہو گا اور اُس کے حدود و قیود اچھے طریقے سے مربوط نہیں ہیں تو اُس کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کس وقت اُس کا عجز خوشامد میں چلا جائے گا اور یہ دونوں چیزیں انسان کے لیے بے حد نامناسب ہیں۔

خودی ایسی کہ تکبر کا شائبہ بھی نہ ہو اور عجز ایسا کہ خوشامد اُس کے قریب سے بھی نہ گذرے۔ یہ انسان کی بے بہا خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے۔

انسانی دماغ کے سامنے کا جو بایاں حصہ ہے یہ انتظامی اُمور کو کنٹرول

کرتا ہے اور انسانی دماغ کے سامنے کا جو دایاں حصہ ہے یہ جذبات کو کنٹرول کرتا ہے اور جو انتظامی اُمور سرانجام دینے والی ٹیم ہوتی ہے وہ حساب کتاب، نیٹ سرفنگ اور گنتی وغیرہ کو کنٹرول کرتی ہے۔ مینجمنٹ کے حوالے سے جو دماغ ہے وہ بائیں والا ہے اور لیڈر شپ کے حوالے سے جو ذہن کام کرتا ہے وہ داہنی طرف کا حصہ ہے۔

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ بائیں دماغ سے کام لیتے ہیں اور کچھ دائیں دماغ سے۔ کچھ لوگ بہت اچھے لیڈر ہوتے ہیں، اچھے طریقے سے لوگوں کو ہدایات فراہم کر سکتے ہیں لیکن انتظامی اُمور میں وہ مار کھاتے ہیں۔ اِسی طرح اکاؤنٹنگ میں اور سپیڈ میں وہ لوگ کم ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ انتظامی اُمور میں تو بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن لیڈر شپ میں، جذبات/اخلاقیات میں اُن لوگوں کی صلاحیت اتنی اچھی پروان نہیں چڑھی ہوتی۔

اِس لیے ضروری ہے کہ آپ اپنا احتساب کریں اور دیکھیں کہ کون سی صلاحیت اِس وقت آپ میں ہے، آپ انتظامی اُمور میں اچھے ہیں یا لیڈر شپ میں۔ اگر آپ انتظامی اُمور میں اچھے ہیں تو انفرادی طور پر آپ اچھا کام کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ قائد بننے میں اچھے ہیں تو ایک گروپ کی صورت میں آپ اچھا کام کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بیک وقت یہ دونوں خصوصیات آپ میں ہونا بہت ضروری ہے اور جب تک آپ اپنا محاسبہ نہیں کرتے، اپنے آپ کو اچھے طریقے سے غور سے دیکھتے نہیں تو آپ بائیں دماغ سے انتظام و انصرام نہیں کر سکتے اور دائیں دماغ سے رہنمائی نہیں کر سکتے۔ اِس کا حل یہ ہے کہ بائیں سے انتظامی کام کرو اور دائیں

سے راہنمائی کرو تو آپ کے لیے یہ دونوں چیزیں ہی ضروری ہیں۔

انتظامی اُمور سرانجام دینا دراصل قابلیت سے متعلق ہے کہ آپ کتنے قابل ہیں اور جو لیڈرشپ ہے یہ آپ کے کردار سے متعلق ہے اور یہ دونوں ہی خصوصیات بدرجہ اتم انسان میں ہونا ضروری ہے۔

اگر آپ مبلغ ہیں یا آپ کسی تنظیم کو چلا رہے ہیں یا آپ اُستاد ہیں، آپ کچھ بھی ہیں تو یہ دو چیزیں آپ میں ضرور ہونی چاہییں، یہ پہلے بھی بارہا گفتگو ہو چکی ہے کہ ذاتی سطح پر اعتماد کیے جانے کے قابل اگر آپ کو بننا ہے تو دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک تو آپ قابل ہوں یا آپ میں قابلیت ہو اور دوسرا آپ کا کردار اچھا ہو۔

کردار جو ہے وہ جذبات و تاثرات کے حوالے سے ہوتا ہے کہ آپ کا اخلاق کیسا ہے؟ آپ کیسے بولتے ہیں اور آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ آپ کے دونوں دماغ کام کر رہے ہیں؟

ایک کامیاب آدمی ہونے کے حوالے سے آپ کے دونوں یعنی دایاں اور بایاں دماغ بیک وقت کام کرنا بہت ضروری ہے۔ عموماً آپ نے دیکھا ہوگا کہ مینجر قسم کے لوگ اکثر یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہم تو اکاؤنٹنگ بھی کرتے ہیں، ہم یہ کرتے ہیں، ہم وہ کرتے ہیں، دن رات کام کرتے ہیں، ہمارا باس آ کر ہمیں ہدایات فراہم کر کے چلا جاتا ہے اور اُس میں اتنی زیادہ قابلیت بھی نہیں جتنی ہمارے اندر ہے تو یہ لازمی سی بات ہے کہ جس میں لیڈرشپ کے جوہر ہوتے ہیں وہ دائیں طرف کے دماغ سے سوچ رہا ہوتا ہے اور جو کسی تنظیم یا جماعت کے

انتظامی اُمور سنبھالنے میں ماہر ہوتے ہیں وہ لوگ بائیں دماغ سے زیادہ سوچ رہے ہوتے ہیں اور لیڈرشپ اور جذبات و تاثرات/اخلاقیات یعنی جب ٹیم کو رہنمائی کرنے کا موقع آتا ہے تو اُس وقت اُن لوگوں کا رویّہ اتنا اچھا نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اُن کی زیادہ ترقی نہیں ہو پاتی۔

بیک وقت یہ دونوں چیزیں قابلیت و صلاحیت اور کردار انسان کا حصہ ہیں۔آپ کو یہ دیکھنا ہے یا احتساب کرنا ہے کہ آپ جذباتی / با اخلاق زیادہ ہیں، اُس طرف آپ کا دھیان ہے یا انتظامی اُمور کی طرف آپ کا دھیان ہے۔

اِن چیزوں میں آپ کو خود اپنے آپ کا احتساب کرنا ہے اور دوسرا حصہ دماغ کا یا دوسری طرح کی جو سوچ ہے اُس کو آپ کو استعمال کے ساتھ بڑھانے کی کوشش کرنا ہے اِس کا یہی ایک طریقہ ہے اور اِس طریقے کو میں کہتا ہوں کہ گندے پانی کا تالاب اچھے پانی والا نخلستان بنانا۔

اِس حوالے سے آپ کو یہ سوچنا ہے اور اِس کے لیے ایک مستقل جدوجہد کی ضرورت ہے اور روّیے کے حوالے سے آپ دیکھیں کہ مسلمان جو اسلام پر عمل کرتے ہیں، اُن کا روّیہ کتنا زبردست ہوتا ہے۔ایک مثال جس نے مجھے بھی بہت مرعوب کیا اور آپ لوگوں نے بھی سُنی ہے بلکہ بارہا سُنی اور آج آپ دوبارہ غور فرمائیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جس وقت کافر کو اُٹھا کر زمین پر پھینکا تو بیک وقت آپ کی شخصیت کا کنٹرول اور خودی کا عالم دیکھیں کہ وہ کیسا ہوگا اور جب اُس آدمی نے آپ کے منہ مبارک پر تھوکا تو آپ اُس کو چھوڑ رہے ہیں تو یہ کنٹرول اسلام کے مربوط اُصولوں کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔اِس

کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کو اپنے معمولات میں شامل کیا جائے، اُس کو سمجھنے سے، پریکٹس کرنے سے اور عمل کرنے سے آپ دیکھیں گے کہ یہ اسلوب کی راہیں طے ہو جائیں گی اور آپ کو یہ کنٹرول ملے گا کہ کہاں، کس مقام پر آپ نے ڈٹ جانا ہے اور کس مقام پر آپ نے درگذر کرنا ہے۔

یہ بات میں نے پہلے بھی کئی دفعہ کی ہے لیکن پھر دوبارہ کر رہا ہوں کہ اعلیٰ قوموں یا اچھے لوگوں اور غیر تربیت یافتہ لوگوں میں امتیازی فرق یہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ تربیت یافتہ لوگ اُصولی مؤقف پر کبھی بھی جھکتے نہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر مصلحت کرتے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں سے درگذر کرتے ہیں۔ لیکن جو چیز اُن کے ضابطہء اُصول سے ٹکرا رہی ہو اُس پر وہ ڈٹ جاتے ہیں، اور جو پست قومیں ہوتی ہیں یا غیر تربیت یافتہ لوگ ہوتے ہیں وہ اُصولی مؤقف پر دباؤ کے تحت گر جاتے ہیں جبکہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہمیشہ لڑتے جھگڑتے ہیں اور میں نے یہ دیکھا ہے اکثر جو لوگ دعوے دار ہیں کہ ہم تبلیغ دین کرتے ہیں اور مبلغ ہیں، خواہ وہ کسی بھی مکتبِ فکر سے ہوں، ایک قدر اُن میں مشترک پائی گئی کہ وہ عمومی طور پہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑتے ہیں اور جہاں اُصولی مؤقف آئے اور وہاں کسی کا دباؤ ہو جیسے گورنمنٹ کا دباؤ ہو یا دوسرے مذاہب کی طرف سے ہو تو اُس پر میں نے اُن کو جھکتے اور ٹوٹتے ہوئے بارہا دیکھا ہے اور چھوٹی چھوٹی بات جیسے نماز کس طرح پڑھنی ہے؟ ہاتھ چھوڑ کر یا باندھ کر! اِس کے اوپر میں نے لوگوں کو ایک دوسرے کے گریبانوں کو پکڑتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ لوگوں نے بھی دیکھا ہے اور جب کہیں بڑا مقصد آ جائے تو اُس وقت اُن میں کوئی اُصول نہیں رہتا۔

پاکستان کے حالات آج آپ دیکھ لیں کہ ہم لوگوں کی سوچ کس طرح کی ہے؟ کیا ہم چھوٹے چھوٹے معاملات پر اُلجھتے نہیں ہیں جبکہ بڑے بڑے معاملات کے آگے ہم جھک جاتے ہیں اور امام حسین پاک علیہ السلام اور امام حسن پاک علیہ السلام نے گویا قرآن کی تفسیر کر دکھائی اور آپ دیکھیں کہ حکومت تک امام حسن پاک علیہ السلام نے چھوڑ دی کہ یہ ذاتی معاملہ تھا تاکہ مسلمانوں میں کوئی لڑائی یا جھگڑا نہ ہو اور امام حسین پاک علیہ السلام کے سامنے جب اُصولی مؤقف آیا تو اُس وقت کتنے بڑے چیلنج تھے اور کتنے بڑے معاملات بظاہر اُسدھر سکتے تھے، خواتین بھی ساتھ ہیں، بچے بھی ساتھ ہیں، معمر لوگ بھی ساتھ ہیں، ہر مصلحت کے لیے امام حسین پاک علیہ السلام تیار ہیں لیکن جہاں اُصولی مؤقف بیعت کے متعلق تھا وہاں آپ کس طریقے سے ڈٹ گئے اور پورے خاندان کی قربانی کے بعد بھی اُس اُصولی مؤقف پر آپ نے اپنے سر کو نہیں جھکایا اور سب لوگوں کو یہ بتایا کہ جہاں پر کہیں کوئی دقت کی بات آجائے، اُصول کے ساتھ کوئی بات ٹکرا جائے تو خواہ نواسہء رسول ہی کیوں نہ ہو، خواہ وہ کتنی ہی معتبر شخصیت کیوں نہ ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں پر کھیلتی ہے وہ اپنی جان کو بھی قربان کرتے ہیں، اپنی عزت کا بھی خیال نہیں کرتے اور اپنی اولاد کو بھی قربان کر دیتے ہیں اور اُصولی مؤقف پر ڈٹ جاتے ہیں۔

تو اِس لیے ہمیں اپنے روّیے کو بہتر کرنے کے لیے یہ دیکھنا ہے کہ اُصول کیا ہیں اور کہاں عجز، خوشامد میں بدل جاتا ہے اور کہاں خودی، ذاتی تکبر میں بدل جاتی ہے تو اِس حوالے سے دین کی تعلیمات صوفیاء کے آستانوں سے دیکھیں

اور جب موتی ڈھونڈنا ہوتو گہرے سمندر میں غوطہ لگانے سے ہی ملتا ہے، یہ نہیں کہ آپ ہر جگہ چلے جائیں اور گمان کریں کہ یہاں ہمیں دین کی تعلیم اور تربیت ملے گی ،حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہوتا تھا، دو لفظوں میں آپ بات کرتے تھے اور سادہ بہت سادہ گفتگو فرماتے تھے کہ تعلیم سے تربیت بہتر ہے۔

آج آپ دیکھ لیں! تربیت بہت ہی ضروری ہے کیونکہ تربیت تعلیم کا پریکٹیکل ہے اور اگر پریکٹیکل نہ ہو صرف تھیوری ہو اور صرف پڑھ لیا ہو تو ہم ایک چیز کو پڑھ کر یاسن کر سیکھتے نہیں ہیں۔ آج کی میٹنگ میں ہم نے کچھ کہا اور کچھ سنا، اِس سے ہم نے کچھ نہیں سیکھا یہ تو ایک رہنمائی کا ذریعہ یا انداز ہے، ہم کسی کام کو بار بار کر کے سیکھتے ہیں۔ اِس حوالے سے انشاء اللہ تعالیٰ ہم نے حضرت کرماں والا شریف میں کوشش کی ہے کہ تین دن سے لے کر چالیس دن تک کے سیمینار اور چالیس دن تک کی تربیتی نشستیں، جو عرصہء دراز سے صوفیاء کا اور خانقاہوں کا ایک طریقہ اور سلیقہ رہا ہے، اُس کو ہم وہاں رائج کریں اور اُس میں جو ہمارے جسم سے متعلق علم ہے ہمیں وہ پتہ ہو اور جو ہماری عقل سے متعلق علم ہیں ہمیں وہ معلوم ہوں اور جو سب سے بڑی چیز ہے یعنی روح کی گرومنگ، معلوم ہو۔

ایک اور بات جو میں آپ کو بتاتا چلوں کہ عمومی مذہبی حلقوں میں ایک قدر اور مشترک پائی گئی اور وہ یہ ہے کہ روح تک تو وہ پہنچتے ہی نہیں، زیادہ سے زیادہ اُن کی گفتگو عقل کے مدار میں گھومتی ہے اور وہ بھی بڑی ہی محدود۔ روح تک پہنچنا تو درکنار وہ اُسے چھوتے بھی نہیں اور دین برائے دنیا کا کاروبار جتنا میں نے مذہبی حلقوں اور خانقاہوں پہ دیکھا ہے، آپ پوچھیں نہیں کہ دین کو کس طرح سے کنٹرول

کیا گیا ہے اور پاکستان میں تو کوئی مشکل ہے ہی نہیں کیونکہ یہ لوگ جو مسلمان ہوئے تو انہیں صوفیاء نے حلقہ بگوش اسلام کیا لیکن اُس کے بعد بھی اِنہوں نے اپنی روایات اسلامی اُصولوں کے تحت تو کبھی بنائی ہی نہیں، وہی ہندوازم کا بے شمار عنصر ہمارے اندر موجود ہے۔ آپ دیکھیں! جہیز کی صورت کب گئی ہے، جہیز کے جو معاملات تھے، کیا ہم نے اُن کو کبھی چھوڑا ہے؟ اور یہ ہندوازم کی پرانی رسم ہے جو چلی آ رہی ہے، ہزاروں سال پرانی!

اِس کے علاوہ ہم بچیوں کو حق نہیں دیتے، یہ ایک پرانا معاملہ چلا آ رہا ہے اور جوائنٹ فیملی جہاں ہوتی ہے وہاں پہ اختلافات ہوتے ہیں، نان نفقہ کو دیکھیں، نکاح کا جو پہلا تقاضا/ضرورت ہے وہ تو نان نفقہ ہے کہ چادر اور چار دیواری الگ سے ہو۔

یہ چیزیں جو چھوٹی چھوٹی ہیں، ہمیں تو وراثت/ ثقافت کے حوالے سے ماحول ملا، میں تو اکثر کہتا ہوں کہ ہم لوگ حالات کی پیداوار ہیں اور اِس سے پہلے بھی جو لوگ آئے، میں نے اکثر سُنا کہ ہمارے بڑے اور معزز لوگ کہتے ہیں کہ جی! اب تو حالات اچھے نہیں ہیں، انگریز کا دور بہت اچھا تھا اور کیا انصاف ملتا تھا۔ حالانکہ وہ گہرائی میں تو کچھ جانتے ہی نہیں۔

آپ یہ بتائیں کہ اگر اِس ملک کو بنانے کا مقصد دین پر عمل کرنا تھا تو کون سا نظام پاکستان میں ایسا ہے، کون سا قانون ہے؟ تو یہ جو قوانین ہیں اِن کو بالکل اسلامی بنانا چاہیے اور پھر ہمارے ہی بچے جن کو مغرب کی تعلیم سے بھی کوئی تعارف نہیں، کوئی رابطہ ہی نہیں، اُنہیں اکثر یہ باتیں کرتے سُنا ہے کہ جناب یہ تو

بنیاد پرست ہیں، اسلام دقیانوسی ہے۔ ارے بھائی! مسلمان دقیانوسی ہو سکتے ہیں، مسلمان بنیاد پرست ہو سکتے ہیں لیکن اسلام تو اتنا لچک پذیر مذہب ہے، اتنا آسان ہے کہ اِس کی تو کوئی دوسری مثال ہی نہیں ہے۔ بے انتہا لچک ہے، جیسے معاملات اسلام میں ہیں، ایسے تو ہو ہی نہیں سکتے۔ تو قطعی طور پر بعض لوگ دین کو مشکل بنا کر ظاہر کرتے ہیں اور دقیانوسی ظاہر کرتے ہیں کہ آپ عالم دین نہ بننا چاہتے ہیں اور نہ بنانا چاہتے ہیں۔ میں یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ اپنے کتنے بچوں کو عالم دین بنانا چاہتے ہیں؟ آپ لوگ ماشاءاللہ مسلمان ہیں، دین کے نام پر اکٹھے ہوئے بیٹھے ہیں، آپ کتنے بچوں کو مولانا بنانا چاہتے ہیں، کتنے بچوں کو مولوی بنانا چاہتے ہیں؟ یعنی صدق دل سے بتائیں کہ جس طرح سے مولوی آپ دیکھتے ہیں مساجد میں اور جب اُن کے پاس جب کوئی اچھی نچوڑ/نکتہ والی بات نہیں ہوتی اور وہ چیخ چیخ کر لوگوں کے کان ہی کھا جاتے ہیں اور یہ بھی نہیں ہوتا تو پھر وہ ترنم سے ایسے بے سُرے راگ الاپتے ہیں کہ کمال کر دیتے ہیں یعنی اہل علم وہاں کس طرح سے بیٹھے؟ لہذا آپ بتائیں کہ کتنے لوگ اپنے بچوں کو مولوی بنانا چاہتے ہیں، جو پڑھے لکھے ہیں! کتنے لوگ اپنے آپ کو مدارس میں بھیجنا چاہتے ہیں؟ اُس کی وجہ کیا ہے؟ ہمارا دین کمزور ہے یا ہمارا اسلام کمزور ہے؟ صرف تربیت اُس انداز میں نہیں ہو رہی جس طریقے سے ہونی چاہیے۔ کاش! ایسی تربیت ہو کہ لوگ مسلمان بنیں اور دوسرا جب انگریز نے تقسیم کی اور بڑی طاقتوں کو جب تقسیم کیا تو انہوں نے صرف خطوں کو تقسیم نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے پیشہ جات اور چیزیں بھی تقسیم کیں۔

اور آپ یہ سمجھ لیں کہ اسلام انسانی حیات کا ایک جزو نہیں ہے بلکہ اسلام پورا ضابطہ حیات ہے، اِس میں پوری طرح سے ہی داخل ہوا جا سکتا ہے، جزوی طور پر نہیں۔ جیسے آپ دیکھیں کہ معاملات ہیں اور ایک آدمی معاملات میں بہت اچھا ہو، ایک آدمی اخلاق میں بہت اچھا ہو لیکن وہ زنا بھی کرتا ہو۔ دیکھیں ناں! صرف ایک اُس میں نقص ہو کہ وہ حیاء اور بے حیائی کے درمیان جو حدود و قیود ہیں، اُن کو تہس نہس کرتا ہو تو کیا آپ اُسے اچھا مسلمان کہیں گے؟ چلیں اِسے چھوڑیں، سب کچھ اچھا ہو، اپنی فیملی کے ساتھ بہت مخلص ہو لیکن ساتھ سود خور بھی ہو اور میں حیرت سے دیکھتا ہوں کہ میرے پاس ایک مفتی صاحب آئے اور انہوں نے فتاویٰ دیئے کہ سٹاک نہ لینا چاہیے نہ دینا چاہیے اور اِس پر بہت بولے اور فتوے بھی دیئے، اُن کے فتوے لوگوں کے پاس پڑے ہوئے ہیں اور ایک دن مجھ سے پوچھنے لگے کہ سٹاک ہوتا کیا ہے؟ کیا آپ میری بات سمجھ رہے ہیں؟

میں تو نہیں سمجھتا کہ آجکل نئے مفتی پیدا ہو رہے ہیں بلکہ یہ تو نقال ہیں۔ پرانے لوگوں کے جو فتاویٰ تھے، اُن کو نقل کر کے آگے پیش کر دیتے ہیں۔ اسلام میں چار چیزیں ہیں۔ قرآن پاک! اُس کی تشریح / وضاحت کے لیے نبی کریم ﷺ نے حدیث پاک بتائی، اُس کے بعد اجماع ہے اور اجتہاد ہے اور پھر قیاس ہے اور دین میں آسانی پیدا کرنے کا حکم ہے بلکہ بے انتہا آسانی۔

نبی اکرم ﷺ سرکار جب نوافل تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ لمبی قرات فرماتے اور اتنا کھڑے ہوتے کہ آپ کے پاؤں مبارک سوج جاتے لیکن جب لوگوں کے سامنے جماعت ہوتی تو آپ جلدی سے نماز پڑھتے اور

بہت چھوٹی قراءت فرماتے اور ہم ہیں کہ دین کو اتنا مشکل کر کے ظاہر کرتے ہیں کہ لوگ دین کے نام سے دو فٹ پیچھے ہو جاتے ہیں کیونکہ ہم جو تبلیغ کرتے ہیں وہ ہم عمل میں لا کر خود استعمال نہیں کرتے۔

میں نے علماء میں تیسری قدر مشترک دیکھی کہ غصیل بہت ہوتے ہیں، برداشت نہیں کرتے، دوسرے مسلک کا کوئی شخص آ گیا ہے تو بس ایسے ہے کہ جیسے پتہ نہیں اُس کے ساتھ کیا کرنا ہے، پتہ نہیں کون سی دشمنی ہے، ڈائیلاگ نہیں ہیں، بات نہیں ہے، گفتگو نہیں ہے، مناظرے کا جو سٹائل ہے انتہائی بُرا سٹائل ہے۔ یہ قطعی طور پر مناظرے کا سٹائل نہیں ہے کہ اگلے آدمی کی ماں بہن ایک کر دی جائے اور گالی گلوچ پر مناظرہ ختم ہو، اِس طرح سے بھی کبھی کوئی ہم خیال ہوا ہے، جو لوگ دوسروں کو ہم خیال کرتے ہیں وہ اِس چیز کو سمجھتے ہیں کہ تنقید سے کوئی بھی آدمی ہم خیال نہیں ہوتا بلکہ اُس کے لیے واحد ہتھیار اخلاق ہے۔ اب دیکھیں! نبی اکرم ﷺ نے جب مکہ مکرمہ میں انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے فرمایا تو اُس وقت حبیب عجمی جو کہ یمن سے تشریف لائے فقط وہی مسلمان ہوئے، مکے میں سے کوئی مسلمان نہیں ہوا لیکن کوڑا پھینکنے والی عورت کے گھر جب سرکار اخلاق سے تشریف لے جاتے ہیں تو سرکار کا یہ معجزہ دیکھیں کہ وہ عورت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتی ہے تو اخلاق جو ہے وہ زبردست ہتھیار ہے اور علماء سے معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں، وہ نام نہاد لوگ جو دینی اسلوب پر چلتے ہیں، ان میں یہ چیز نہیں دیکھی گئی، اگر آپ نے دیکھی ہے تو بتائیں؟

صوفیاء کا اخلاق بہت زبردست تھا۔ بہت ہی محبت تھی، بہت ہی اخلاق

تھا، بے انتہا فیاض تھے لیکن جب اُصولی مؤقف آتا تھا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ اُس پر سودے بازی کر جائیں اور یہاں میں دیکھتا ہوں کہ لوگ چھوٹے چھوٹے معاملات پر اٹک جاتے ہیں اور جو چیز اللہ تبارک وتعالیٰ اور بندے کے درمیان حائل ہے، جس سے اُس کی منزلیں طے نہیں ہوتیں، جس سے اُس کی پریشانیاں دور نہیں ہوتیں، وہ اُس کی اپنی ذات ہے۔ ذات ایک طرف ہو جائے تو آپ دیکھیں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کی ذوات گرامی کتنی فیاض ہیں۔ انسان کے لیے سب کچھ بنا ہے اور انسان کے لیے دیکھیں کہ یہ مشارق و مغارب، یہ سورج یہ چاند ستارے تمام مظاہر کائنات انسان کے آگے سرنگوں ہیں لیکن انسان جو اشرف المخلوقات ہے، جو تمام مخلوقات سے اعلیٰ و افضل ہے، آج اپنی روٹی کے لیے پریشان ہے، دیکھیں میں پچھلے دنوں بلکہ ابھی بھی ایک کتاب پڑھ رہا ہوں جس میں یہودیوں کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہودی جو ہیں اُن میں یہ ضابطہ ہے کہ سب سے پہلے اُن کے لیے دوسرا کوئی یہودی ہے، اُس کے بعد اُسکے کوئی دوسرے اوصاف ہیں۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ یہودی کس قدر بد بخت ہیں اور کس قدر ہمارے مخالف ہیں؟ لیکن پھر بھی آپس کا معیار جو یہودیوں کا ہے اُس میں سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کے لیے یہ نہیں دیکھتے کہ اُس کا سٹیٹس کیا ہے؟ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کھاتا کیا ہے؟ یہ پیتا کیا ہے؟ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ وہ یہودی ہے اور ایک یہودی کتاب لکھنے والا لکھتا ہے کہ دوسری چیز جو ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی نشانی ایسی رکھیں کہ جس سے پہچانے جائیں کہ ہم یہودی ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ آج ہم جب ملک

سے باہر جاتے ہیں تو ہم کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے مسلمان ہونے کی نشانی نظر نہ آئے۔ اُس کے لیے کبھی داڑھی کٹواتے ہیں، کبھی اپنا لباس تبدیل کرتے ہیں، اور کبھی کچھ لوگ معاذ اللہ مکر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ہندوستان سے ہیں، پاکستان سے تو ہیں ہی نہیں۔ ایسی چیزیں میں نے دیکھی ہیں، ایسی باتیں ہمارے پاکستانی بچے کرتے ہیں کہ ہم ہندوستان سے ہیں۔

آج مسلمانوں کے یہ حالات ہو گئے، میں سمجھتا ہوں کہ بڑے جو مذاہب ہیں اُن میں دوسرے یا تیسرے نمبر پر اِس وقت مسلمان ہیں، کوئی ڈیڑھ ارب کے قریب ہماری تعداد ہے، اب مجھے صحیح تعداد یاد نہیں کہ پہلے نمبر پر بدھ اِزم ہے یا عیسائیت ہے۔ اِس کے باوجود آج ہم چُھپتے پھر رہے ہیں اور بہت ہی کمزور ہیں۔ آج دیکھیں، جب اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا تو مسلمانوں کا کیا حشر ہوا ہے اور یہی وہ اُصول تھے جن کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پریکٹس کرتے تھے اور اُس وقت بھی یہودی طاقت میں تھے تو چند سالوں میں آپ نے دیکھا کہ حالات کیسے بدل گئے؟

مجھے کچھ عارضہ تھا تو آغا خان ہسپتال میں مجھے کچھ ٹیسٹ کروانے تھے، ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ کچھ اور خاص یہاں نہیں ہے صرف دو چیزیں بہت اچھی ہیں؟ میں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ کہنے لگے کہ ایک تو نرسوں کی دیکھ بھال بہت اچھی ہے اور دوسرا تشخیص بہت اچھی ہیں۔ دیکھیں! تشخیص جب تک اچھی نہیں ہوگی، معاملے کا حل نہیں نکلے گا۔ آج کی نسل کیا سوچتی ہے؟ آج کا نوجوان کیا سوچتا ہے؟ کیا اُس کے الجھنیں ہیں؟ کیا اُس کے مسائل ہیں؟ کیا اُس کے شخصی

اُلجھاؤ ہیں؟ مشرق اور مغرب میں کس طرح سے وہ پھنسا ہوا ہے؟ مساجد میں جا کر اُسے کس طرح کے خیال آتے ہیں؟ یہ سب چیزیں ہمیں معلوم نہیں ہوں گی تو ہم ان کا حل کیسے نکالیں گے؟ دیکھیں! میں گلابی زبان بول رہا ہوں۔ میری زبان تو پنجابی ہے آپ کو پتہ ہی ہے لیکن کچھ لفظ جو انگریزی میں پڑھے ہوتے ہیں اور اُن کے ترجمے میں بعض اوقات دقت ہوتی ہے تو آج کل ہماری زبان بھی گلابی ہے، ہم فصیح اُردو بھی نہیں بولتے ، میں بھی نہیں بولتا۔ اُس میں پنجابی ہے، اُس میں انگریزی ہے، فصیح ہم عربی نہیں بول سکتے ، فصیح ہم انگریزی بھی نہیں بول سکتے۔ انگریزی کے جو بڑے علمبردار بچے یا نوجوان میں نے دیکھے ہیں کہ اچی ہم انگریزی بولتے ہیں، مسجدوں میں جانے سے کیا معاشی معاملات حل ہوتے ہیں؟ اُن کے سامنے اُردو کا ایک پیراگراف رکھ دیں اور کہا جائے کہ جناب اِس کا ترجمہ فرما دیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ ہاتھ ملتے بیٹھ جائیں گے تو ہم ظاہر کیا کرتے ہیں اور ہم ہیں کیا؟ یہ ہمیں دیکھنا چاہیے۔

آپ یہ جان لیں کہ قرآن میں لفظ حکمت جو ہے، اِس سے مراد مقدم اور مؤخر ہے اور مقدم و مؤخر کے جو معنی ہیں وہ یہ ہیں کہ تاریخ سے پہلے کا علم یا تاریخ جو کبھی رقم نہیں ہوئی یا جو عام آدمی کے فہم میں نہیں ہے، اُس کے علوم بھی قرآن پاک میں ہیں اور آنے والی تمام ایجادات اور جو کچھ بھی ہوگا، جو بھی ترقی سائنس اور ٹیکنالوجی کرے گی یہ سب کچھ قرآن پاک میں بالکل اسی طرح ہیں، کیا آپ قرآن پاک کو غور سے پڑھتے ہیں؟ قرآن پاک کو غور سے پڑھنا بہت ضروری ہے، ہمیں اگر عربی نہیں آتی تو اُردو میں اُس کے ترجمے اور تفاسیر موجود ہیں اور اُس

کے بعد صوفیاء کے آستانے ہیں، تین دن کے لیے آئیں، دس دن کے لیے آئیں اور چالیس دن کے لیے آئیں۔ ضرور چاہیے کہ اپنے دل، جسم، دماغ اور روح کو صاف کیا جائے اور صاف کریں گے تطہیر کرنے سے۔ اُس کے بعد اُنہیں بہتر کیا جائے، بڑھایا جائے تو پھر انسان کے لیے بے انتہا اُس میں چیزیں ہیں۔

رویّہ مبلغ کے لیے ایک بنیادی کردار/کسوٹی ہے، اُستاد کا رویّہ اچھا نہ ہو شاگرد سنتا نہیں، شاگرد بدتمیز ہو تو اُستاد پڑھاتا نہیں۔ یہ دونوں چیزیں دیکھنا بہت ضروری ہے اور رویّے کی جو حدود و قیود ہیں وہ آپ اسلام کے حوالے سے تلاش کریں، دیکھیں! اسلام نے جذبوں کو منع نہیں کیا بلکہ فرمایا جو غصہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لیے کرے وہ ٹھیک ہے اور جو اپنی ذات کے لیے کرے وہ نامناسب ہے اور جہاں حسد کا ایک جذبہ انسان میں ہے تو اُس کو بہترین انداز سے دوسرا موڑ دیا کہ اُس کو رشک میں بدل دیا۔ اِسے میں اعلیٰ درجے کی ذہنیت بھی بولتا ہوں۔ عموماً ہم لوگوں کی ذہنیت جو ہے نچلے درجے کی ہے۔ یہ ذہنیت ایسی ہے کہ آپ قابض ہوتے ہیں لوگوں کے جسموں پہ، اُن کے میٹریل پہ لیکن اُن کے دل اور دماغ آپ نے آزاد کیے ہوتے ہیں۔ جس طرح سے آپ چاہتے ہیں کہ فلاں کا مال میرے پاس ہو یا دوسرا آدمی جب کوئی ترقی کر جاتا ہے تو آپ جا کر اُسے مبارک تو دیتے ہیں لیکن اندر ہی اندر سے دل پر جو بیت رہی ہوتی ہے وہ بتانے اور سننے کے قابل نہیں ہوتی اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ شاید یہ صرف اتنا حصہ ہی تھا اور میرا حصہ یہ لے گیا ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بھی ناشکری ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں اور قرآن پاک میں بار بار فرمایا گیا، وَ ان تــعــدو

نعمت اللہ لا تحصوھا۔ لہذا بے شمار نعمتیں ہیں اگر اُس نے اپنا حصہ لے لیا ہے تو حکم بھی یہی ہے کہ اُس پر رشک کریں لیکن حسد نہ کریں۔ چنانچہ غلط انداز سے سوچنا نچلے درجے کی ذہنیت ہے اور دوسری ہوتی ہے اعلیٰ درجے کی ذہنیت۔

یہ ایسی ذہنیت ہے کہ دوسرے کی خوشی میں دل سے خوش ہو جائیں، ہم دوسرے کی خوشی میں عموماً خوش تو ہوتے ہیں لیکن دل سے نہیں ہوتے۔ ایسی بات ہے کہ نہیں ہے؟ میرے اندر تو تھی لیکن آپکا پتہ نہیں۔ حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کی مہربانی سے اب یہ دور ہوگئی ہے۔ آپ میں نہیں ہے تو بہت اچھی بات ہے اور اگر ہے تو آہستہ آہستہ اِس کو تبدیل کریں، آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ انداز میں یہ تبدیلی ہوتی چلی جائے گی تو وہ جونئی ذہنیت ہے کہ اگلے کی خوشی میں خوش ہو جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو بھی نواز دے گا۔ انشاء اللہ وہ آپ کو بھی نواز دے گا اور قابض آپ کو کسی دوسرے کے سر پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ دل پہ ہونا چاہیے۔ اللہ والوں کا یہی طریقہ تھا کہ اُن کا بڑا کنٹرول تھا لیکن لوگوں کے دلوں پہ تھا۔ میٹریل پہ نہیں، جسم پہ نہیں تھا۔ ہمارے حکمران قابضانہ سٹائل پہ لوگوں کو چلاتے ہیں۔ خواہ ایک ملک ہو یا خواہ ایک آرگنائزیشن ہو یا ایک گھر ہو۔ باپ بچوں کو چلا رہا ہو تو یہ کمزور اور نااہل آدمی کی نشانی ہوتی ہے کہ جب اُس کے پاس یہ طریقہ نہیں رہتا کہ وہ اپنے عمل سے، اپنے کردار سے اپنی اہلیت یا قابلیت سے کسی آدمی کو اپنے ہاتھ میں نہیں کرسکتا تو پھر وہ تشدد کے ساتھ ملک یا آرگنائزیشن یا ایک گھر پہ یا ایک فیملی کے اوپر حکمرانی کرنا چاہتا ہے یہ تو کمزور ترین آدمی ہوتا ہے،

بالکل بے چارہ آدمی۔ اِس کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ گھر میں بچے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ یہ کب انتقال فرمائیں گے اور آرگنائزیشن والے کہہ رہے ہوں گے کہ اللہ کرے یہ بدل جائے اور ملک میں لوگ دعائیں کر رہے ہوتے ہیں کہ یا اللہ! یہ ہمارے ملک کی جان چھوڑ دے لہذا یہ سب سے بُری حکمرانی ہے۔

دوسرا سٹائل ہوتا ہے''جمہوری انداز''، اُس میں بھی مسائل ہیں تو حکمرانی جو ہے اُس کا سٹائل وہی ہے جو نبی کریم ﷺ کا تھا کہ دل پر قبضہ اور باقی سب آزاد۔ دیکھیں! صحابہ کرام کو سرکار جس طرف بھی لے جاتے تھے،اُن کے دل کا جو قبلہ تھا وہ نبی کریم ﷺ کی ذات پاک ہی رہتی تھی۔

سرکار نے روّیہ بھی بتایا، سرکار نے انسانی حقوق بھی بتلائے۔ دیکھیں! کون سا ایسا قانون ہے جس میں ایسی چیزیں بتائی گئی ہیں۔ پاکستان کا قانون کیسا چُوں چُوں کا مربہ قسم کا قانون ہے، کیسا اسلامی ہے اور کیسا عجیب قانون ہے کہ اِس میں اتنی ملاوٹ کی گئی ہے کہ کوا ہنس والی مثال کیا اِس کی تو عجیب ہی حالت ہو گئی ہے۔ آپ دیکھیں! اِس میں زبانی حملے کیا ہیں؟ پہلے بھی یہ بات ہو چکی ہے پھر بتا تا ہوں کہ معاشرے میں جو توازن میں فرق آتا ہے وہ جسمانی حملے سے نہیں آتا اگر کوئی آدمی مر جائے یا کوئی آدمی بیمار ہو جائے تو اُس سے جو سوسائٹی یا معاشرہ ہے یا قوم جو ہے اُس میں توازن میں فرق کبھی نہیں آئے گا۔ توازن میں فرق ہمیشہ زبان کے حملے سے آتا ہے۔ جب کسی کو طعنہ دیا جائے جب کسی پہ الزام تراشی کی جائے، جب کسی پہ بہتان لگایا جائے یا کسی کی غیبت و چغلی کی جائے، تب آتا ہے۔

آج آپ ہمیں بتائیں، کیا غیبت و چغلی کے معاملے میں ہم لوگوں کے

نفوس، نفس امارہ نہیں ہو گئے؟ غیبت اور چغلی کی عادت تو ایک اجتماعی گناہ ہے۔ اجتماعی گناہ، انفرادی گناہوں سے کہیں زیادہ بُرے ہوتے ہیں، کیا اِس میں ہمارے نفوس، نفس امارہ نہیں ہو گئے ہیں؟ یہاں پہ تو ہمارے نفس ہمیں ملامت ہی نہیں کرتے ہیں اور باقی جو جسمانی چیزیں ہیں، اُس پہ تو ہمارے نفوس کہیں نفس لوّامہ ہیں، کہیں نفس امارہ ہیں، مطمئنہ کی اسٹیج تو بہت بعد میں آتی ہے اور اِس کے لیے روحانی صفائی اور روحانی ترقی کی ضرورت ہوتی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد صوفیاء پر پختہ عقائد اور پھر اُن عقائد پر عمل کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

آج دو چیزیں میں آپ کو بتانا چاہ رہا تھا، ایک تو داہنے حصے کا جو دماغ ہے وہ کس چیز سے متعلقہ ہوتا ہے؟ لیڈرشپ سے متعلق ہوتا ہے اور لیڈرشپ کا مطلب ہوتا ہے **Doing the right things** صحیح یا درست کام کرنا اور انتظامیہ کا بائیں حصے کا دماغ ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے **Doing the things right** یعنی کاموں کی تصیح یا درستگی سرانجام دینا۔ تو لیڈر کا کام ہے حتمی رائے لینا اور منیجر کا کام ہے اُس کے اوپر عمل کرنا۔ اچھا منیجر ہی اچھا لیڈر رہوتا ہے اور اچھا لیڈر ہی اچھا منیجر ہوتا ہے۔ ہمیں اچھا لیڈر بھی بننا ہے، اچھا لیڈر جو ہے وہ کردار ہے، اچھا منیجر جو ہے وہ اہلیت یا قابلیت ہے۔ اچھا لیڈر جو ہے وہ فکر ہے، منصوبہ ہے، اچھا منیجر جو ہے وہ شرح ہے، افادہ ہے، حساب کتاب ہے، یہ چھوٹے چھوٹے مسائل ہیں۔ ہمیں اچھے لیڈر بھی چاہییں اور اچھے منیجر بھی چاہییں اور بیک وقت انسان میں یہ دونوں چیزیں ہو سکتی ہیں۔ جو بائیں ہاتھ سے کام کرتے ہیں، اُلٹے ہاتھ والے ہوتے ہیں، عموماً اچھے لیڈر ہوتے ہیں اور داہنے ہاتھ والے اچھے منیجر

ہوتے ہیں کیونکہ یہ جو داہنی طرف کا دماغ ہوتا ہے یہ بائیں طرف کو منظم یا کنٹرول کرتا ہے اور بائیں طرف کا جو دماغ ہوتا ہے یہ داہنی طرف کو منظم یا کنٹرول کرتا ہے۔

روّیہ بہت اچھا ہوسکتا ہے لیکن ہمارا روّیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سرکار کے بتائے ہوئے روّیے جیسا ہونا چاہیے اور ہماری جو ذہنیت ہے اِس کا خاکہ بھی تبدیل ہونا چاہیے، یعنی نچلے درجے کی ذہنیت سے اعلیٰ درجے کی ذہنیت کی طرف جانا چاہیے۔ تو ہمیں اعلیٰ درجے کی ذہنیت کا حامل ہونا چاہیے جس پر ہمیں بھی اطمینان ہو۔

آج ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں، مال و دولت کے معاملے میں کتنے قابض ہیں۔ اِس قدر لالچ میں نے دیکھا ہے لوگوں میں۔ حالانکہ ہم لوگ کچھ خاص خوشحال بھی نہیں ہیں، پاکستان میں کوئی بہت خوشحالی نہیں اور ہم لوگوں کے اثاثہ جات بھی اتنے زیادہ نہیں لیکن ہم انسان کو مال دولت پر اِس طریقے سے قربان کرتے ہیں، اِس طریقے سے تو کوئی جانوروں کو بھی قربان نہیں کرتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اور آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی میں رکھے، اِس طرح کے بے انتہا موضوعات ہیں جن پر گفتگو ہوسکتی ہے۔ آج جو باتیں میں نے آپ کو بتائی ہیں، اِن کو لکھ لیں اور چھاپ دیں۔ اِس طرح کی باتیں آپ کو عام لوگوں سے سننے کو نہیں ملیں گی کیونکہ حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کی خاص نظر کا یہ حصہ ہے، اُن کی خاص مہربانی سے یہ آتی ہیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ریتلے بنجر حصے کو نخلستان بنانا ہے۔ اچھی سوچ

ہی اچھی روح کو بناتی ہے اور اچھے جسم کو منظم یا کنٹرول کرتی ہے لیکن بنیاد جو ہے وہ اچھی سوچ ہی ہے۔ لہذا نمازیں پڑھیں اور جب بھی رکوع کریں آپ کو عملاً یہ ثابت کرنا ہے کہ میں نے اپنی صفات کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات میں فنا کر دیا اور جب بھی آپ سجدے میں جائیں، آپ کو عملاً یہ سوچنا ہے کہ عملی طور پر اب میں نے اپنی ذات کو بھی اُس کی ذات میں فنا کر دیا ہے اور اُس کے بعد ہی بقاء کا راستہ آپ کو ملے گا اور ہم جماعت ہوں تو آپ کو یہ پتہ ہو کہ ایک گروپ کی صورت میں ہم نے کام کرنا ہے۔ ایک دن میں حضرت کرماں والا شریف بیٹھا ہوا تھا تو مجھے کسی نے کہا کہ جماعت تیار ہے، میں نے کہا کہ اِن کو بولیں کہ جماعت سے نماز پڑھنا چھوڑ دیں تو وہ میری شکل دیکھنے لگ گیا کہ یہ کیا بات کرنے لگے! میں نے کہا کہ جب اِن کے دل ہی نہیں ملے ہوئے، اِن کے کندھے ملانے سے کیا فائدہ؟ اور دیکھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک کو آپ غور سے پڑھیں، اس پر مشاہدہ فرمائیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صفیں سیدھی رکھو، صفیں ٹیڑھی رکھنے سے دل ٹیڑھے ہو جاتے ہیں۔ اِس بات سے میں آپ کی توجہ اِس طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو مقصد تھا وہ لوگوں کے دل اکٹھے کرنے اور سیدھے کرنے کا تھا اور لوگوں میں اتحاد اتفاق پیدا کرنا تھا۔ دیکھیں! یقین کے بعد اتفاق ہے پھر اُس کے بعد نظم تو ہے ہی۔ ہر چیز کا نظم بہت ضروری ہے۔ لفظوں کا نظم اچھا ہو گیا تو بہترین رباعی بن گئی اور لفظوں کا نظم بگڑ گیا تو گالیاں بن گئیں اور لفظوں کا نظم اچھے انداز سے بن گیا تو قرآن کی آیت بن گئی اور یہ تو لفظ ہیں، یہ اشرف المخلوقات نہیں ہیں بلکہ یہ مخلوق ہیں۔ اگر انسان کا نظم بگڑ گیا تو جانور

سے بُرا ہو گیا اور اگر اُس کا نظم قرآن وسنت کی روشنی میں بن گیا تو وہ دنیا کا قائد ہو گیا۔ ہمیں تو لوگوں کے قائد بنانا ہیں۔

To live to love, to love to learn and then leave a legacy

جیو، محبت کرنے کے لیے اور محبت کرنے کے لیے سیکھو اور پھر اپنے افکار چھوڑ جاؤ

افکار اور وراثت کا فرق میں نے آپ کو بتایا تھا، وراثت میٹریل مادیت ہے۔ افکار چھوڑ کر ہی جانا چاہیے۔ اِس میں قابض نہ ہوں۔ اِس کو دے دیں۔ یہ جو دینا ہوتا ہے یہی سب کچھ ہوتا ہے۔

اگر کوئی چیز آپ کو اچھی لگی ہے تو اُس کو نوٹ کر لیں اور اگر پہلے سے جانتے ہیں تو وہ دوبارہ معلوم ہو گئی، اگر کسی بات سے اتفاق نہیں ہے تو اُسے چھوڑ دیں اور جس سے اتفاق ہے اُسے لے لیں۔ یہی بہتر طریقہ ہوتا ہے اور مناظرے کا بھی یہی قاعدہ ہونا چاہیے کہ اگر آپ کے پاس دس پوائنٹ ہیں اور ایک پر بھی آپ نے کسی کو ہم خیال کر لیا تو آپ جیت گئے۔ یہ تو سقراط کہتا ہے، یہ اُس کے اُصول ہیں کہ پانچ چیزوں پر کسی کو ہم خیال کر لو چھٹے پر وہ خود ہی ہو جائے گا۔

نفسیات کا علم بھی تبلیغ کا حصہ ہے اور یہ بدرجہ اتم انبیاء اور اولیاء میں پایا جاتا ہے۔ اولیاء میں یہ چیز بدرجہ اتم تھی کہ نفسیات کو بہت اچھے طریقے سے جانتے تھے اور اخلاق تو وہ کام کرتا ہے کہ کمال کر دیتا ہے۔ یہ جان لیں اور سمجھ لیں کہ مسلمان جدید و ماڈرن ہے، دقیانوس نہیں ہے اور اسلام بہت آسان اور پریکٹیکل مذہب ہے۔ قطعی اِس میں کوئی دقت اور پریشانی کی بات نہیں ہے، اِس پہ چلیں اور واحد یہی ایک حل ہے جو ہمیں سیدھی راہ پر لے جائے گا اور جو لوگ جو کوئی تعلیمی

اداروں سے متعلقہ یہاں ہیں تو میں اُن سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے نصابوں میں اپنے عقائد اور اپنا یقین ڈالیں۔ مختلف کتابیں جب میں نے اغیار کی پڑھیں، کوئی مینجمنٹ سے متعلقہ تھی، کوئی سائنسز سے متعلقہ تھی یا کوئی روّیے سے متعلقہ تھی، میں نے دیکھا کہ جس طرح کے اُن کے عقائد تھے، وہ طریقے طریقے سے غیر محسوس انداز سے اُن کتابوں میں ڈالتے تھے۔ کوئی بدھ مت ہے تو بدھا کے افکار ڈالتا ہے، کوئی عیسائی ہے تو وہ اپنی باتیں ڈالے گا اور کوئی یہودی ہے تو میں نے دیکھا ہے کہ جو اُن کا مذہب ہے اُس سے وہ باہر ہی نہیں جاتے اور اِس وقت مینجمنٹ سائنسز میں اور آرگنائزیشن کے اطوار میں اور دیگر جو چیزیں اجتماعی کوشش کرنے سے متعلق ہیں، سب میں اپنے افکار ڈالتے ہیں کیونکہ اجتماعی کوشش کرنے والے ہی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ زیادہ تر یہ چیز یہودیوں نے ہتھیائی ہوئی ہے۔ ہمیں ان سے آگے نکلنا ہے اور اپنے نصابوں میں غیر محسوس انداز میں ایسی چیزیں ڈالنی ہیں اور لوگوں میں ہمیں ایسا ہی نظر آنا ہے تاکہ لوگ ہمیں خلائی مخلوق نہ سمجھیں۔ میں نے ایک دن کہا کہ بھئی لوگ تو ہمیں خلائی مخلوق سمجھتے ہیں۔ ایک جگہ میں گیا تو ایک پیر صاحب وہاں تشریف فرما تھے، ایک چادر اُنہوں نے لی ہوئی تھی، آہستہ آہستہ وہ چلتے تھے، آہستہ سے جواب دیتے تھے اور آہستہ بولتے تھے، اُن کے چہرے پر نقاہت اور مجھے یہ خیال آیا؛ کیا یہ کھاتا پیتا نہیں ہے؟ یہ گھر نہیں جاتا اور کیا واش روم نہیں جاتا۔ اِس طرح سے رہبانیت کی جو شکل ہے اِس کو دور رکھ دیں اور مسلمان جو ہے وہ بہت کھلا سا ہونا ہے۔

حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب داتا صاحب سرکار حاضری کے لیے

جاتے تھے تو کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ آپ اتنے بڑے پیر ہیں اور آپ کا یہ مقام ہے۔ صوفیاء میں حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مقام ہے کہ لوگ رشک کرتے ہیں۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان وریٰ الوریٰ ہے، حضرت صاحب کا نام لے لیا جائے، فقط نام لیا جائے تو محبت والوں کے دل کھل جاتے ہیں اور اغیار جو ہیں اُن پر دبدبہ پڑ جاتا ہے۔

حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سادہ اور بالکل عام کپڑے پہنتے تھے۔ ایک آدمی مجھے کہنے لگا کہ بھئی آپ نے سفید کپڑے پہنے ہیں تو میں نے کہ بھئی میں رنگین بھی ڈال لیتا ہوں تو کہنے لگا کہ نہیں یہ تو ٹھیک نہیں۔ میں نے کہا، نہیں بھئی حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو دوسرے رنگوں کے کپڑے بھی پہن لیتے تھے۔ آپ سادہ بات کرتے جو عام فہم ہوتی، بہت ہی عام فہم اور عملاً سب کچھ کر کے دکھایا اور اُسی طریقے پر چل کر انشاء اللہ حضرت کرماں والا شریف ایک مثالی درگاہ بنے گی اور ہم پر جو الزام ہیں کہ یہ بنیاد پرست ہیں، یہ دہشت گرد ہیں، بہت متشدد ذہن ہیں، بہت ہی پرانے خیالات کے ہیں۔ اِن چیزوں کو ہم نے لوگوں کے ذہنوں سے مٹانا ہے۔ بے شمار موضوعات ہیں، اگر کسی موضوع پر بات ہو اور تسلسل رہے تو حضرت صاحب پاک رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ بڑھے گا، یہ میرا گمان ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت صاحب کی فکر عام لوگوں سے یعنی جو لوگ سطحی سوچ رکھتے ہیں، اُن سے بہت ہٹ کر ہے اور یہ بہت پھیلنے والی ہے، اِس کو پھیلائیں اور آپ ہمارے نمائندے ہیں، اِن باتوں کو پھیلا دیں۔ اچھی بات تو مومن کی گمشدہ میراث ہے۔

[وما علینا الا البلاغ المبین]

میاں چنوں میں ''تعلیماتِ اولیاء اور جدید دور'' کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں مرشد العصر، شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری دامت برکاتہم العالیہ نے اہلِ فکر و نظر کو بیش قیمت نکات سے مستفید کیا جن کا مطالعہ نہایت مفید و ضروری ہے۔ اُس خصوصی لیکچر کے دُرِ بے بہا کو تحریری شکل میں احساسِ کم مائیگی کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں جن کا احاطہ کرنا، گننا یا شمار کرنا انسان کے دائرہ اختیار میں نہیں اور ایسی ہی بے بہا نعمتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اولیاء ہیں جن کی صحبت اور مجلس میں بیٹھ کر ہم استفادہ حاصل کرتے ہیں، دنیا بھی بہتر کرتے ہیں اور آخرت بھی اچھی کرتے ہیں۔ اِسی حوالے سے آج کی گفتگو کا عنوان مجھے دیا گیا کہ تعلیماتِ اولیاء اور جدید دور یا جدید دور میں اولیاء کی صحبت و معیت کی کیا ضرورت و اہمیت ہے۔

ابھی 4:30 ہو گئے ہیں اور نمازِ عصر بھی پڑھنی ہے اور یہ ایک ایسا

موضوع ہے کہ جس پہ اگر گفتگو کی جائے تو بہت وقت لگے گا۔ بہر حال، کچھ نکات، کچھ باتیں حالاتِ حاضرہ کے حوالے سے کر کے انشاء اللہ تعالیٰ بفضل خدا اجازت لوں گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں ابھی بیٹھا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ ماشاء اللہ جتنے دوست یہاں ہمارے پاس موجود ہیں تمام کے تمام مسلمان ہیں اور آج کل مسلمانوں کے زوال کے جو اسباب ہیں خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا عالم اسلام میں یا پوری دنیا میں اُس میں بہت بڑی وجہ آپس میں اتحاد نہیں ہے، تنظیم نہیں ہے۔ تو اِس حوالے سے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلہ جلیلہ سے، آپ کے توسط اور آپ کے نعلین کی خیرات سے کچھ باتیں جو میں پہلے بھی عرض کرتا رہتا ہوں کہ اِس وقت ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ اتحاد ہے اور اتحاد کے حوالے سے میں چار چیزیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ تنظیم سازی کے لیے چار چیزوں کا ہونا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ اِس میں پہلی چیز تو یہ ہے کہ ایک مشترکہ مقصد ہونا چاہیے۔ ایک مشترکہ مقصد ''کامن گول'' ہونا بہت ہی ضروری ہے اور بحمدُ للہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے پاس اگر کوئی مشترکہ مقصد ہے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ کریمانہ ہے، جس کے اوپر تمام اُمتِ مسلمہ اکٹھی ہو سکتی ہے۔ یہ پہلی بات ہو گئی۔ دوسری چیز جو اتحاد کے لیے ضروری ہے وہ ایک دوسرے کی شناخت اور ایک دوسرے کی پہچان ہے۔ یہ شعبہ جس میں بھائی چارہ، ایک دوسرے پہ اعتماد، ایک دوسرے سے محبت، ایک دوسرے کے لیے درد اور ایک دوسرے کے لیے خلوص ہے، یہاں پہ آ کے ہم کہیں مار کھا جاتے ہیں۔ تیسری چیز جو تنظیم سازی کے لیے ضروری ہوتی ہے، اتحاد کے

لیے ضروری ہوتی ہے وہ ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور میں نے پاکستان میں اور مسلمانوں میں بالخصوص یہ دیکھا ہے کہ حوصلہ افزائی نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ تنقید میں ہم لوگ اس قدر ماہر ہیں، میں تو اکثر کہتا ہوں کہ پاکستان کے مختلف محکمے، مختلف تنظیمیں تنقید میں اتنی ماہر ہیں کہ بڑی بڑی تنظیم کی دھجیاں اڑانے میں دو منٹ لگاتے ہیں۔ بہت اچھے انداز میں تنقید کرنے کی صلاحیت کو ہم نے بڑھایا ہوا ہے۔ اِسی طرح اُمت مسلمہ میں بھی یہ چیز ہے جو ہمارے لیے انتہائی مصیبت اور پریشانی کا باعث ہے لہذا حوصلہ افزائی تیسری چیز ہے اور چوتھی چیز ہے، صلاحیت

صلاحیت کو اُبھارنے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ ہم اپنے دینی علوم اور دینی عمل کی صلاحیتیں اُبھاریں۔ اُس کے بعد دنیاوی علوم، جدت، جدید علوم سیکھیں اور درجہ کمال تک پہنچیں۔ اُس کے بعد تبلیغ اور مبلغین کے لیے عرض کروں گا کہ روّیے کا علم، روّیہ اور آپ کا اخلاق۔

میں نے دینی تنظیموں میں یہ فقدان دیکھا ہے کہ روّیہ بہت خراب ہوتا ہے۔ تنقید سے ہم تبلیغ شروع کرتے ہیں۔ یاد رکھیں کبھی بھی کوئی تبلیغ تنقید سے فائدہ مند نہیں بنتی۔ یہ چار چیزیں ہیں، جب تک ہم ان کو بہتر نہیں کرتے اور ان میں مطابقت نہیں ہوتی، الائمنٹ حقیقت کے عین مطابق نہیں ہوتی، ہماری تنظیم نہیں بن سکتی۔ ہم اللہ والوں کی درگاہ سے یہ چیزیں سیکھتے ہیں کہ کس طریقے سے ایک انسان جو کہ ڈی پینڈنٹ ہوتا ہے جو کہ دوسرے کے انحصار پہ ہوتا ہے، لوگوں کا محتاج ہوتا ہے وہ کیسے آزادی حاصل کرتا ہے اور پھر وہ کیسے ایک دوسرے کے

معاملات میں حاصل کرتا ہے اور ایک دوسرے پہ انحصار کر کے ایک بہترین قوم بنتا ہے۔ اِسی چیز کا فقدان ہماری انڈسٹریز کو ہے، اِسی چیز کا فقدان ہمارے کاروباری حلقوں میں ہے، اِسی چیز کا فقدان ہے کہ آجر اور اجیر میں بات نہیں بنتی۔ آج مالک اور ملازم کے درمیان آپس میں کوئی ذہنی مطابقت نہیں ہے اور اِسی چیز کا فقدان علماء میں بھی ہے کہ وہ جب تبلیغ کرتے ہیں تو اُن کے پاس روّیے کا جو علم ہے یعنی اخلاق نہیں مگر وہ اقبال کا ایک شعر ہے

نگاہ بلند سُخن دل نواز جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفرِ میرِ کارواں کے لیے

جاں پُر سوز نہیں ہے، نگاہ بلند نہیں ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت نہیں ہے تو اِس حوالے سے ہمیں جو تکالیف آ رہی ہیں، اُس میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ہمیں قابل اعتماد بننا ہے۔ یاد رکھیں ذاتی سطح پہ ہمیں قابل اعتماد بننا ہے اور قابل اعتماد بننے کے لیے دو چیزیں ہمیں چاہییں۔ ایک تو ہمیں کردار چاہیے اور دوسری مہارت و قابلیت۔ یہ دونوں چیزیں ایک جگہ پر اکٹھی نہیں ہوں گی تو ہم لوگ قابل اعتماد نہیں ہو سکتے۔ مثال کے طور پر بات کرتا ہوں کہ ایک حکیم صاحب بہت صاحبِ کردار ہیں، بہت اللہ اللہ کرنے والے ہیں، بڑا اخلاص ہے اُن کے پاس لیکن وہ جدید نہیں ہیں، پرانے خیالات والے ہیں، اُن کے پاس موجودہ دور کے نئے علوم نہیں ہیں، وہ سائنس اور ٹیکنالوجی سے بالکل ہی کوئی واقفیت نہیں رکھتے اور وہ نہ تو کسی کا آپریشن کر سکتے ہیں اور نہ کوئی دوا دے سکتے ہیں۔ کیا ایسے معالج کے پاس علاج کے لیے اپنے بچے کو لے کر جائیں گے؟

بتائیں آپ؟ نہیں لے کر جائیں گے! دوسری طرف ایک ڈاکٹر صاحب جو بڑے جدید ہیں، جو پرانے خیالات کے مالک نہیں ہیں، بڑے ماہر و قابل ہیں لیکن بے کردار یا بدکردار ہیں تو ایسے شخص کے پاس کیا آپ اپنے مریض یا اپنے بچے کو لے کر جائیں گے؟ تو قابل اعتماد بننے کے لیے میں نے آپ کو پہلی چیز انفرادی طور پر، ذاتی سطح پر بتائی۔

ہماری تبلیغ کیوں اثر نہیں کر رہی، اقوام عالم میں ہم کیوں ذلیل ہو رہے ہیں کہ ہم ٹرسٹ وَردَی نہیں۔ قابل اعتماد نہیں ہیں لہذا ذاتی سطح پر ہمیں قابل اعتماد بننا ہے۔ اس کے لیے ہمارے کردار بہترین ہوں اور کردار کے ساتھ ہم قابل و ماہر ہوں، ہم جدید ہوں، ہم باصلاحیت ہوں، ہم ایماندار ہوں، ہماری آگے بڑھنے کی رفتار میں تیزی ہو۔

اس کے بعد اجتماعی سطح پر ہمارا ایک دوسرے کے اوپر اعتماد ہو۔ جیسے دیکھیں، دنیا میں لوگ کاروباری ترقی کر رہے ہیں۔ اکٹھے کاروبار کرنے کے معاہدے ہو رہے ہیں۔ پچاس پچاس ہزار فرنچائزز کی کاروباری شاخیں کھل رہی ہیں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ایک بھائی کو دوسرے پر اعتماد نہیں۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ لاشعور کی پروگرامنگ میں بے اعتمادی نقش ہو چکی ہے تو اجتماعی سطح پر ہمیں چاہیے کہ اعتماد کو فروغ دیں اور ذاتی سطح پر قابل اعتماد بنیں۔

اس کے بعد ''انتظامی درجہ'' ہے۔ جس طریقے سے یہاں میاں چنوں کا بھی ایک انتظامی درجہ ہوگا۔ اس میں بھی ایک محکمہ مال ہوگا یا وکلاء ہوں گے یا عدالتیں ہوں گی۔ انتظامی درجہ پر ہمارا شعار یہ ہے کہ کمزور کے اوپر ظلم کرنا اور اپنے

ہم منصب پر مہربانی کرنی۔ اپنے دھڑوں کو مضبوط کرنا اور دوسروں کو کریش کرنا۔ لہذا انتظامی درجہ پر ہمیں چاہیے کہ لوگوں کی خدمت کریں۔ طاقت ور لوگ، لوگوں کی مدد کریں اور لوگوں کو طاقت ور کریں اور لوگوں کی تربیت کریں اور چوتھا درجہ ہوتا ہے، تنظیمی درجہ جیسے ہمارا ملک پاکستان ہے، یہ اُمت مسلمہ ہے جبکہ اِس میں الائمنٹ نہیں ہے۔

ہمارا دین جس طریقے سے ہم تک پہنچا ہے، علماء اُس طرح آگے نہیں پہنچا رہے تو یہ فقدان ہو گیا اور کچھ طاقتوں نے دین و دنیا کو جب تقسیم کیا تو اس میں یہ انتہائی غلط قسم کی دو سوچیں آ گئیں کہ کچھ دنیا میں اس قدر غرق ہو گئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہی بھول کر رہ گئے اور کچھ لوگ جو اپنے آپ کو دیندار سمجھتے ہیں وہ دنیا کے کسی معاملے میں اگر کوئی بھی پیش رفت کریں تو اُنہیں سمجھا جاتا ہے کہ شاید یہ بالکل دین دار نہیں ہیں۔ یعنی الائمنٹ میں کمی آ گئی ہے۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ یہ چار چیزیں اللہ والوں کے آستانوں سے ملتی ہیں، ہم وہاں جائیں، ان کی صحبت میں رہیں اور بار بار میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ والوں کی درگاہوں کو یا اُن کی بارگاہوں کو فقط یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ قبریں ہیں جہاں پہ جا کر سلام کیا جائے، فاتحہ خوانی کی جائے اور اپنے گھر کو آدمی چلتا رہے بلکہ اُن کے افکار سے، اُن کی شخصیات سے کچھ نہ کچھ سیکھے۔ یہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے ذاتی اعتبار سے اپنے آپ کو قابل اعتماد ثابت کیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جب ہندوستان میں تشریف لائے ہیں تو ذاتی سطح پر آپ نے اپنے آپ کو قابل اعتماد ثابت کیا، اپنے کردار سے اور اپنے سے۔ حالانکہ آپ عام لوگوں میں رہے لیکن

ایسا کردار دکھایا، ایسا اخلاق دکھایا کہ لوگ وارفتہ آپ کے پاس آئے اور علم وحکمت کے ایسے موتی بکھیرے کہ تمام مکاتب فکر کے لوگوں کو اپنے فیوض و برکات سے مستفید فرمایا اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعائیں کر کے ان لوگوں کے معاملات کو درست فرمایا اور ذاتی سطح پر یہ لوگ قابل اعتماد تھے اور اجتماعی سطح پر اپنے خلفاء کو، اپنے مریدین کو انہوں نے تیار کیا اور تیسرے درجہ یعنی انتظامی درجہ پر اداروں کو، تنظیموں، درسگاہوں اور یونیورسٹیز کو اِس قدر بہترین بنایا کہ لوگ فقط ڈگری لے کر نہیں جاتے تھے بلکہ ساتھ میں صاحب کردار ہو کر جاتے تھے۔ آج کل پاکستان میں جو ڈگری کا ایک معیار ہے وہ یہ ہے کہ ایسی ڈگری جس میں ایجوکیشن نہیں ہے، عام طور پر کسی آدمی سے جب اُس کی ذہانت کا اندازہ لگانا ہو تو پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے کیا، کیا ہوا ہے۔ آپ نے گریجوایشن کی ہے یا پوسٹ گریجوایشن کی ہے۔ لیکن کبھی اُس کے ساتھ دو گھڑی بیٹھ کر یہ نہیں دیکھا گیا کہ اس کو کتنا علم ہے اور علم وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ عمل ہو۔ لوگوں کے قبلے کو اللہ والوں نے گنبدِ خضریٰ کی طرف موڑ دیا۔ میں آپ کو ایک بات بتاؤں! جو علم کتابوں میں ملتا ہے یہ فقط ایک خبر ہوتی ہے۔ اِسے میں علم نہیں مانتا ہوں۔ میرا گمان یہ ہے کہ علم، جسے لوگ علم کہتے ہیں وہ حقیقی علم نہیں ہے بلکہ حقیقی علم وہ ہے جو شخص راہِ راست پر ہو۔

میں ایک مثال آپ کو دیتا ہوں، اگر آپ کے پاس تمام جہانوں کے نقشے موجود ہوں، تمام دنیا کے نقشے آپکے پاس موجود ہوں پھر اگر آپ کو کسی جنگل میں پھینک دیا جائے تو کیا آپ صرف نقشے کے ذریعے وہاں سے نکل کر منزل مقصود پر جا سکتے ہیں؟ اِسی لیے میں قطب نما کو بطور نشانِ منزل استعمال کرتا ہوں،

میں قطب نما سے بے حد محبت کرتا ہوں، آپ دیکھیں، قطب نما کی سوئی ہمیشہ عین شمال کی طرف تکی ہوتی ہے، قطب نما کی سوئی ایک لوہے کی سوئی ہوتی ہے، اس کو آپ جنگلوں میں لے جائیں اُسے ویرانوں میں لے جائیں، سمندروں میں لے جائیں، اُس کو آپ فضاء میں لے جائیں، اُس کو خلا میں لے جائیں، اس کو جتنی دفعہ بھی گردش دیں اس کی سوئی عین شمال کی طرف تکی رہتی ہے اور اگر ہم جنگل میں گم ہو جائیں یا ہم سمندروں میں گم جائیں، اگر فقط اس سوئی کو جس کا رخ، جس کا قبلہ شمال کی طرف ہے اگر اس کی پیروی کریں تو منزل مقصود پر پہنچا جا سکتا ہے۔ اللہ والے وہ ہوتے ہیں جن کے دل کا قبلہ گنبد خضریٰ کی طرف ہوتا ہے لہذا آپ کو ایسے قطب نما تلاش کرنا پڑیں گے اور پھر ان کی اتباع کرنا پڑے گی۔ تو پھر انشاءاللہ بفضلِ خدا خواہ وہ ذاتی سطح ہو یا اجتماعی سطح ہو یا انتظامی سطح ہو یا تنظیمی ربط ہو، ضرور بہتر ہوں گے۔

میں پھر بار بار یہ بات کرتا ہوں اللہ والے عام لوگوں میں پیدا ہوئے، انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ کی طرف دیکھیے، نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کی طرف دیکھیے، سرکار بہت بڑے بادشاہ کی طرح ایسے گھر میں پیدا نہیں ہوئے جو ظاہری طور پر بہت طاقت ور یا بہت کچھ تھا۔ عرب بہت جاہل، ضدی قوم اور کچھ نہ ماننے والے اور توہم پرست، بتوں کو پوجنے والے، افلاکیات، علم نجوم اور ستاروں کے علم پر یقین رکھنے والے تھے مگر سرکار ﷺ نے اپنے کردار کے ساتھ آہستہ آہستہ اُنہیں بدلا، اگر چاہتے تو آن واحد میں لوگوں کا قلب یا دل بدل کے رکھ دیتے لیکن سرکار نے قیامت تک اپنے آنے والے امتیوں کو یہ سبق

دینا تھا کہ اس طریقے سے کام کرنا چاہیے۔ یہ قائد کی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ انتہائی مخدوش حالات میں سے نکل کر بہترین کام کر کے لوگوں کو دکھاتا ہے اور وہ لوگوں کے لیے صراط مستقیم کا راستہ دکھاتا ہے۔ آپ دیکھیے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب تجارت فرمائی تو بہترین تجارت فرمائی، جب آپ کے معاملات اپنی زوجین کے ساتھ تھے تو بہترین معاملات تھے، آپ کی امانت داری کی بات تھی تو بہترین تھی، معاملے کی بات تھی تو بہترین تھی تو سرکار کتنے باصلاحیت تھے ذاتی اعتبار سے اور ساتھ میں کردار بہترین تھا اور جو مخالف تھے وہ بھی صادق اور امین کے لقب سے سرکار کو پہچانتے تھے۔ اِس میں صبر و برداشت سے کام لیا، اس میں وقت لگا لیکن سرکار اعلان نبوت سے پہلے کفار کی نظر میں قابلِ اعتماد بن گئے، دیکھیے یہ ذاتی سطح ہے۔ اب میں آپ کو آہستہ آہستہ لے کر چلوں گا۔ ذاتی سطح پر سرکار قابل اعتماد بن گئے اور اس کے بعد اجتماعی سطح پر سرکار نے نبوت کا اعلان فرما دیا۔ بہت کم لوگ دائرہ اسلام میں شامل ہوئے زیادہ تر لوگوں نے مخالفت کی لیکن ان لوگوں کی تربیت میرے آقا نے اس قدر فرمائی اور بتدریج انداز میں بلکہ سرکار کی اُمت کے اولیاء کی یہ شان ہے کہ کسی کی طرف نظر ڈال دیں تو حافظ قرآن بنا دیتے ہیں، سرکار چاہتے تو آپ کے قدموں کی خیرات سے دنیا راہِ راست پر آ جاتی لیکن سرکار نے بتانا تھا کہ مَردیوں مہریں لگاتے ہیں جبینِ وقت پر ...... اور سرکار نے بتانا تھا کہ کس طریقے سے محدود وسائل میں باطل کے اوپر غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے سرکار نے تلوار نہیں نکالی اور ہمارا دین تلوار کے زور پر کبھی نہیں پھیلا۔ وہ تو بعد میں حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ کوئی اور چارہ نہیں تھا تو یہ سکھایا

کہ جب حالات ایسے ہو جائیں کہ جب کوئی دوسرا چارہ نہ رہے تو پھر تلوار کو بھی نکالا جاسکتا ہے۔لہذا ذاتی سطح پر میرے آقا نے قابلیت و صلاحیت بھی دکھائی اور کردار بھی تو کفار کی نظر میں بھی قابل اعتماد تھے۔اس کے بعد میرے سرکار نے اپنے غلاموں کو اس قدر سبق دیے، ایسے بہترین اسباق دیے، ایسی بہترین تربیت دی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم وجہہ الکریم رضی اللہ عنہ گویا وہ جو بھی کرتے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی ایسی پیروی کرتے اور اعتماد کا یہ عالم تھا۔دیکھیے !اب اجتماعی سطح پر تنظیم بن نہیں سکتی جب تک اعتماد نہ ہو۔آپ مجھے ذرا بتائیں کہ اپنے بھائی کو تھوڑے سے روپے دے کر اعتماد کر سکتے ہیں آجکل؟ نہیں کر سکتے! کیونکہ اعتماد نہیں ہے تو یہ قوم کیسے ترقی کرے گی!!! جبکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے واقعہ معراج کے بعد ابو جہل نے پوچھا کہ بتاؤ اگر کوئی کہیں چلا جائے اور کنڈی بھی ہلتی رہے اور بستر بھی گرم رہے اور تمام افلاک کی سیر بھی جائے تو کیا اس پر یقین کرو گے تو آپ نے فرمایا نہیں، میں یقین نہیں کروں گا لیکن جب سرکار کا نام آیا تو اعتماد کا یہ عالم تھا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو سرکار نے فرمایا میں نے سنا یا نہیں سنا، جو سرکار فرمارہے ہیں میں نے سنا یا نہیں سنا، جو سرکار فرمائیں گے میں نے سنا یا نہیں سنا اس پر من وعن میں یقین رکھتا ہوں اور اسی طریقے سے یہ اعتماد کی فضاء بن گئی اب تیسرا درجہ تھا، اب تبلیغ دین ہو رہی ہے۔ ہاں اس میں جراثیم بھی ہوتے ہیں، تنظیم میں جراثیم بھی ہوتے ہیں، منافقین جیسے جراثیم بھی تھے لیکن اُن کو نظرانداز کیا۔انہوں نے بہت باتیں بھی کیں، بہتان بھی لگائے لیکن نظریں آپ

دیکھیں کہ ایک ہی طرف ہیں، اب پتہ لگا انتظامی سطح ہے، لہذا احکام شریعت جو تھے ان کو آہستہ آہستہ قرآن مجید کی شکل میں لوگوں کو بتانا شروع کر دیا۔ اب قانون سازی ہو رہی ہے، یہ انتظامی سطح پر اختیارات کی تقسیم ہو رہی ہے، لوگوں کو طاقت دی جا رہی ہے، آہستہ آہستہ شراب کو منسوخ کرنے کی آیات آئیں، پہلے اس کو منع کیا گیا کہ ہاں اس کے فوائد کم ہے اور نقصان زیادہ ہے، سود سے روکا گیا، ہماری معیشت کے اوپر بات کی جا رہی ہے۔ سود کے ساتھ لوگوں کا استحصال ہوتا تھا، سود جو تھا معیشت کو منجمد کر دیتا تھا، آپ جا کر دوسرے ممالک میں دیکھیں، جب سودی منافع کی شرح بڑھتی ہے تو معیشت منجمد ہو جاتی ہے اور اس کے بعد معیشت کو متحرک کرنے کے لئے آج کل کے ترقی یافتہ ممالک جو ہیں وہ سودی منافع کی شرح کو کم کرتے ہیں تو اِس سے معیشت متحرک ہو جاتی ہے تو پہلے ایسا بہترین ضابطہء حیات دیا۔ ایسا ضابطہء حیات کہ وہ دائرہء اثر بن گیا تھا جو بہت تیزی سے پھیلا، گویا لوگوں کو ایسا لگا کہ اس کے بغیر ہمارا زندہ رہنا ہی محال ہو گیا۔ اب اس کو قانون سازی میں داخل کیا کہ یہ قانون ہو گیا، اب حدود اللہ آگئی تو یہ انتظامی درجہ تھا اور پھر تنظیمی درجے پر اولیاء اللہ بنائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے پیغام کو لے کر جب تک قیامت کا دن نہیں آجاتا آپ کے خدام ہیں ...... ولی اللہ ہیں ...... یہ کون ہوتے ہیں؟ اولیاء اللہ کی کیا پہچان ہے؟ ابھی ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ بلاشبہ اعلیٰ حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے بغیر ایک قدم بھی میرا چلنا محال ہے، ایک قدم بھی اگر آپ کے در سے ہٹ کر چلیں تو وہیں ہلاک ہو جائیں۔ لیکن یہ اللہ والے

کون ہوتے ہیں؟ میں پوچھتا ہوں آپ سے! اللہ والے کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے خادم ہیں، یہ سرکار کے خادم ہیں، اس سے آگے ان کی کوئی پہچان نہیں اور ان کا مشن کیا ہوتا ہے؟ ان کو کسی تخت پر بٹھا دیں یا کہیں جوتیوں میں بٹھا دیں، انہیں کیا فرق پڑتا ہے؟ انہیں تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ انہیں آسمانوں میں اُڑا دیں یا ان کی گردن اتار دیں انہیں تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ان کا تو ایک ہی مقصد ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کو عام کیا جائے، ان میں تو تڑپ ہوتی ہے کہ لوگ سرکار کے دیوانے بن جائیں، سرکار کے اُسوہ پر چلیں لیکن ہم نے دین کو فقط مسجدوں کی حدود میں بند کر دیا، حالانکہ دین تو بڑا وسیع تھا، دین میں تو معاملات بھی ہیں، دین میں اخلاقیات بھی ہے، دین میں اٹھنا بھی ہے، بیٹھنا بھی ہے، دین میں تو ظرافت بھی ہے۔ کسی جذبے کو دیکھیں۔ آپ تقابل ادیان کے موضوع کو پڑھ کر دیکھیں، دوسرے مذاہب ہیں، بدھ مت ہے، عیسائیت ہے، یہودیت ہے، ہندو ازم ہے، ان میں تو وہ قدرتی جذبے تک ختم کر دینے کا سبق دیتے ہیں لیکن اِس دین نے تو کوئی جذبہ ختم ہی نہیں کیا۔ آپ شادی بھی کر سکتے ہیں، آپ کھیل کود بھی سکتے ہیں، آپ کاروبار بھی کر سکتے ہیں۔ آپ کے جمالیاتی احساسات ہیں، مزاح کا احساس ہے، حدود و قیود میں رہ کر حسِ مزاح کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ ہر چیز کو ایک حد دے دی، ہر چیز کی اجازت دے دی، گویا یہ دین تو بہت آسان دین ہے، بہت ہی قابل عمل دین ہے اور ہمارا نصاب جو حضرت کرماں والا شریف سے شائع ہوا ہے، تبلیغی نصاب ہے، لیکن اُس میں جو پہلا سبق لکھا ہے، وہ ہے ”آسان دین“۔

جو میرے بھائی پیچھے بیٹھے ہیں، یہ جان لیں کہ ہمارا دین انتہائی آسان ہے، آپ ہنس کر اپنی بیوی سے بات کرتے ہیں یہ بھی دین ہے۔ آپ خوش اخلاقی سے تواضع کرتے ہیں یہ بھی دین ہے، ڈاکٹر اگر کسی مریض کا علاج کر رہا ہے تو یہ بھی دین ہے اور اگر آپ اچھے انداز سے کاروبار کر رہے ہیں تو یہ بھی دین ہے، اچھے انداز سے پڑھ رہے ہیں تو یہ بھی دین ہے، دنیا کے ساتھ سخت مقابلہ کر رہے ہیں یہ بھی دین ہے، اچھے سے اچھا کپڑا پہن رہے ہیں یہ بھی دین ہے۔ اچھی خوشبو لگا رہے ہیں یہ بھی دین ہے، ہمارا دین مشکل نہیں ہے۔ ہمارا دین گوشہ نشینی کا نام نہیں ہے۔ ہمارا دین اس چیز کا نام نہیں ہے کہ دنیا سے بالکل علیحدگی کر لی جائے، دین تو انتہائی آسان ہے، لیکن ایک بات میں آپ کو بتاؤں کہ دین کی تبلیغ فقط ایسے لوگوں پر فرض نہیں ہے جنہیں آپ وارثانِ منبر و محراب کہتے ہیں، دین کی تبلیغ آپ پر بھی فرض ہے اور میں آپ کو یہ اپنا دل کھول کر کہتا ہوں کہ جب تک ہمارے مسلمان بھائیوں کا عام طبقہ جو عمومی زندگی سے تعلق رکھتا ہے جو مساجد اور مدارس سے تعلق بالخصوص نہیں رکھتا، جو لوگ اپنی عملی زندگی میں ہیں خواہ وہ وکلاء ہیں، ڈاکٹرز ہیں، بینکار ہیں، خواہ وہ طالب علم ہیں، خواہ وہ اساتذہ ہیں، جب تک وہ اس دین کے لئے کوشش نہیں کریں گے ہمارا دین نہیں پھیلے گا اور کوشش کریں کہ تنقید والے جراثیم جو ہے اِن سے بچا جائے، تنقید والے جراثیم ...... خواہ وہ کسی مسجد سے بول رہا ہے یا کسی مدرسے سے بول رہا ہے یا کسی حکومت سے ...... ایسے لوگوں سے اپنی جان چھڑائیں اور کوشش کریں کہ انتظامی درجہ میں ایسے لوگ ہوں جو ٹانگ کھینچنے کی کوشش نہ کریں جو استحصال نہ کریں بلکہ طاقت دے دیا

کریں۔

میں حضرت صاحب پاک رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں جاتا ہوں، وہاں پر بیٹھتا ہوں اور جو کچھ بھی میں عرض کرر ہا ہوں وہ انہی کے نعلین کے توسط سے مجھے ملا ہے تو تشریف لائیں اور دل میں یہ گمان نہ رکھیں کہ درگاہوں پہ دقیانوسی باتیں ہوتی ہے، میں سوچ رہا تھا کہ دور کسے کہتے ہیں؟ زمانہ کسے کہتے ہیں؟ کسی نے کہا حرکتِ افلاک کا نام زمانہ ہے۔ افلاک ...... زمین و آسمان کی گردش کا نام زمانہ ہے۔ لیکن یہ تو اشرف المخلوقات نہیں ہیں بھائی! زمانہ تو اشرف المخلوقات نہیں۔ یہ زمانہ، یہ گھڑیاں، یہ وقت، یہ ساعتیں جو بیت رہی ہیں یہ تو اشرف نہیں ہیں، یہ اعلیٰ نہیں ہیں، اعلیٰ تو انسان ہوتا ہے۔ لیکن اگر انسان نے اپنا تزکیہ نہ کیا اور انسان فقط جسم کا نام نہیں ہے، اس کی بھی میں چار اقسام بیان کرتا ہوں۔

اب دیکھیں! انسان نام ہے جسم کا ...... یہ سب سے نچلی صورت ہے اس کے بعد پھر ذہن آجاتا ہے۔ اس کے بعد پھر دل آجاتا ہے اور پھر روح ہے۔ جسم کو ہم نے درست کرنا ہے، جسم کی بیماریوں کو ختم کرنا ہے اور جسم کو تندرست کرتا ہے، اچھی جسمانی صحت ہمیں چاہیے پہلے نمبر پر۔ اس کے بعد ہمیں اپنے ذہن سے بھی کام لینا ہے، عقلی یا ذہنی معیار بہتر کرنا ہے۔ عقلی یا ذہنی معیار تیز ہونا چاہیے۔ عقلی یا ذہنی معیار کیا ہے؟ دماغ کے اگلے حصے کی بائیں طرف کے ساتھ عقلی معیار کا تعلق ہوتا ہے، اس سے تیزی طراری ہے، اس سے حساب و کتاب ہے۔ اب ہمیں اپنے دل کو بھی درست کرنا ہے، اب دل میں کیا آتا ہے؟ جذبہ ...... نفرت اور محبت، اللہ تبارک وتعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے

خلاف کوئی بات کرے تو نفرت کا جذبہ بھی چاہیے، وہاں نفرت ہونا بھی ایمان ہے اور جب میرے آقا کی اداؤں میں کوئی گم ہو جائے تو اُس کے اوپر محبت سے نچھاور ہو جانا، یہ بھی ایمان ہے۔ تو قلبی طور پر انسان کو یہ چاہیے۔

میں اپنے بچے کو پچھلے دِنوں ایک نصیحت کر رہا تھا، میں نے کہا، بیٹے ایک بات بتاؤں تمہیں؟ کہتا جی! کیا؟ میں نے کہا کبھی بے ضرر نہ رہنا۔ کہتا یہ کیا؟ میں نے کہا یہ بے ضرری بڑی موت ہوتی ہے۔ انسانی شخصیت میں جو آدمی بے ضرر ہو، کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اپنوں سے محبت کرنا اور اغیار سے کبھی کبھی نفرت بھی کرنا پڑتی ہے۔ ہمارے دل بہت کھلے ہے بحمدُ للہ تعالیٰ۔

ہمارا پیغام محبت ہے لیکن اگر کہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرکار کی ذات گرامی کا ذکر آجائے، جو سرکار کے مخالف ہیں، ہم اُن سے نفرت کرنا بھی جانتے ہیں۔ جو بھی ہم پر فتوے لگ جائیں، جو بھی ہم پر باتیں ہو جائیں۔ اگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک موئے مبارک کی شان میں بھی کوئی گستاخی کرے گا تو ہم اس کو چھوڑیں گے نہیں۔ ہم نہ دنیا میں چھوڑیں گے نہ آخرت میں چھوڑیں گے۔ اس لئے جو دل ہے اس کو بھی درست کرنا ہے اور یہ بات میں کر رہا تھا کہ روّیہ بھی دل سے ہے، روّیہ کیسا؟ عجز ایسا کہ جس میں خوشامد نہ ہو، خودی ایسی جس میں تکبر نہ ہو۔ اب دیکھیں! بات سنیں یہ پینتالیس منٹ یا ایک گھنٹے میں حضرت کرماں والا شریف کا تعارف تو نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے تو بار بار وہاں آنا پڑتا ہے۔ اب کہیں جی وہاں کیسے آئیں، وقت نہیں ہے۔ وقت نہیں ہے! تو وقت کو منظم کرنا بھی تو ایک خوبی ہے۔ سربراہ مملکت کے پاس بھی چوبیس گھنٹے ہی ہوتے ہیں ایک دن

میں اور ایک مزدور کے پاس بھی دن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں، ٹھیک ہے ناں اور ایک جو غوث اعظم ہے یا غوث زماں ہے اس کے پاس بھی چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں، اب وقت کو منظم کرنا بھی تو خوبی ہے۔ لوگ کہتے ہیں ہمارے پاس وقت نہیں، بھائی! ترقی کیسے کرو گے؟ کسی ایسے آدمی کے پاس بیٹھو جسے وقت کو منظم کرنا آتا ہو، جسے پتہ ہو کہ کم وقت میں کیسے زیادہ کام نکالتے ہیں۔ تو آستانوں پر تو آنا پڑتا ہے، اللہ والوں کے پاس تو بیٹھنا پڑتا ہے اور دیکھنا پڑتا ہے ان کے مزاج کیسے ہیں! اب یہ دیکھیں ناں! بجلی سے فائدہ بھی ہے اور نقصان بھی۔ دیا سلائی سے دیکھیں روشنی بھی ہوتی ہے اور کبھی آگ بھی لگ جاتی ہے۔ اب دیکھنا پڑتا ہے، استفادہ حاصل کرنا پڑتا ہے۔ آستانوں پہ آنا چاہیے۔ یہ چیزیں سیکھنا چاہییں۔

چوتھی چیز ہے روح اور روح کا تعلق اللہ اللہ سے ہے اور روح سلطان ہے اور روح کا تزکیہ بہت ضروری ہے، اس کے لئے اعمالِ صالحہ ہے اور خدمت خلق ہے۔ یاد رکھیں ایک بات ...... فقط اللہ اللہ کرنے سے مصلے پر کھڑے ہو کر قیام و رکوع اور سجود کو فقط اللہ اللہ کا نام نہ دیں۔ بلکہ اللہ اللہ کا بہت بڑا جز خدمت خلق ہے اور میں نے جو چیز تمام مکاتبِ فکر کے علماء میں مشترک پائی ہے کہ خدمت خلق، اخلاق، ورزش اور سادہ غذا سے پرہیز کرتے ہیں۔

خدمت خلق انتہائی ضروری ہے اور اس سے روح پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ بردباری ...... کسی کا اچھا چاہنا اور وقت کو منظم کرنے کے لئے خرافات سے بچنا، وقت ضائع نہ کریں، وقت قلیل ہے، وقت کم ہے اور روح کی پاکیزگی کے لئے اللہ والوں کے پاس جاتے ہیں کیونکہ یہ میرا ایمان ہے کہ بعض اوقات کسی اللہ والے کی

ایک نظر سے بڑی بڑی پلید روحیں پاکیزہ ہو جاتی ہیں تو بہرحال دورِ حاضر میں اللہ والوں کے پاس جانا چاہیے۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر شخص نے تو بورڈ لگا کے رکھا ہے کہ میں اللہ والا ہوں۔ اللہ والے کو کیسے ڈھونڈا جائے؟ میں اپنے بارے میں عرض کرتا ہوں کہ میں تو اللہ والوں کے نعلین کا، اُن کے پاس آنے والے خدام کا ایک ادنیٰ نوکر اور غلام ہوں۔ اس بڑھ کر قطعی طور پر کچھ نہیں۔ اس میں کوئی کسرِ نفسی نہیں، یہ کوئی تجاہل عارفانہ نہیں، قطعی طور پر میں آپ کو بتاؤں گا کہ بالکل سچی بات یہ ہے کہ اللہ والوں کے جو نعلین ہے، جو اُن کے جوتے ہیں، اُن کو اٹھانے والا ہوں۔ اِس سے آگے میری کوئی پہچان نہیں۔ لیکن اللہ والے کی جو پہچان ہے، میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ ایک تو اس کا سلسلہ طریقت صحیح ہو۔ سلسلہ طریقت میں اُس کو دیکھیں آپ۔ دوسرا آپ دیکھیں کہ وہ شریعتِ مطہرہ کا پابند ہو۔ تیسرا آپ دیکھیں اگر اس کا سلسلہ نسب اچھا ہو تو پھر تو وہ سونے پہ سہاگہ والی بات ہے۔ تو یہ دو تین چیزیں ہوتی ہیں۔ اِس سے دیکھا جاتا ہے۔ میں نے تو جو اعلیٰ حضرت کے آستانے سے پایا ہے، وہ کہیں اور سے نہیں پایا، یہی سچی بات ہے۔ میں بھی بہت گھوما پھرا ہوں، بہت جگہ پہ گیا آیا ہوں لیکن جو آپ کے آستانے سے پایا ہے، ہر طرح سے دیکھا ہے پھر بھی ابھی تک یہی پتہ چلا ہے کہ کچھ بھی پتہ نہیں۔ تو دورِ جدید میں بالکل اللہ والوں کے پاس جانا چاہیے، اُن سے استفادہ کرنا چاہیے اور اُن کو دقیانوس نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ انہیں کچھ علم نہیں یا اللہ والے یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ روٹی کیسے کمائی جاتی ہے، اللہ والوں کو تو معیشت کا پتہ نہیں ہے، اللہ والوں کو تو تنظیم کا پتہ نہیں ہے، یہ تو سائنس اور ٹیکنالوجی سے

تعارف نہیں رکھتے۔ جو حکمت لفظ ہے ناں قرآن کا ...... اس کا ایک معنیٰ قدیم اور جدید ہے۔ قدیم اتنا کہ جو تاریخ میں درج نہ ہو اور جدید اتنا کہ جتنی جدت انسان کر ہی نہیں سکتا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انداز کی کیا بات کی جائے۔ آپ تو فرماتے تھے کہ میری باتیں سادہ سادہ ہیں، لیکن نجانے کوئی عارف بھی اِنہیں سمجھ سکے یا نہیں۔ سادہ سی بات میں آپ بہت کچھ بتا دیتے تھے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں کیا بتاؤں، میرا خیال ہے اگر ایک شخص یہاں آجائے تو شام تک حضرت صاحب کی باتیں کرتا چلا جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ملاقات رہے گی، آدھا گھنٹہ پینتیس منٹ ہو گئے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کا خطاب آپ نے سُنا، میری وجہ سے سمع خراشی ہوئی، اس کی معذرت چاہتا ہوں، اِس طرح کی محافل ہونا چاہییں، اِس طرح کی باتیں ہونی چاہییں۔ اگر کوئی اچھی بات لگے تو اُس کو کہیں چھاپ دیں، لکھ دیں، یہ باتیں آپ کے لیے ھدیہ ہیں، آپ کے لیے ہیں۔ اِس کو استعمال کریں، یہ اپنی طرف سے تو ہیں نہیں، جو بھی علم ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے توسط اور آپ کے نعلین سے ملتا ہے اور جس آدمی کے کان میں پڑ جائے یہ اُسی کا ہے، وہ اِسے بروئے کار لائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں آپ کو، ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی میں رکھے اور آپ کی غلامی میں کل قیامت والے دن ہمیں اُٹھائے۔

[وما علینا الا البلاغ المبین]

سیالکوٹ میں سی۔اے، سپورٹس کے زیرِ اہتمام ایک عظیم الشان محفلِ میلاد منعقد ہوئی جس میں مرشد العصر، شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری دامت برکاتہم العالیہ نے طالبین محبتِ رسول ﷺ کو نہایت سادگی کے ساتھ بیش قیمت نکات سے مستفید کیا۔آپ کی باتوں کو احساسِ کم مائیگی کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

ومآ ارسلنک الا رحمۃً للعالمین

بحمدُ للہ تعالیٰ ! صد شکر ہے کہ حضور سرکارِ دوعالم ﷺ کے میلادِ پاک میں حاضری نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی حاضری قبول فرمائے۔مختصراً بیان کروں گا کہ وما ارسلنک الا رحمۃً للعالمین عالمین سے کیا مراد ہے؟ جب بغور مطالعہ کیا تو مفسرین، محدثین وفقہاء جن پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل تھا، حضور نبی کریم ﷺ کے تصرف سے فرمانے لگے کہ زمین عالم ہے، آسمان عالم ہے، مشارق ومغارب عالمین میں سے ہیں، ہوا اور پانی یہ سب عالمین سے ہیں۔ چاند اور چاند کے گرد سیارے سورج اور اردگرد سیارے، سب عالمین میں سے ہیں۔المختصر، اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز عالم ہے

اور ہمارے آقائے دو جہاں ﷺ کو رب تعالیٰ نے عالمین پر رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ رحمت کسے کہتے ہیں اور رحمت کرنے والا کون ہوتا ہے؟ رحمت کرنے سے مراد ہے کہ جس پر رحمت کی جا رہی ہے، اگر اس پر رحمت نہ کی جائے تو وہ مر جائے، اُس کا زندہ رہنا محال ہو۔ مثال کے طور پر کوئی آدمی بھوکا ہو اور اِس قدر زیادہ کہ بھوک کی وجہ سے مر رہا ہو اور اُسے خوراک مل جائے تو یہ رحمت ہے اور اِسی طرح ایک بیمار مریض مر رہا ہو اور اُسے جان مل جائے تو یہ جان ملنا اُس کے لیے رحمت ہے۔

یاد رکھیں! عالمین میں زمانہ قدیم بھی ہے اور زمانہ جدید بھی، موخر بھی اور مقدم بھی اور عالمین میں مؤخر اتنا کہ کتاب پر اتنے سال لکھے ہی نہیں جا سکتے اور جب سال بھی نہیں بنے تھے اور جب وقت و اوقات بھی ابھی تک نہیں بنے تھے، وہ بھی عالمین میں شامل ہے اور آنے والا وقت جس میں یہ چوبیس گھنٹے کے دن رات شامل ہیں یہ بھی عالمین میں سے ہے۔ جب ہر چیز ختم ہو جائے گی، کل شیءٍ ھالک الا وجھہ جس وقت اللہ تعالیٰ کے سواء ہر چیز ہلاک ہو جائے گی وہ بھی عالمین میں شامل ہے۔

رحمت کرنے میں چار خصوصیات ہیں: ۱۔ رحمت کرنے والا زندہ ہوتا ہے۔ آپ اور میں عالمین سے ہیں اور آج میں گفتگو بڑی آسان کر رہا ہوں تا کہ ہر عام و خاص کو سمجھ آ جائے۔ رحمت کرنے والا زندہ ہوتا ہے، مردہ رحم نہیں کر سکتا کیونکہ مردہ تو دوسروں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ کو زندہ ماننا پڑے گا۔ اگر قرآن مجید پڑھا ہے اور قرآن پر ایمان بھی ہے تو پھر نبی

کریم ﷺ زندہ ہیں اسی لیے رحمت اللعالمین ہیں۔

۲ دوسری صفت جاننا۔رحمت کرنے والا جانتا ہے کہ اُس نے کیا رحمت کرنی ہے اور وہ علم رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ پریشانی کیا ہے اگر جانتا نہ ہو تو وہ رحم نہیں کرسکتا مثلاً اگر ہم کسی مریض کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں اور ڈاکٹر ہنر والا، تجربہ کار ہے، علاج کرتا ہے اُس کے پاس جائیں اور کہیں کہ مریض کا علاج کرو، وہ پوچھے کہ اِسے کیا ہوگیا ہے لیکن کہیں کہ یہ تو نہیں بتائیں گے اور مریض کو چیک بھی نہیں کرنے دیں گے تو کیا ڈاکٹر اُس مریض کا علاج کرسکتا ہے؟ تو علاج کرنے کے لیے اُس کا جاننا ضروری ہے تو پھر حضور اکرم ﷺ ہمارے متعلق وہ سب کچھ بھی جانتے ہیں جو ہم خود اپنے بارے میں بھی نہیں جانتے۔ یہ عین غین کا مسئلہ؟؟ ...... حضور ﷺ علم غیب جانتے ہیں اور ہر اُمتی کے بارے میں جانتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو اکٹھا کرلیا اور فرمایا: ایک وقت آئے گا جب میری امت پریشانی کے عالم میں ہوگی تو یمن کے علاقہ میں ایک اونٹ چرانے والا ہوگا جس کے ہاتھ کے اوپر برص پھلبھری کا نشان ہوگا، اس سے میری امت کیلئے مغفرت کی دعا کروانا تو ثابت ہوا کہ اگر کسی اُمتی کے ہاتھ پر کوئی چھوٹا سا نشان بھی ہو تو نبی کریم ﷺ اُسے بھی جانتے ہیں، اُمتی کے جسم پر جو نشانات ہیں، میرے آقا ﷺ اُس کے بارے میں بھی علم رکھتے ہیں۔ اِس لیے ضروری ہے کہ سرکار ﷺ جانتے ہیں، سرکار کو علم ہے۔

پہلی صفت رحم کرنے والے کی یہ ہے کہ وہ زندہ ہوتا ہے، حیات النبی

ﷺ کے منکرین سُن لیں کہ وہ زندہ ہوتا ہے، اِس لیے ہمارے نبی ﷺ زندہ ہیں اور دوسری صفت یہ ہے کہ سرکار علم رکھتے ہیں تبھی تو رحم فرماتے ہیں بلکہ مقدم کا علم رکھتے ہیں، مقدم سے پہلے کا علم رکھتے ہیں، اور موخر کا علم رکھتے ہیں اور مؤخر کے بعد کا علم بھی رکھتے ہیں اور اول و آخر کا علم بھی رکھتے ہیں۔

۳ تیسری صفت یہ ہے کہ رحم کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر مجھے رحم کی ضرورت ہے، میں بیمار ہوں اور میں ایک ڈاکٹر کے پاس جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں بیمار ہوں، مجھے فُلاں عارضہ لاحق ہو گیا ہے تو وہ ڈاکٹر کہے کہ ہاں میں جانتا ہوں کہ تمہیں یہ عارضہ لاحق ہے لیکن میں اِس کا علاج نہیں کر سکتا تو اُس نے کیا رحم کیا، کچھ بھی نہیں! کیونکہ اُسے قدرت ہی نہیں۔ لہذا نبی کریم ﷺ سرکار کی یہ شان ہے کہ سرکار رحم کرنے کی قدرت بھی رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اُمتی پریشان ہے، بدحال ہے، بیمار ہے، اُسے جسمانی عارضہ ہے، اُسے ذہنی عارضہ ہے یا اُسے قلبی عارضہ ہے یا روحانی عارضہ ہے، ہمارے علماء اِلا ماشاء اللہ ابھی عقل تک پھرتے ہیں، روح تک نہیں پہنچے۔ اگر روح تک جانا ہے تو روح کے حقیقی جاننے والے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کے خدام ہیں جو روح کی افزائش کرتے ہیں اور وہ صوفیاء ہیں۔ حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ جیسی جید شخصیات ہیں۔

۴ رحم کرنے والے کی چوتھی صفت ہے، قریب ہونا۔ مثلاً ایک آدمی امریکہ میں رہتا ہو اور اُس کا دوسرا بھائی افریقہ میں ہو اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے تو اُس کا بھائی اتنے فاصلے سے رحم کیسے کرے گا؟ تو اُسے قریب آنا پڑے گا ناں! اِس لیے رحم کرنے والے کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ قریب ہوتا ہے اور نبی کریم

ﷺ تو مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسِهِمْ بے ایمانوں کا ذکر نہیں، مومنین کی بات ہے۔ یہ تو تھی قرآن پاک کی کچھ تفسیر جو آپ نے سماعت کی۔

محفل سے قبل بچوں سے بات ہو رہی تھی تو بچے مختلف سوالات کر رہے تھے کہ اگر ایک بندے کی زبان میں لکنت ہو اور قرآن پاک کے الفاظ یا نماز کے دیگر الفاظ صحیح طریقے سے ادا نہیں کر سکتا تو اُسے گناہ ہو گا یا نہیں؟ میں نے جواب دیا ''نہیں''۔ ہم نے بھی ایک نصاب شائع کیا ہے جیسے مختلف تنظیموں نے دعوت و تبلیغ کے لیے نصاب بنایا ہے اِسی طرح حضرت کرماں والا شریف کی تنظیم نے ایک محنت و کوشش کے بعد ایک نصاب شائع کیا ہے جو قابل درس ہے لیکن وہ ایسا خشک نصاب نہیں ہے کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نہ ہو بلکہ حضرت صاحب پاک رحمۃ اللہ علیہ ، میرے پیر و مرشد نے ہماری آنکھوں پر عینک ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت والی لگائی ہے جس کے بغیر ہم کچھ دیکھتے ہی نہیں۔

تو نصاب کا پہلا باب ''آسان دین'' ہے اور اِس پر میں نے بار بار گفتگو کی ہے کیونکہ جب مختلف لوگوں نے سازش کی اور کہنے لگے کہ تقسیم کر کے حکومت کرو یعنی Divide & Rule تو اُنہوں نے پہلے مسلمانوں کو فرقہ واریت میں تقسیم کیا، اُس کے بعد جغرافیائی طور پر تقسیم کیا اور بعد میں ایک اور تقسیم پیدا کر دی جو سب سے بڑا ظلم تھا یعنی دین اور دنیا کو جدا کر دیا۔ دین والے لوگ دنیا کے اُمور نہیں جانتے، عمومی طور پر دیکھا گیا ہے اور دنیا دار دینی اُمور نہیں جانتے، اِس وجہ سے جو دقت پیدا ہوئی وہ یہ ہے کہ جو دین دار لوگ تھے وہ بالکل ہی دقیانوس ہو گئے

یعنی کوئی نیا مسئلہ اُن سے معلوم کیا جائے یا دورِ حاضر کی کوئی بات پوچھی جائے تو وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں اور جو دنیا دار ہے اُس پر دینی اُصولوں کا سایہ نہیں تو وہ اپنے طور پر نئے اُصول بنا لیتا ہے۔ کوئی اُصول اِدھر سے لیا، کوئی اُدھر سے، کوئی مغرب سے اور کوئی مشرق سے اور اِس کا نقصان یہ ہے کہ دنیاوی ترقی بھی کم ہو جاتی ہے۔ جس وقت تک دین اور دنیا اکٹھے تھے، خلفائے راشدین کا دور دیکھیں تو اُس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ عرب ایک ایسا خطہ تھا جو ریگستان پر مشتمل تھا، نہ وہاں فصل ہوتی اور نہ کچھ پیداوار لیکن وہاں دینی اُصول تھے لہٰذا آپ دیکھیں کہ دو چار سال میں لاکھوں مربع میل علاقہ فتح کر لیا گیا اور آج کی صورت حال یہ ہے کہ ہم کثیر تعداد یعنی ڈیڑھ ارب ہونے کے باوجود چھوٹے چھوٹے گروہوں سے اتنی زیادہ مار کھا رہے ہیں، ہر جگہ پٹ رہے ہیں۔ اُس کی وجہ فقط یہی ہے کہ ہم نے اپنی دنیا میں دین کو شامل نہیں کیا اور مختلف مذاہب میں دین و دنیا کا جدا جدا تصور پایا جاتا ہے لیکن یاد رکھیں! دین اسلام میں دنیا اور دین بالکل اکٹھے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک آدمی حلال رزق کما رہا ہے تو یہ عین دین ہے۔ اپنے بچوں کو خوشدلی سے بلاتا ہے، اچھی پرورش کرتا ہے تو یہ عین دین ہے۔ اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کر رہا ہے تو یہ عین دین ہے۔ اچھا کاروبار کر رہا ہے، اچھا لین دین کر رہا ہے تو یہ بھی عین دین ہے۔ یہاں ایک بچے نے مجھ سے پوچھا کہ تفریح کرنے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا، بالکل دین ہے لیکن بیٹے! ایک نکتہ سُن لو کہ جس تفریح میں ضمیر ملامت نہ کرے وہ تفریح بالکل جائز ہے۔

میں اجتماعی گناہوں کے متعلق بات کرتا ہوں۔ جیسے ایک انفرادی گناہ

ہوتا ہے جس میں فردِ واحد برباد ہو جاتا ہے اور ایک اجتماعی گناہ ہوتا ہے جس سے پوری قوم زوال کا شکار ہوتی ہے۔ اجتماعی گناہوں کی فہرست میں ایک گناہ یہ بھی ہے کہ ''ایسی تفریح جس میں ضمیر ملامت کرے''۔ یاد رکھیں۔ تفریح دین میں جائز ہے۔ بالکل جائز ہے لیکن جس میں ضمیر ملامت نہ کرے، وہ ضمیر جو آپ کے اندر موجود ہوتا ہے اور جس کے متعلق آپ بھی جانتے ہیں، جہاں اُس نے ملامت کی وہاں آپ غلط ہیں۔ یہ حیاتیاتی میٹر اللہ تعالیٰ نے ہر بندے میں لگا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا ایسی تفریح جس میں ضمیر ملامت کرے وہ قطعی طور پر جائز نہیں۔

میں نے بچوں کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے اُم المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا ہم دوڑ لگائیں؟ اور سرکار ﷺ، مومنین کی ماں، اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ دوڑے اور اماں صاحبہ دوڑ میں آگے نکل گئیں۔ یہ حدیث پاک ہے۔ کچھ عرصے کے بعد پھر فرمایا کہ آؤ دوڑیں اور اب نبی کریم ﷺ سرکار آگے نکل گئے۔

اِسی طرح کاروبار دین کا حصہ ہے۔ ایسا کاروبار جس سے غریبوں کا استحصال نہ کیا جائے اور ایسی دولت جس سے کمزور کو اشاروں پر نچایا نہ جائے یا حکومت حاصل نہ کی جائے۔ لوگ ایسے کاروبار کرتے ہیں اور ایسے بھی کہ کاروبار کے ذریعے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں، کاروبار کے ذریعے غریب کو غریب تر بنا دیتے ہیں۔ ایسا کاروبار جس میں اُصول ہوں، بالکل جائز ہے اور علم ایسا حاصل کرو جس میں کردار ہو۔ وہ عالم جو بے کردار ہو اور وہ عالم جو کہے کچھ کرے کچھ۔ وہ پوری قوم کا بیڑہ غرق کر دیتا ہے۔ عالم وہ نہیں جو بہت کچھ جانتا ہے

بلکہ عالم وہ ہے جو سیدھی راہ پر چلتا ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ عالم کی ضرورت ہے۔ آ جکل جدید دور ہے، انٹرنیٹ پر مسئلہ دیکھیں فوری جواب مل جائے گا۔

ہمارے ایک مولوی صاحب کہنے لگے کہ میں فلاں ہوں، فلاں ہوں۔ اُن کی طبیعت کچھ ایسے ہی دنیا داری کی طرف مائل تھی تو میں نے کہا کہ جناب! آپ سے تو بہتر ہے کہ ایک سافٹ ویئر بنا دیا جائے، اُس کو مسئلوں سے بھر دیا جائے اور لوگ اُس میں مسئلہ داخل کر کے جواب حاصل کر لیں اور اُسے جبہ قبہ بھی پہنا دیتے ہیں، وہ جھوٹ تو نہیں بولے گا ناں، بد دیانتی تو نہیں کرے گا ناں۔ دین اور قرآن کی آیات کو اپنی غرض وغایت کے لیے مروڑے گا تو نہیں لہذا علم وہ ہے جس میں کردار ہے۔ یاد رکھیں جسے ہم علم سمجھتے ہیں یہ خبر ہے، یہ تو نقشہ ہے۔ جس طرح آپ کے پاس سیالکوٹ کا نقشہ ہے، آپ کے پاس لاہور کا نقشہ ہے۔ نقشے سے کیا حاصل؟ اُس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں سیالکوٹ ہے، یہاں لاہور ہے، یہ جنگل ہے لیکن اگر کہیں گم ہو گئے تو نقشے کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ اُس وقت آپ کو قطب نما کی ضرورت پڑے گی۔ ہدایات کی ضرورت ہے۔ اگر سیدھی راہ پر چلیں گے تو منزل پر پہنچ جائیں گے۔ میں قطب نما کو بہت پسند کرتا ہوں۔ آپ دیکھیں کہ جہاز والوں کے پاس بھی قطب نما ہوتا ہے، جو خلا میں چلے جائیں اُن کے پاس بھی قطب نما ہوتا ہے۔ جنگلوں میں جانے والوں کے پاس بھی قطب نما ہوتا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ قطب نما کیا ہوتا ہے؟ قطب نما ایک سوئی ہے جس کا رُخ ہمیشہ سیدھا جنوب کی طرف ٹکا رہتا ہے۔ اُسے پانچ مرتبہ گھماؤ تب بھی اُس کا رُخ اُدھر ہی رہے گا۔ جب اُس کا رُخ ہمیشہ اپنے مطلوب کی طرف ہی رہتا

ہے تو ایک سوئی کو اللہ کریم وہ طاقت دے دیتا ہے کہ بڑے بڑے لوگ اُس کے پیچھے چلتے ہیں، اگر سوئی کا رُخ ایک طرف ہو اور جہاز کا رُخ دوسری طرف تو جہاز کا رُخ بدل کر جس طرح سوئی اشارہ کرے اُدھر موڑ دیا جاتا ہے۔ میری بات سمجھ گئے ناں! سوئی مخلوق میں حشرات الارض سے بھی حقیر ہے اور انسان اشرف المخلوقات ہے۔ چاند سے بہتر ہے۔ ستاروں سے بہتر ہے، سورج سے بہتر ہے۔ اگر انسان کا نفس امّارہ ہے یعنی جانوروں جیسا ہے تو پھر سورج کا اثر اُس پر ہوتا ہے لیکن اگر زہد وتقویٰ ہو، کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہتے ہوئے اُس کا نفس اور روح پاکیزہ ہو جائے، بہتر ہو جائے تو پھر وہ انسان سورج کے تابع نہیں ہوتا بلکہ سورج اُس کے تابع ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے واقعات سُنے ہیں کہ اذان نہیں دی تو سورج نہیں نکلا۔ انگلی کا اشارہ کیا تو سورج پلٹ گیا۔ اصحابِ کہف کی وجہ سے تین سو سال تک سورج کترا کر گذرتا رہا۔ انسان کو چاہیے کہ اُس کا قطب نما درست ہو۔ آپ میری بات سمجھ گئے ہیں؟ اگر انسان کا دل قطب نما ہو تو اُس کا رُخ سرکار ﷺ کی طرف ہو اور اگر اُسے پانچ سو مرتبہ بھی گھمایا جائے تو اُس کا رُخ پھر بھی سرکار ﷺ کی طرف ہی ہو۔ وہ نبی کریم ﷺ پر جان قربان کرنے کے لیے، مال قربان کرنے کے لیے، اولاد قربان کرنے کے لیے تیار رہے تو قطب نما کچھ بھی نہیں لوگ اُسے "راہنما" بنا لیتے ہیں۔

آج ہماری قوم کیوں برباد ہو رہی ہے کہ دلوں میں سرکار ﷺ کی محبت نہیں اور اگر محبت ہے تو فقط زبان کی حد تک۔ ہم سرکار ﷺ کا نام لیتے ہیں مگر جو ہمارے آقا فرماتے ہیں، ہم اُس پر عمل نہیں کرتے۔ جو میری سرکار

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہم نہیں کرتے اگر ہم کرنے لگیں تو اللہ کریم ہر طرح سے خیر فرمادے۔ جن کے دلوں کے رُخ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہو گئے اُن کی بارگاہوں میں فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ اپنے دلوں کے قطب نما کا رُخ گنبدِ خضریٰ کی طرف کرلو۔ تمام مسئلوں کا حل یہی ہے۔ اگر تمہیں دس بار گھمایا جائے تو پھر بھی تمہارے دلوں کا رُخ اُس طرف ہونا چاہیے اور اِس کے لیے آپ کو کسی مردِ کامل کی ضرورت ہے۔

ابھی سب میری تعریف کر رہے تھے لیکن یہ میرے بیلی بیٹھے ہیں جو میرے جسم کا حصہ ہیں۔ یہ میرے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیلی ہیں اور میں اِن کا خادم ہوں۔ میں اِن کا نوکر ہوں۔ اِس لیے کہ یہ میرے حضرت صاحب کے خادم ہیں اور میرے حضرت صاحب کے ساتھ جس چیز کی بھی نسبت ہے میں نے دنیا پر ایک ہی شے رکھی ہے اور وہ میرے حضرت صاحب ہیں۔ میں نے دنیا میں کبھی کسی چیز کی پرواہ نہیں کی اور میں نے کبھی کسی چیز کا خیال نہیں کیا مگر ایسی چیز کا جو حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منسلک ہے۔ یہ نسبت بڑی چیز ہے۔ بہت بڑی چیز ہے۔

ایک واقعہ یاد آ گیا۔ آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرکار کا سایہ نہیں تھا۔ یہ پتہ ہے ناں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ جسم کثیف ہوتا ہے اور جسم سے اُس کا سایہ لطیف ہوتا ہے، زیادہ شفاف ہوتا ہے۔ ہر شخص کا سایہ ہوتا ہے کیونکہ اُس کے جسم سے اُس کا سایہ لطیف ہوتا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ لطیف اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی شے

بنائی ہی نہیں۔ اِس لیے آپ ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔ لیکن آپ کپڑے تو زیب تن فرماتے تھے ناں! لہذا چاہیے تھا کہ کپڑوں ہی کا سایہ ہوتا لیکن سرکار ﷺ کے کپڑوں کو سرکار کے جسم پاک سے نسبت تھی۔ اِس لیے اُن کا بھی سایہ نہیں تھا۔ افغانستان میں ایک بزرگ تھے جن کو بارہ سال بعد میرے آقا ﷺ کی قمیص ملی اور اُسے سر پر رکھ لیا اور دیکھا کہ اُن کا بھی سایہ نہیں تھا۔ یہ نسبت ایسی چیز ہے کہ جس چیز کو کسی سے نسبت ہو جاتی ہے اُس کی طاقت اُسکے اصل جیسی ہو جاتی ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ کے ساتھ نسبت قائم کرنا چاہتے ہیں تو کسی مردِ کامل کے دروازے پر جانا ہوگا اور میں آپ کو کیا بتاؤں۔

ہر سو کہ می بینم　　　رُخ دلدار می بینم

میں کیا کروں، میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔ مجھے حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ تمام پیران عظام، تمام مشائخ جو اللہ کے ولی ہیں، میں اُن کے قدموں کی دھول ہوں مگر میں کیا کروں مجھے اپنے پیر جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔ میں اِس قدر مجبور ہوں۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ میں آپ کو سُناتا ہوں جو بہت بڑے بزرگ ہیں اور اُزبکستان میں آپ کا مزار اقدس ہے۔ آپ نے ایک دفعہ اعلان کر دیا کہ میرا گمان ہے میرا وصال قریب ہے اور میں دنیا سے چلا جاؤں گا لہذا تمام لوگ میری زیارت کر لیں، جو میری زیارت کرے گا، جنت میں چلا جائے گا۔ جب آپ نے اعلان فرمایا، پورے شہر کے لوگوں نے آپ کی زیارت کی، ماسواء ایک درزی کے۔ وہ ایک بالا خانہ میں رہتا تھا، آپ اُس کے

پاس چلے گئے اور بالا خانہ پر چڑھ گئے۔ دیکھو! اللہ والوں کی بات۔ آجکل مولوی کو ذراسی بات تنقیدی سننا پڑے وہ دیکھتا بھی نہیں اور اللہ والے اُس کے پیچھے چلے گئے، فرمایا: بیلیا! تو ہماری زیارت کے لیے نہیں آیا۔ کہنے لگا: نہیں سرکار۔ فرمایا: ہم پر کوئی شک ہے؟ کہنے لگا: سرکار، آپ وقت کے غوث ہیں، آپ میں کوئی شک نہیں مگر میں کسی اور کا مرید ہوں اور میں نے اپنے پیر سے پوچھے بغیر آپ کو دیکھنا بھی نہیں۔ آپ کی کیفیت میں جلالت آ گئی اور آپ نے نگاہِ ولایت سے اُسے دیکھا تو وہ روحانیت سے خالی تھا، اُس کے پیر کی طرف توجہ فرمائی تو وہ بھی خالی تھا لیکن خواجہ صاحب نے دیکھا کہ اِس کے دل کا قبلہ تو اسکے پیر کی طرف ہی ٹکا ہوا ہے۔ اِس کے قطب نما کی سوئی تو اِس کے پیر کی طرف ہی ہے لہذا اُس کے پختہ ہونے پر خوش ہو کر آپ نے اپنی خاص نگاہِ ولایت اور علم لدنی سے اُسے بھی اللہ کا ولی بنا دیا اور اُس کے پیر کو بھی اللہ کا ولی بنا دیا۔ لہذا اپنے دلوں کا قبلہ سیدھا رکھنا چاہیے اور میرے حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کی شان وریٰ الوریٰ ہے۔ مجھے آپ کی اولاد نہ سمجھو میں آپ کا خادم ہوں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ میں اِس قابل ہی نہیں میں تو بیلیوں کے جوتوں میں بیٹھنے کے قابل ہوں۔ یہ محفل سجا کر ہم اپنا ہی کوئی بھلا کر لیتے ہیں اور اپنے دلوں کا قبلہ اپنے پیر کی طرف ہی رکھو اور اُس پیر کی طرف رکھو جس کے دل کا قبلہ مدینہ منورہ کی طرف ہے۔

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیر کیسے بنائیں، ہر ایک بورڈ لگائے بیٹھا ہے۔ ایک آدمی نے کہا؛ ہو سکتا ہے محکمہ پولیس میں ہمیں کوئی اللہ کا ولی مل جائے لیکن ابھی تک پیرانِ عظام میں نہیں ملا۔ اِن جعلی پیروں کے پاس چلے جائیں،

پیار محبت کریں گے پھر یا پیسہ لوٹ لیں گے یا عزت۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یہی صورت ہے ناں؟ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیر وہ ہے جس کی نظر مرید کی جیب پر نہ ہو اور مرید وہ ہوتا ہے جو اپنا مال جان ہر شے مرشد پر قربان کر دے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسا پیر نہیں ہونا چاہیے جو جیبوں کی طرف دیکھتا رہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُس کا سلسلہء طریقت دیکھو۔ یہاں علماء بیٹھے ہیں، بتائیں کیا صحیح حدیثِ پاک کے لیے سند نہیں دیکھی جاتی؟ کہ اِس میں راوی کیسے ہیں! جس طرح حدیث کے راوی دیکھے جاتے ہیں اِسی طرح دیکھو کیا اُس کا سلسلہء طریقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے اور درمیان میں کوئی ایسا تو نہیں جو مشتبہ ہو، یہ پہلی چیز ہے یعنی پیر ڈھونڈنے کا پہلا طریقہ۔ یعنی پہلے دیکھو کہ دنیا سے بے غرض ہو، دنیا کے مال سے بے غرض ہو۔ تین طرح سوچنے والے بندے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ مادی اشیاء یعنی جسم، پیسہ، گھر، کوٹھی، تعلقات، وزیر، مشیر، بادشاہ دیکھتے ہیں۔ یہ ایک سوچ ہے۔ دوسری قسم کے لوگ ہیں جو عقل کے کھلاڑی ہوتے ہیں، منطق، فلسفہ، اُٹھنا، بیٹھنا، گفتگو دیکھتے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ روح کو جانتے ہیں اور سب سے نچلے درجے کا طبقہ مادیت والا ہے۔ آپ اُس کی باتوں سے جان لیں گے، اگر روپے ٹکے کی بات کرے تو سمجھ لینا یہ آدمی کچھ نہیں، بہت ہلکا ہے۔ اگر وزیر مشیر کی بات کرے تو بھی ہلکے درجے کا ہے۔ اگر منطق فلسفہ دکھائے تو دوسری سطح کا آدمی ہے، اِدھر اُدھر کی بات کرے گا، حواس سے پہچاننے کی کوشش کرے گا، عقل سے پہچانے گا، دلیل دے گا، نکتہ بتائے گا، غلط بات کو صحیح کرنے کی کوشش کرے گا اور اِدھر اُدھر کی بات کرے گا اور تیسرا وہ ہے جس کی توجہ

ہر وقت اپنے پیر کی طرف رہتی ہے۔ بس یہ دیکھنا ہے اور پھر دیکھو کیا اُسکا سلسلہء طریقت ٹھیک ہے؟ اور پھر اگر سونے پر سہاگہ چاہیے تو دیکھو اُس کا سلسلہء نسب کیسا ہے؟ ٹھیک ہے ناں۔ نسب میں کوئی کھوٹ تو نہیں! خدا کی قسم! اگر اِن دونوں کسوٹیوں پر کوئی پورا اُترتا ہے تو وہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کا سلسلہء طریقت بیالیس واسطوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سرکار تک پہنچتا ہے اور سلسلہء نسب بھی اکتالیس واسطوں سے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچتا ہے۔ آپ حسنی سید بھی ہیں اور حسینی سیّد بھی ہیں۔

اِن سے قرآن سیکھو، یہ قرآن کے عالم ہیں۔ قرآن ایک کتاب نہیں کہ جسے رَٹ لیا جائے اور حافظِ قرآن، تلاوت کرکے، اللہ کریم کی حمد وثنا کر کے لوگوں کے سامنے جھولی پھیلا دے تو یہ قرآن نہیں ہے بلکہ قرآن یہ ہے کہ اُس پر عمل کیا جائے۔ قرآن کی ایک آیت مبارکہ پر اگر عمل کرلیا جائے، فقط ایک آیتِ مبارکہ پر ...... تو اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا اور آخرت سنوار دیتا ہے۔

قرآن کی تفسیر اُن لوگوں سے پڑھو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محب ہیں، عاشق ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا معاذ اللہ دنیا میں کوئی پیر ہی نہیں لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ ہمیں حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیا باتیں بیان کی جائیں، یہ بیلی یہاں پر ویسے ہی نہیں بیٹھے، ایک ایک بیلی کو کھڑا کیا جائے تو وہ بے شمار باتیں کرتا چلا جائے گا اور میرے حضور، حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے جس پر ایک نظر ڈالی، کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ آپ فرماتے تھے کہ بھئی! دنیا میرے پاس عرض، مرض اور قرض کی

فریاد لے کر آتی ہے اور جس کام کے لیے میں بیٹھا ہوں وہ کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ اِن کا مشن کیا ہوتا ہے؟ اِن کا مشن یہ نہیں ہوتا کہ اِنہیں کرسی اور اسٹیج پر بیٹھا دیا جائے، اِن کا یہ مشن نہیں ہوتا بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلام بن جائیں اور اپنی زندگی اُسی طرح گذاریں جیسے میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گذاری۔ دین آسان ہے، مشکل نہیں۔ دین کے عالم بنو اور عالم وہ ہوتا ہے جو دین پر عمل پیرا ہو، یہ نہیں کہ دین پڑھ لیا جائے۔

اعلیٰ حضرت گنج کرم رحمۃ اللہ علیہ بہت پڑھے ہوئے تھے لیکن حضور میاں صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کسی مدرسے سے نہیں پڑھے اِس کے باوجود آپ دین پر عمل پیرا تھے، عمل کیا کرتے تھے۔ اُس کی پیروی کرو جو دین کی پیروی کرے یعنی وہ اپنی عام زندگی میں کیا کرتا ہے؟ وہ باپ کیسا ہے؟ بیٹا کیسا ہے؟ خاوند کیسا ہے؟ معاشرے میں کیسا ہے؟ دینی لوگ، جو دینی تنظیموں سے منسلک ہیں، کیا خدمتِ خلق کرتے ہیں؟ کبھی کسی حافظ صاحب نے یہ دیکھا ہے کہ میرا ہمسایہ بھوکا ہے یا کھانا کھایا ہے کہ نہیں؟ کسی کو نیچ سمجھنا یا غریب کو نیچ سمجھنا خواہ اُس کا دل کتنا ہی سچا ہو، اُسے نیچ سمجھنا اور جس کے پاس پیسہ ہے اُسے رَب سمجھنا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ انسان کو پیسے کے ساتھ تولنا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

عمل کرنے والوں کے پاس جا کر دین سیکھنا چاہیے اور اللہ والے کیا ہوتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خادم ہوتے ہیں بس! ولی اللہ کیا ہے؟ مجھے کوئی کہے کہ وہ ہوا میں اُڑتا ہے، بالکل نہیں، بلکہ وہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خادم ہے، میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پروانہ ہے، اُن کا ورکر ہے، ولی اللہ اُن کا

تنظیمی کارکن ہے۔ اِن کا کام یہ ہوتا ہے کہ قریب کر کے کسی سے کہتے ہیں جا، اللہ خیر کرے گا، تجھے مال دے دیا۔ دیکھیں یہ تو حدیث پاک ہے کہ جب اللہ کا کوئی بندہ اللہ اللہ کر کے، توجہ کر کر کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اُس کے ہاتھ نہیں رہتے ، اللہ کریم کے ہاتھ ہیں، اُس کی زبان نہیں رہتی، اللہ کریم کی زبان ہے اور اُس کے پیر نہیں رہتے اور پھر اگر وہ کسی کے لیے ہاتھ اُٹھا دے تو اللہ کریم اُسے مایوس نہیں کرتا، لہٰذا وہ کیا کرتے ہیں؟ قریب کرتے ہیں! کیوں قریب کرتے ہیں؟ کبھی کسی کو دعا دے دی، کبھی کسی کے ساتھ اخلاق برت لیا، کبھی کسی کے ساتھ محبت کر لی، اِس طرح قریب کرتے ہیں اور جب قریب ہو جاتے ہیں تو پھر اُن میں عجز پیدا کر دیتے ہیں۔ یاد رکھیں! میں نے یہ بات عرس شریف کے موقع پر بھی بیان کی تھی اگرچہ وقت تھوڑا تھا، اللہ کے بندے کا دوسرا ہی اندازِ عمل ہوتا ہے۔ لوگ کہتے تھے، ہم نے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ٹھگ لیا ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، مجھے کوئی ٹھگ نہیں سکتا۔ بندہ سمجھتا ہے کہ میں اِن سے اپنا کام نکال رہا ہوں حالانکہ وہ آپ سے کام لے رہے ہوتے ہیں کیونکہ وہ بڑے سمجھ دار ہوتے ہیں، بڑے دور رَس ہوتے ہیں۔ اُن کا پہلا طریقہ سُنیں۔ قریب کرتے ہیں۔ کیسے؟ کسی کو دعا دیتے ہیں۔ کسی کے ساتھ اخلاق کر کے۔

اخلاق بھی بہت بڑی کرامت ہے۔ یاد رکھو! میں ایک مثال دیتا ہوں۔ جب حبیب عجمی کی آمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاند کو جب دو ٹکڑے کر دیا تو زیادہ لوگ اُس وقت دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے لیکن جب کوڑا پھینکنے والی عورت کے گھر میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلے گئے

تو مسلمان ہوگئی، میری بات سمجھ رہے ہوناں! کیا بات ہے! محبت ایسا جذبہ ہے کہ اِس کے سامنے نفرت ٹِک نہیں سکتی اور جسے پیار کرنے کا طریقہ معلوم ہے وہ تو چھا جاتا ہے۔ لہذا یہ قریب کرتے ہیں، کبھی پیار کے ساتھ، کبھی دعا کے ساتھ۔ کبھی اللہ کے حضور کسی کے لیے دعا کر کے اولاد دے دی۔ کبھی کسی کو مال دے دیا، کبھی کسی بیمار کو شفاء دے دی۔ اب قریب کرلیا تو عجز پیدا کر دیا کیونکہ اگر بندہ عاجز نہیں تو اُس کا نفس امّارہ ہے، وہ تو جانوروں کی طرح ہوتا ہے، اُس کی مثال جانوروں جیسی ہے۔ ایک بندہ متکبر ہے تو وہ جانور سے مشابہ ہے۔ کبھی آپ نے جانور نہیں دیکھے؟ میں اب اُن جانوروں کا نام نہیں لینا چاہتا۔ ایک آدمی جو چالاک ہے، پھیرے باز ہے، کبھی آپ نے لومڑی نہیں دیکھی۔ ٹھیک ہے ناں! یہ دیکھ لیتے ہیں کہ یہ تو فلاں جانور ہے۔ ایک آدمی چاپلوس ہے تو کبھی بکری نہیں دیکھی؟ لہذا وہ دیکھتے ہیں کہ اِس میں تو یہ نقص ہے اِس لیے نکال دو اور عجز ہوتا ہے کہ خوشامد کا شائبہ بھی نہیں ہوتا اور ایسی خودی ہوتی ہے کہ تکبر کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ میں اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں، پہلے بھی یہ مثال دی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکرم نے گردن سے پکڑ کر کافر کو نیچے گرالیا، کیسی خودی ہے؟ اور جب اُس نے تھوک دیا تو اُسے چھوڑ دیا، اپنے آپ پر ایسا قابو لاؤ۔ حضرت انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ مزین کیا ہے کہ اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہیں کیا۔ اگر غصہ کیا ہے تو اللہ کریم کے لیے۔

پہلا کام اُن کا ہے کہ قریب کرتے ہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ عجز پیدا کرتے ہیں اور خودی پیدا کرتے ہیں۔ امام حسین پاک علیہ السلام کو دیکھ لو، کیا عجز ہے! مدینہ

منورہ سے بھی چلے گئے، مکہ مکرمہ سے بھی تشریف لے گئے۔ جب روکا گیا تو فرمایا اگر آگے نہیں جانے دیتے تو پیچھے چلا جاتا ہوں لیکن اُنہوں نے کہا کہ آپ کو یزید کی بیعت ہی کرنی پڑے گی۔ امام عالی مقام علیہ السلام نے فرمایا: میں فارس کی طرف چلا جاتا ہوں، ایران کی طرف۔ اُنہوں نے کہا، نہیں۔ آپ کو بیعت ہی کرنی پڑے گی۔ اب دیکھو! کیسا عجز ہے، کیسی معاملہ فہمی ہے۔ چھوٹے چھوٹے معاملات پر کتنی معاملہ فہمی ہے! فرمایا: میں شام چلا جاتا ہوں، تمہاری مرکزی قیادت سے بات کرتا ہوں۔ لیکن اُنہوں نے کہا، نہیں آپ کو بیعت ہی کرنی پڑے گی، اب مقامِ خودی آ گیا اور فرمایا کہ بیعت نہیں کروں گا۔ کس کس طرح آزمایا؟ اِسے کہتے ہیں انسان! اِسے کہتے ہیں، قرآن کی تفسیر۔ وہ کریہہ الصوت ملاں جو قرآن پاک کی تفسیر کر کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور لوگوں کو متنفر کرتا ہے، وہ کیا تبلیغ کرے گا، تبلیغ تو اِنہوں نے کی۔ قرآن کی تفسیر تو انہوں نے کی ہے۔ تیسرا مرحلہ جب آئے تو کیا کرتے ہیں؟ بدل دیتے ہیں۔ آپ نے مائی کا واقعہ سُنا ہے؟ ابن تیمیہ، مکتبہ اہلحدیث کا مولوی اِس واقعہ کو نقل کرتا ہے کہ ایک بندہ کفن چور تھا، مُردہ لوگوں کا کفن چُرا لیتا تھا۔ اب دیکھو، کتنا کریہہ کام ہے! ایک اللہ کی ولیہ انتقال کر گئی۔ اُس چور نے جنازے میں شرکت کی۔ شامل ہونے کے بعد اُس نے قبر کھول دی اور قبر شق کرنے کے بعد جب اُس نے کفن اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو مائی نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ عجیب بات ہے کہ ایک جنتی کفن چوری کر رہا ہے! اِسے کہتے ہیں تبدیل کرنا۔ وہ کیا تھا اور اُسے کیا بنا دیا۔ اللہ کا ولی بنا دیا۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ جا رہے تھے، آپ بعض اوقات قیمتی پوشاک پہن لیتے تھے۔ بڑی قیمتی پوشاک تھی۔

وجہ یہ ہوا کرتی تھی کہ کوئی غریب آدمی آ کر صدا لگائے اور میں اُسے عطا کردوں ورنہ قیمتی پوشاک کیا ہوتی ہے۔ کیا بندے کی مٹھی چاپی کرتی ہے؟ کیا آدمی پیچھے سے آیا اور سوچا کہ بابا جی اتنی قیمتی قمیص پہن کر جا رہے ہیں تو میں پھاڑ کر دوڑ جاتا ہوں، اِس میں جُڑے ہیرے جواہرات بیچ کر گزر بسر کروں گا۔ اُس نے آگے بڑھ کر قمیص پکڑ کر جھٹکا دیا تو آپ جلال میں آ گئے اور اِن کا جلال بھی رحمت ہوتا ہے۔ آپ نے اُس پر نظر ولایت ڈالی اور اللہ کا والی بنا دیا۔ تیسرے مرحلے پر کیا کرتے ہیں؟ تبدیل کر دیتے ہیں۔

پہلے حوصلہ افزائی کرتے ہیں، پھر درستگی فرماتے ہیں، پھر تبدیل کرتے ہیں اور چوتھے مرحلے پر اپنے جیسا بنا کر آگے بھیج دیتے ہیں۔ آپ فیکٹریوں میں ملازم اکٹھے کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہو، یہ آدمی میرے پاس رہے، یہ بچے میرے پاس رہیں، میرا بیٹا مجھے چھوڑ کر نہ جائے، میرا بھائی مجھے چھوڑ نہ دے، یہی قریبی رشتے ہوتے ہیں ناں۔ پھر ملازمین چھوڑ کر دوسری جگہ نہ چلے جائیں۔ لیکن یہ چھوڑتے ہیں، اِن کی فلاسفی چھوڑ دینے کی فلاسفی ہے لیکن بندہ جاتا ہی نہیں کیونکہ یہ جسم پر قابو نہیں دل پر قابو پاتے ہیں۔ دیکھو! جن کے دلوں پر میرے آقا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کا قبضہ ہے، وہ سرکار صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کا میلاد بھی مناتے ہیں، وہ درودِ پاک بھی پڑھتے ہیں، ماہِ ربیع الاوّل کا چاند جہاں جہاں نظر آیا ہے، سب نے سلام بھیجا ہے کہ اے ماہِ ربیع الاوّل کے چاند، تجھ پہ لاکھوں کروڑوں سلام۔ لہٰذا وہ تو چھوڑ دیتے ہیں مگر بندے پیچھے پیچھے دوڑے پھرتے ہیں۔ بندے چھوڑتے ہی نہیں۔ سونے نہیں دیتے، بیٹھنے نہیں دیتے، اُٹھنے نہیں دیتے۔ اِس لیے کہ اُن کا

قبضہ اُنکی روح پر ہوتا ہے۔ پیار کا قبضہ، محبت کا قبضہ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں مواقع عطا فرمائے کہ ہم میلاد پاک منائیں۔

طارق صاحب نے مجھے بلا لیا ہے حالانکہ میں مقرر نہیں ہوں۔ میرا تو گلہ بھی تھک جاتا ہے اور میں اگر کوئی خدمت کر سکتا ہوں تو آپکے شہر کے نوجوان، بچے، اسکولز کا سسٹم بڑا پریشان ہے، فقط انگریزی کو معیار بنا کر، ایک زبان کو معیار بنا کر یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، میں معذرت سے عرض کرتا ہوں کہ اسکولوں کا ماحول اچھا نہیں ہے۔ بچوں کے پاس علم بھی ہو اور اُن کے کردار کی تعمیر بھی ہو۔ یاد رکھیں، اِس طرح انتظام ہو کہ نوجوان بچے، اسکول سے ہوں، کالج سے ہوں یا یونیورسٹی سے ہوں، اُن کا سیمینار کروایا جائے، مختلف میٹنگز کروائی جائیں، بیٹھ کر اُن سے بات چیت کی جائے۔ کرنٹ افیئرز پر بات چیت ہو۔ حالاتِ حاضرہ پر بات چیت ہو۔ کون سی تعلیم حاصل کرنی چاہیے، آج کل فنی تعلیم کا فقدان ہے۔ مختلف معاملات پر ایک ورکشاپ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اِس شہر میں بھی منعقد کرنے کا خیال ہے۔ حضرت کرماں والا شریف بھی منعقد کرنے کا خیال ہے اور اِسی طرح ملک کے دوسرے حصوں میں بھی۔ آج چونکہ سادہ گفتگو کرنا مقصود تھا، اِس لیے سادہ گفتگو کی ہے اور جب دقیق گفتگو کی ضرورت ہوئی تو وہ بھی کریں گے۔ اب صلوٰۃ وسلام اور اُس کے بعد پیر طارق محمود صاحب دعا کریں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے، آپ کو، ہم سب کو نبی کریم ﷺ کی غلامی میں زندہ رکھے، آپ کی غلامی میں موت نصیب فرمائے اور کل قیامت کے دن آپ ﷺ کی غلامی میں دوبارہ اُٹھائے۔ وما علینا الا البلاغ المبین

گذشتہ سال علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور کے قریبی علاقہ ''بھیکھے'' میں مرشد العصر، شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری دامت برکاتہم العالیہ نے انسانی نفسیات اور شعور، لاشعور وغیرہا کے متعلق جدید علوم کے ساتھ اسلامی دلائل و براہین سے مزین تابندہ و تابدار نکات کے موتی لُٹائے جن سے بیحد استفادہ حاصل کیا گیا۔ اُن نکات کے موتیوں کو احساس کم مائیگی کے ساتھ الفاظ میں پروتے ہوئے پیش کیا جا رہا ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْ نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ... الخ

میں نے پرانے خدام یا بیلیوں سے سُنا ہے کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب بھی جمعہ کا خطاب شروع کرتے تو اِسی آیۃ مبارکہ سے آغاز کرتے اور ایک طرح سے تہنیتی جملے ہوتے اُس کے بعد آپ مختلف ارشادات بیان فرماتے یا

حدیث پاک وغیرہ کو بہت ہی سادہ انداز سے بیان کر کے خطبہ ختم فرماتے اور اُس کا لوگوں کے دلوں پر اتنا گہرا اثر ہوتا کہ میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے احباب، خدام اور بیلیوں کو دیکھا ہے، اِس وقت بھی اسٹیج پر تشریف فرما ہیں کہ جو ایک مرتبہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں بیٹھ گیا وہ پھر کہیں اور نہیں گیا اور کہیں مطمئن نہیں ہوا۔

سادہ گفتگو کرنے سے آپ کی مراد یہ تھی کہ آپ لوگوں کی اصلاح فرماتے تھے۔ آپ فرماتے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، اگر کوئی اُنہیں گننا چاہیے، شمار کرنا چاہیے تو نہیں کر سکتا۔ اور اِس حوالے سے مختلف مثالیں دیتے اور پھر بعد میں فرماتے: تین نعمتیں سب سے بڑی نعمتیں ہیں جیسے ہوا نعمت ہے، پانی ہے، اولاد، مال، جان اور صحت ہے، حواس ہیں، ذہن ہے اور اِن سب چیزوں کا توازن بھی ہے۔ دیکھیں اگر گفتگو کا عدم توازن ہو جائے تو کوئی سُنتا نہیں۔ آپ فرماتے کہ تین نعمتیں بڑی ہیں:

۱۔ الاسلام ۲۔ والقرآن ۳۔ ومحمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

اسلام بہت بڑی نعمت ہے اور پھر آپ فرماتے کہ قرآن بہت بڑی نعمت ہے اور پھر آخر میں آپ فرماتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی سب سے بڑی نعمت ہے اور فرماتے کہ یہ نعمتِ عظمیٰ ہے۔ اگر سرکار کی ذاتِ گرامی ہمیں نہ ملتی تو قرآن سے تعارف نہ ہوتا اور اُس کا معنیٰ ومفہوم سمجھ میں نہ آتا اور اسلام کا بھی ہمیں پتہ نہ چلتا۔ کیونکہ حیوانوں کی طرف انسان زندگی بسر کر رہے تھے۔

اسلام پہ تھوڑی سی بات کریں گے اور اُس کے بعد گفتگو ختم کریں گے۔

کچھ دن پہلے میں کراچی گیا ہوا تھا تو وہاں قرآن پہ بات ہو رہی تھی اور اگر نعمت عظمی جو نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے، اگر اُس پہ بات شروع کر دیں تو زندگیاں ختم ہو جائیں گی لیکن اُس پر گفتگو کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ تو اسلام کے بارے میں کئی باتیں سننے میں آتی ہیں۔ پچھلے دنوں میں جب کراچی میں تھا تو حسب حال واقعہ بیان کرتا ہوں کہ قرآن پر گفتگو ہوئی اور جب اختتام ہوا تو مختلف طبقات کے لوگ میرے پاس آئے کچھ تجارت سے تعلق رکھنے والے اور کچھ دیگر شعبہ جات سے۔ جیسے کچھ ڈاکٹرز تھے اور کچھ محکمہ تعلیم سے نصاب کو ترتیب دینے والے لوگ تھے، جو طلباء کے لیے نصاب بنا رہے تھے، اُس پر گفتگو ہوئی اور کچھ محکمہ پولیس کے احباب بھی تھے یعنی ایس۔ایس۔پی صاحبان، ڈی۔ایس۔پی صاحبان اور ڈی۔آئی۔جی وغیرہ۔ ایک ایس۔ایس۔پی مجھے کہنے لگا کہ آپ آئیں اور ہمیں درس دیں ہم دیگر افسران کو بھی اکٹھا کر لیتے ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے! میں اُن کے پاس چلا گیا اور وہاں ایک ڈی۔آئی۔جی صاحب جو کراچی کے ایک بڑے حصے کی دیکھ بھال کرتے ہیں، وہ مجھے کہنے لگے: اسلامی طریقوں پر چلنے والے لوگ سخت ہوتے ہیں اور ذہنی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔

اِس بات کو سن کر مجھے بڑی سخت تکلیف ہوئی اور میں نے بڑے آرام سے جواب دیا کیونکہ سختی سے تبلیغ نہیں ہوتی، ہمارے مبلغ جب سختی کرتے ہیں تو اُس کے اثرات لوگوں کی نفسیات پر اچھے مرتب نہیں ہوتے۔ مبلغ کے لیے نرمی کرنا ضروری ہے۔ میں نے اُن سے کہا، وہ انتہا پسند نہیں ہوتے بلکہ بڑے نرم دل

ہوتے ہیں۔ پھر کہنے لگے، وہ جدت پسند نہیں ہوتے بلکہ پرانے خیالات کے لوگ ہوتے ہیں۔ میں نے کہا، ایسی بات بھی نہیں ہے۔ ہمارا مذہب بحمد اللہ، اتنا قدیم ہے کہ اِس کے اُصول وقوانین ابد سے ہیں اور اتنا جدید ہے کہ جدید سے جدید سائنس ٹیکنالوجی یا علم اِس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پھر وہ اِس سے آگے بڑھے حالانکہ پہلے اُنہوں نے کہا یہ نفسیاتی مریض ہوتے ہیں میں نے کہا، نفسیاتی مریض نہیں ہوتے، پھر کہا متشدد ہوتے ہیں، میں نے کہا، متشدد بھی نہیں ہوتے جو قرآن اور حدیث پاک کو سمجھتے ہیں یا اسلام کو سمجھتے ہیں وہ لوگ بڑے نرم مزاج کے ہوتے ہیں، شدت پسند نہیں ہوتے۔ تیسری بات کہنے لگے، کل میں نے ٹیلی ویژن پر ایک پروگرام دیکھا جس میں کچھ علماء تھے اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اگر آدمی حقوق العباد کا خیال کرے تو وہ جنت میں چلا جائے گا خواہ (معاذ اللہ، نقل کفر کفر نباشد) یہودی ہو، عیسائی ہو، ہندو ہو، بدھ مت ہو، کوئی بھی ہو۔

(دوران گفتگو آپ نے بعض شرکائے محفل کے سینے پر روضہ مبارک کی تصویر والا بیج دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہاں کچھ لوگوں نے روضہ مبارک کی شبیہہ لگائی ہوئی ہے یا تو وہ اِسے کہیں اوپر رکھیں یا اسٹیج پر تشریف لے آئیں کیونکہ اِن چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑا فرق پڑتا ہے، یہ آداب ہیں، نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں جتنا ادب کریں کم ہے)

اُس وقت میں نے کہا، جناب! اگر آپ نے قرآن پڑھا ہوتا حالانکہ آپ ایک علاقے کا نظام چلاتے ہیں، یہ ایک مسلمان ملک ہے جس کو بنایا ہی اِس لیے گیا تھا کہ جہاں اسلام پر عمل کیا جائے گا اور اسلامی قوانین ہوں گے، اگر آپ

نے قرآن کا کچھ حصہ پڑھا ہوتا، اُس کے معنی و معارف پر غور کیا ہوتا یا کچھ حصہ سُنا ہوتا تو آپ کو اِس بات کا علم ہوتا کہ کفار کے اچھے اعمال کا بدلہ یا جزاء دنیا پر مل جاتی ہے اور آخرت یا جنت میں فقط مسلمانوں کا حصہ ہے جو نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم پر ایمان لائے اور آپ کی اتباع کرتے ہوئے آپ کی سنتوں پر چلتے رہے۔ اب اِس پہ وہ میرے ہم خیال نہیں تھے اور اِس بات کی مجھے سخت تکلیف ہوئی کہ ایسا طبقہ ایک مسلمان ملک میں حکمرانی کے لیے ہم پر مسلط کیا گیا ہے جو اسلام اور قرآن اور حدیث پاک سے اتنا تعارف بھی نہیں رکھتا۔ پھر کچھ ڈاکٹرز آئے جن کا تعلق شعبہ نفسیات سے تھا اور وہ میرے پاس آ کر کہنے لگے کہ آپ کس طرح کہتے ہیں کہ ہمارا دین سب سے ماڈرن اور جدید ہے اور ہمارا دین سے زیادہ قابل عمل ہے اور اُس پر چلنے سے ہی فقط دنیا اور آخرت کی بہتری ہوتی ہے۔ دوسرے مذاہب یا قوانین میں دنیا کے فوائد بھی وقتی اور بہت ہی تھوڑے عرصے کے لیے ہوتے ہیں جبکہ دین اسلام پر چلنے سے دنیا میں بھی سربلندی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی سارے کام سنور جاتے ہیں اور قبر روشن ہو جاتی ہے۔ جب میں نے یہ بات کی تو وہ کہنے لگے، جناب! ہمارے پاس جب کوئی نفسیاتی مریض آتا ہے تو اُس کا علاج ہم ایلوپیتھی سے کرتے ہیں، اب اِس کا علاج آپ اسلام سے کس طرح بتاتے ہیں۔ میں نے کہا، ایک تو یہ ہے اگر کوئی آدمی نفسیاتی مریض ہے تو وہ کسی کے پاس چلا جائے، کسی ڈاکٹر یا ماہر نفسیات کے پاس جائے تو اسلام اُسے منع نہیں کرتا۔ ابھی شاید آپ اِن باتوں کو عجیب تصور کریں لیکن اگر بعد میں آپ اِس کی اشاعت کریں تو جو لوگ اپنے آپ کو جدید خیال کرتے ہیں اُنہیں اِس سے کچھ فائدہ ہو سکتا

ہے۔

میں نے اُن ڈاکٹرز سے کہا کہ آج آپ کے ساتھ اِسی موضوع پر بات کرتے ہیں۔ میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ انسان کے شعور کو دو حصوں میں بانٹا گیا ہے۔ 1۔شعور 2۔لاشعور

شعور اُس کو بولتے ہیں جو چیز ہمارے ذہن میں اِس وقت موجود ہے اور لاشعور وہ ہوتا ہے جو ذہن کے پچھلے حصے میں ہوتا ہے اور جب ہم سوتے ہیں، خواب آتے ہیں، جب ہم کسی کے ساتھ غصہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں، پتہ نہیں مجھے اِس شخص کی بات پر غصہ آیا لیکن پتہ نہیں کیا بات تھی میں گھبرا گیا یا مجھے غصہ آ گیا۔ جب کبھی آپ چلتے چلتے ڈر جاتے ہیں، جب کبھی رات میں سوتے ہوئے ڈر سے اُٹھ جاتے ہیں، جب کبھی یہ احساس ہوتا ہے کہ کچھ برا ہونے والا ہے۔ جب کبھی یہ احساس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی جان پر ظلم کرلیا، کچھ زیادہ بول گیا ہوں یا کچھ زیادہ بدتمیزی کسی کے ساتھ کر بیٹھا ہوں تو یہ سب چیزیں لاشعور سے تعلق رکھتی ہیں، جسے انگریزی میں Resentment یا Guilty بھی کہتے ہیں۔تو یہ سب چیزیں لاشعور سے تعلق رکھتی ہیں۔ شعور اور لاشعور کا لفظ تو آپ نے بہت سُنا ہے۔

اگر لاشعور میں اچھائی ہو تو شعور بیدار ہو جاتا ہے اور جب شعور بیدار ہوتا ہے تو آدمی اچھے کام کرنے لگتا ہے یعنی اخلاق کرتا ہے، خوش رہتا ہے، والدین سے حُسنِ سلوک کرتا ہے، پڑھتا ہے تو اُس کی توجہ اُسی طرف رہتی ہے جب کسی بچے کا پڑھتے ہوئے ذہن کہیں اور چلا جاتا ہے تو اُس وقت شعور پر لاشعور غالب آ جاتا ہے۔ Psychiatrist (سائیکاٹرسٹ۔ ماہرین نفسیات) اِس اصطلاح کو

''ڈیمنز'' کہتے ہیں اُس وقت شعور بندش والی صورتحال میں ہوتا ہے جیسے آپ نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ ہپناٹزم کرتے ہیں، لوگوں کو نیند میں لے جاتے ہیں۔اب آدمی کا شعور تو سورہا ہے مگر وہ بولتا ہے، اب وہ کوشش کرتے ہیں کہ اُس کے ذہن سے بُرے خیالات صاف کردیئے جائیں اور وہ لاشعور سے ختم کیے جاتے ہیں اور ہوتا یہ ہے کہ بچپن سے لے کر یعنی جب آدمی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اُسکا لاشعور اُسی وقت سے بیدار ہے لیکن شعور تب بیدار ہوتا ہے جب اُس کی خاص طور پر تربیت کی جائے اور اُسے اچھی پریکٹس ملے۔ اکثر لوگ کہتے ہیں ہے کہ Practice makes a man perfect (بار بار عمل سے آدمی درست ہو جاتا ہے) لیکن میں اِس طرح نہیں کہتا بلکہ جب مجھے کہیں بات کرنی پڑے تو کہتا ہوں Only prefect practice makes a man perfect (یعنی صرف اچھے عمل کے تکرار سے آدمی صحیح درستگی حاصل کرتا ہے) یعنی غلط پریکٹس آدمی کو غلط مقام تک لے جاتی ہے۔کوئی کھیل ہو، تعلیم ہو یا تربیت کا معاملہ ہو۔بہرحال شعور کے اوپر لاشعور کے اثرات ہوتے ہیں۔

چنانچہ بچپن میں اگر کوئی اچھا واقعہ ہوتا ہے تو لاشعور پر اُس کے مثبت اثرات ہوتے ہیں اور آدمی اچھے کام کرتے ہیں اور جب کوئی بُرا واقعہ ہوتا ہے تو بُرے اثرات ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور اُسکی ماں کو کسی نے گالی دے دی تو بچے کا لاشعور اُسے سنتا ہے۔

شاید آپ سوچتے ہوں یہ تو سائنسی گفتگو ہے مگر یہ عین اسلامی گفتگو ہے۔میں آپ کو بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ہمارا دین ایڈوانس اور ماڈرن ہے

مگر بے غیرت نہیں ہے۔ ماڈرن یا ایڈوانس ہونا اور بات ہے لیکن بے غیرتی نہ ہو۔ بہر حال بات ہو رہی تھی کہ لاشعور بُرے یا اچھے واقعات کی تصویر اپنے اندر سمو لیتا ہے جو اُس کے مرنے تک اُس کے ساتھ رہتی ہے۔ اب بہتر طریقہ یہ ہے کہ اچھی تصاویر کو شعور کے ساتھ لگا رہنے دیا جائے اور جو بُری تصاویر ہیں، اُنہیں لاشعور سے صاف کر دیا جائے اور اُس سے اثر انداز ہونے کی قوت بڑھے گی اور عام آدمی اچھے سے اچھے کام کرنے لگے گا، تعلیم میں اچھا ہو جائے گا، اخلاقیات میں اچھا ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر آپ اپنی ماں کے شکم میں ہیں اور کسی نے اُس کو گالی دے دی تو جب آپ بڑے ہوئے اور اب کسی نے کسی خاتون کو گالی دی تو آپ اُس کے ساتھ غصہ کرتے ہیں یا کبھی ایسا ہوا کہ بچپن میں جب آپ چھوٹے تھے تو کسی نے ٹوپی اُتار لی یا مارا پیٹا اور پھر بڑے ہونے کے بعد کسی نے کسی کی عینک اُتار لی اور اُسے پیٹا یا طعنہ والی بات کر دی۔ طعنہ دینا یعنی زبانی حملہ کرنا، جسمانی حملہ کرنے سے زیادہ بُرا ہے۔ جب ایسی صورت ہوتی ہے تو آپ نے دیکھا کہ بعض اوقات کسی کا چشمہ اُتار لیا جائے تو وہ خوامخواہ غصہ کرنے لگتا ہے اور پھر وہ کہتا ہے کہ مجھے پتہ نہیں چلا، اُس وقت میں نے کیا کیا، بس میں جھگڑا کرنے لگا۔ بعض اوقات آپ دیکھتے ہیں کوئی شخص کسی سے اُلجھتا ہے تو آپ غصہ میں آ جاتے ہیں، بعض اوقات دیکھتے ہیں کہ کسی نے کسی کو کندھے سے جھنجھوڑا یا آپ کو پکڑا تو آپ اُس کے ساتھ جھگڑا کرنے لگتے ہیں تو یہ وہ اثرات ہیں جو لاشعور کے شعور پر ہوتے ہیں۔ اب اگر یہ اثرات زیادہ ہو جائیں تو ہم کہتے ہیں کہ حالات نے اُس شخص کو

پاگل یا دیوانہ بنا دیا، پہلے تو بڑا اچھا تھا یا پھر کسی عورت پر ظلم ہوا، طعنہ زنی کی گئی یا کسی کو کاروبار وغیرہ میں خسارہ اُٹھانا پڑا، لوگوں نے لوٹ لیا تو وہ اپنے دماغ سے گیا۔ لہذا جب بُرے خاکے یا اثرات لاشعور پر بہت زیادہ ہو جائیں تو شعور بھی متاثر ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح جب عناصر کا اعتدال ایک خاص حد سے خراب ہو جاتا ہے تو اُس کیفیت کو پاگل پن یا دیوانگی کہا جاتا ہے۔ کیا آپ میری بات سمجھ رہے ہیں؟ آپ کہتے ہوں گے کہ بڑا خشک موضوع ہے، کوئی اشعار نہیں پڑھے لیکن میں جس نکتے کی طرف آپ کو لانا چاہ رہا ہوں وہاں آنا چاہتا ہوں۔

اب لوگ کیا کرتے ہیں کہ یہ بچہ پہلے تو ٹھیک تھا اب نالائق ہو گیا لہذا اِسے حکیم کے پاس لے چلو یا ڈاکٹر کو دکھاؤ یا ماہر نفسیات کے پاس لے چلو یا اِسے عامل بابے وغیرہ جو دکاندار ہیں اُن کے پاس لے چلو، کالے علم والے کے پاس لے جاؤ۔ اب میں آپ کو بتاؤں کہ جو عامل ہیں وہ بھی لوگوں کو ٹھگ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اِس پر کوئی عمل کیا گیا ہے جو حکیم ہے وہ اپنے مزاج کے مطابق علاج کرتے ہیں اور ڈاکٹر دو طرح کی ادویات استعمال کرواتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اگر موڈ زیادہ خراب ہو گیا، غصہ زیادہ آنے لگا تو اُسے ایسی دوا دی کہ جس سے وہ پُرسکون ہو جاتا ہے یعنی ڈپریشن زیادہ ہو گیا ہے، گھبرا گیا، کسی میں دلچسپی نہیں، ڈر گیا تو موڈ درست ہونے کی دوا دیتے ہیں تو شعور کی بیداری تو ہو جاتی ہے مگر لاشعور کی غلط تصویریں اور اثرات جو اُسے غلط سمت لے جا رہے ہیں وہ بھی بیدار ہو جاتے ہیں تو نتیجتاً اچھا نہیں ہوتا بلکہ وہ آدمی زیادہ خراب صورتحال سے دوچار ہو جاتا ہے۔ ایسا سُنا ہے ناں کہ جناب اِسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے لیکن یہ اور پاگل ہو

گیا ہے لہٰذا دوسری صورت میں نشہ آور ادویات ہیں جو حواس خمسہ کو کنٹرول کرتی ہیں اُن سے آدمی سونے لگتا ہے یا نیند میں چلا جاتا ہے۔ اب یہ دونوں صورتیں ٹھیک نہیں ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ شعور کو بیدار کیا جائے اور لاشعور سے غلط تصویریں یا اثرات کو ختم کر دیا جائے۔ اب ڈاکٹر اِس کے لیے مختلف قسم کی دیکھ بھال کرتے ہیں یعنی دوا دی اور جب دوا استعمال کرنا چھوڑ دی تو پھر کیفیت ویسی ہو گئی اور دوسری صورت میں الیکٹرک شاک دیے جاتے ہیں اور الیکٹرک شاک سے لاشعور کا ریکارڈ جو ایک ٹیپ ریکارڈر کی طرح ہوتا ہے جل کر ضائع ہو جاتا ہے لیکن اِس سے شعور بھی جل جاتا ہے اور آدمی نااہل ہو جاتا ہے اور کسی کام کا نہیں رہتا۔ اگرچہ وہ چیخ و پکار نہیں کرتا مگر وہ کوئی تعمیری کام بھی نہیں کر سکتا۔ اب تیسری صورت کیا ہے؟ ہپناٹزم ہے۔ یعنی آدمی کو سُلا دیا اور کوشش کی کہ لاشعور سے وہ بُرے اثرات ختم کر دیئے جائیں لیکن ایک گھنٹے یا دو گھنٹے کے ہپناٹزم میں وہ نہیں نکلتے اور دوسری بات یہ ہے کہ ہپناٹائز کرنے والا بھی ایک آدمی ہے، ڈاکٹر ہے وہ آپ کے لاشعور میں کوئی غلط بات بھی ڈال سکتا ہے یہاں تک کہ عام ذہن کے لوگوں کو کافر بھی کیا جا سکتا ہے۔ کیا آپ بات سمجھ رہے ہیں، اگر تھوڑی بہت سمجھ آ رہی ہے تو ٹھیک ہے۔ ؟ر اور کیا کرتے ہیں کہ انسولین (ایک دوائی جو شوگر کے مریض استعمال کرتے ہیں) شاک دیتے ہیں یعنی عام آدمی کو انسولین لگا دیتے ہیں اور اُس سے بھی دماغ مردہ ہو جاتا ہے چنانچہ انسولین لگانے سے لاشعور کے بُرے اثرات تو ختم ہو جاتے ہیں مگر ساتھ میں شعور بھی جاتا ہے اور آدمی دیوانگی کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور اب اس کا ایک مؤثر طریقہ جسے اب تک میڈیکل سائنس نے دریافت کیا ہے وہ

''آڈٹنگ'' ہے یعنی آدمی کی آنکھیں بند کروادی جائیں اور اُسے کہا جائے کہ اپنے دل کی بات سائیکلوجسٹ کو بتاؤ اور وہ دل کی بات بتاتا ہے کہ میرے ساتھ یہ ہوا وہ ہوا یا بچپن میں مجھ پر جسمانی یا ذہنی ظلم کیا گیا اور طریقے سے آڈیٹر کو بتایا جاتا ہے کہ کس طرح شعور کو نیند میں لیجا کر لاشعور کو بیدار کرنا ہے اِس کی ایک علیحدہ تربیت ہے اِس پر بھی میں نے بہت اچھی ریسرچ کی لیکن اگر یہ موضوع شروع کردوں تو آپ کہیں گے کہ یہ محفل میلاد نہیں یا کوئی اسلام کی وضاحت نہیں بلکہ نفسیات کا کوئی سلسلہ ہے۔ پچھلے دنوں میں فیصل آباد میں مینجمنٹ پر گفتگو کر رہا تھا تو بعد میں کچھ لوگ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ نے MBA کیا ہے یا آپ MBA کے طلباء کو پڑھاتے ہیں؟ میں نے کہا، ایسی بات نہیں ہے میں تو دین کا طالب علم ہوں اور اُس سے متعلقہ جو چیزیں ہیں اُنہیں بھی دیکھنا پڑتا ہے کیونکہ میں کہتا ہوں کہ ہمارے لوگ جو کہتے ہیں کہ سب بخشے جائیں گے، معاذ اللہ سرکار کو نہ ماننے والے بھی بخشے جائیں گے تو یہ موروثی مسلمان ہیں، نظریاتی مسلمان نہیں ہیں تو اِنہیں اسلام کی طرف ایسے مائل کرنا چاہیے جیسے کسی نئے مسلمان کو کرنا ہو کیونکہ وضو کا طریقہ نہیں آتا، وضو کے فرائض کا پتہ نہیں، نماز کے فرائض، واجبات اور سنتوں کا پتہ نہیں یعنی اِن چھوٹی چھوٹی چیزوں کا پتہ نہیں لہذا ہمیں یہ سکھانا ہے اور یہ ماڈرن یا جدید لوگ جو اپنے آپ کو سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پیر صاحب یا مولانا جو بیٹھے ہوئے ہیں یہ تو جاہل ہیں، اَن پڑھ ہیں اور مولانا جب تقریر فرما رہے ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ بھائی یہ جدید علوم والے جاہل ہیں۔ یہ دونوں چیزیں صحیح بھی ہیں اور غلط بھی۔ وہ عالم، دین کا عالم نہیں جو جدید علوم نہیں رکھتا اور کلچر یا

عام آدمی کو انتہائی گہرائی سے نہ سمجھتا ہو اور وہ آدمی بھی عالم نہیں جو جدید علوم تو جانتا ہو، سائنس، ٹیکنالوجی یا مینجمنٹ تو جانتا ہو، انگریزی کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ تو بول لیتا ہو لیکن قرآن اور سنت کو نہ مانے اور اُن کے طلباء کو اَن پڑھ یا جاہل کہتا ہو۔ صوفیاء میں یہ چیز بدرجہ اتم تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدام میں یہ چیز بدرجہ اتم تھی کہ جیسے دین کو جانتے تھے، اِسی طرح دنیا کے علوم اور سائنسز کو بھی سمجھتے تھے اور سمجھانا بھی جانتے تھے یعنی روّیے کے بھی ماہر تھے۔ روّیہ ہمیں نہیں آتا۔

بہرحال آڈٹنگ بھی ایک خاص فن ہے کہ کس طریقے سے سنا جائے، کس طریقے سے شعور کو وقتی طور پر بند کر دیا جائے یعنی آدمی جاگ بھی رہا ہو لیکن لاشعور سے باتیں آ رہی ہوں اِسے ''ریورازم'' کہتے ہیں۔ اِس کے لیے مختلف اصطلاحات ہیں۔ اب وہ اُس کے لاشعور کو ٹٹولتا ہے، جب آدمی اپنا دُکھ بتاتا ہے، ایک دفعہ بتاتا ہے پھر دوسری دفعہ بتاتا ہے اور تیسری دفعہ بتاتا ہے اور یہ انسانی نفسیات ہے کہ جب وہ اپنے مسئلے کو کسی ایسے کے سامنے بار بار بیان کرتا ہے اور اُسے پتہ ہو کہ اُس کی بات کہیں اور نہیں جائے گی تو اُس کی تکلیف کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اُس کے بعد وہ آڈیٹر اُس کے شعور کو جو ابھی صاف نہیں ہے اور اُس کے لاشعور پر دھبے ہیں، جب پُرسکون ہو جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اب منفی سوچ کو اپنے ذہن اور ضمیر سے جھٹک دے تو وہ آدمی جھٹک دیتا ہے اور اُس سے شعور بیدار ہو جاتا ہے اور لاشعور سے اگر بُرے دھبے مٹ جائیں تو شعور بیدار ہو جاتا ہے، اِس طرح صفائی ہو جاتی ہے، عبادت میں توجہ ملتی ہے، اِدھر اُدھر کے خیالات نہیں آتے، پڑھائی میں یادداشت تیز ہو جاتی ہے اور آپ زیادہ مؤثر ہو جاتے ہیں۔

لیکن عین ممکن ہے کہ آڈٹنگ کرنے والا آپ کی بات پانچ سو لوگوں سے جا کر کہہ دے اور آپ کے دل کے راز فاش کر دے اور شاید وہ اتنا کامل آڈیٹر نہ ہو جو آپ کے تمام مسائل کی جڑ تک جا سکے۔

میرا یہ ایمان اور وجدان ہے کہ تمام آڈیٹرز کو چھوڑ کر اپنے دُکھ نبی کریم ﷺ کے سامنے بیان کرنے چاہییں۔ وہ آپکے لاشعور کو صاف کر دیں گے اور آپ کے گناہوں کو معاف کروا سکتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ طاقت رکھتے ہیں کہ معاف کر دیں اور یہ مواقع آپ کو پانچ مرتبہ دن میں نماز کے وقت بھی ملتے ہیں اور درود شریف کے وقت بھی۔

آپ اپنے دُکھڑے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے بھی رو سکتے ہیں اور اپنے دل کی باتیں نبی کریم ﷺ کے سامنے بھی کر سکتے ہیں اور تب ایک آدمی کی توجہ مرکوز ہو جاتی ہے اور دیکھیں اللہ تبارک وتعالیٰ تو کہیں دور نہیں ہے وہ تو آدمی کی شہ رگ سے بھی قریب ہے اور نبی کریم ﷺ بھی دور نہیں ہیں، میرے آقا تو مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

یہ چھوٹی موٹی باتیں، ہمارے جذبات، کوئی چغلی یا غیبت کیا ہے؟ دیکھیں! ہمارے شاہ صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ اجماعِ ضدین محال ہے، میں بھی کہتا ہوں کہ دن کے ساتھ رات نہیں ہوتی، اچھائی کے ساتھ برائی نہیں ہوتی، نیکی کے ساتھ برائی نہیں ہوتی، پاکیزگی کے ساتھ غلاظت نہیں ہوتی اور یہ جو بُرے جذبات ہیں، یہ روحانی امراض ہیں۔ اِن کے ساتھ اچھائی نہیں ہوتی، اِن کو صاف کرنا ہوگا، دل کو پاک کرنا ہوگا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ گرامی شہ رگ کے

قریب محسوس ہونے لگے گی اور پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واقعی جانوں کے قریب ہیں۔

حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کچھ لوگ بزرگ بنتے ہیں، زہد وتقویٰ کے ساتھ اور کچھ درودِ پاک کی کثرت کے ساتھ اور نماز میں توجہ کے ساتھ۔ نماز کو کیا سمجھا ہے؟ یہ تو بہت زبردست موقع ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جا کر اپنے دُکھڑے روئے جائیں اور اپنے (ذہن پر ثبت) بُرے اثرات کو لاشعور سے مٹا دیا جائے اور ایک دفعہ، دو، تین، چار، پانچ دفعہ بتائے۔ انسان اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ بہت بڑا فرق ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُکتاتا نہیں ہے، اُس سے جتنی بھی عرض کی جائے، جتنا بھی اُس سے مانگا جائے وہ دینے پر بھی قادر ہے اور اُکتاتا بھی نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی بے پناہ طاقتوں سے دینے پر بھی قادر ہیں، عطا بھی فرماتے ہیں اور سرکار معاف بھی فرما دیتے ہیں تو کیوں نہ سرکار سے مانگا جائے اور کیوں نہ سرکار کا واسطہ دے کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگا جائے۔ جب ہم لوگوں سے مانگتے ہیں، لوگ اُکتا جاتے ہیں۔ سگا بھائی اُکتا جاتا ہے، باپ اُکتا جاتا ہے، ماں اُکتا جاتی ہے، بیٹے اُکتا جاتے ہیں لہٰذا اُن سے نہیں مانگنا چاہیے جو اُکتا جاتے ہوں، اُس اللہ تبارک و تعالیٰ سے مانگو جو اُکتاتا بھی نہیں ہے اور بے پناہ عطا فرماتا ہے اور آج ہم یہ تہیہ کریں کہ ہم لوگوں کو نماز پڑھنی چاہیے تا کہ ہم اپنے دُکھڑے اللہ تبارک وتعالیٰ جلشانہ کے سامنے روئیں اور ہم اپنے لاشعور کے دھبے مٹائیں۔ دیکھیں! توبہ کی قبولیت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ آدمی کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ میں پہلے بھی بتا چکا

ہوں کہ ہمارے گناہ ہیں، ہم میں سے اکثر و بیشتر نے اپنی جانوں پر الاماشاء اللہ بے پناہ ظلم کیے ہیں اور ہم نے اللہ تبارک و تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے اُصولوں کو توڑا لیکن خدا کی رحمت، نبی کریم ﷺ کے توسط اور وسیلے سے بلا رہی ہے کہ مانگو اور معافی مانگ لو، توبہ کے دروازے ابھی کُھلے ہیں۔

ہمیں توبہ کرنی چاہیے اور نماز پڑھنی چاہیے اور نماز میں ایک اُصول میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جب آپ سجدے میں جاتے ہیں تو سجدے میں یہ تصور بھی کرنا چاہیے کہ یا اللہ کریم! میں نے اپنا ایمان، اپنے بچوں کا ایمان تیرے سپرد کر دیا ہے تو اِس کی حفاظت فرما اور یہ تصور بھی کرنا چاہیے کہ میں نے اپنی اولاد اور عزتوں کو تیرے حوالے کر دیا ہے تو حفاظت فرما اور اُس کے بعد اپنی جان کو اور اپنے مالوں کو سپرد کرو۔ اِن کی کوئی حفاظت نہیں کر سکتا اگر کوئی کرتا ہے تو نبی کریم ﷺ اور آپ کے وسیلہ جلیلہ سے۔

اگر آڈٹنگ کرنی ہو تو کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے کی بجائے میرا گمان ہے کہ فجر سے پہلے اُٹھیں اور نبی کریم ﷺ کے حضور درودِ پاک پڑھیں اور اپنے دُکھڑے سرکار کو سُنائیں۔ انشاء اللہ ہمارے سرکار، اللہ تبارک و تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں سے مہربانی فرمائیں گے۔ قادرِ مطلق اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے لیکن احمد رضا خاں صاحب کا شعر ہے

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

خوب مانگنا چاہیے، خوب گفتگو کرنی چاہیے اور یہی طریقے ہمیں

درگاہوں سے ملتے ہیں۔ درگاہوں کے بارے میں لوگوں نے غلط تاثر لیا۔ بار بار یہ چیز میں آپ کو بتاؤں گا جب تک سب کے ذہن نشین نہیں ہو جاتی، دیکھیں! حی الصلوٰۃ اور حی الفلاح دن میں پانچ مرتبہ اِسی لیے کہا جاتا ہے کہ جب تک ذہن نشین نہیں ہوتا، تب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ نداء آتی رہے گی لہذا بار بار بتاؤں گا کہ درگاہوں پر جانے کا مطلب فقط ایک نہیں اور ابھی میں بھی آیا ہوں، (جائے محفل پر ایک بزرگ کا مزارِ اقدس موجود ہے) بزرگوں کی زیارت کی اور یہاں بیٹھ کر دعا مانگی۔ یہ ٹھیک ہے کہ مزارات پر جانا، حاضری دینا اور دعا کرنا بہت ہی مستحب ہے اور بہت ہی برکات والا کام ہے اور کچھ لوگ تو ایسے بھی گزرے ہیں کہ جن کی درگاہ کے آگے سے کوئی گزر جائے تو وہ اُس کو بخشوا سکتے ہیں جیسے حضور سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو میرے درس جامعہ نظامیہ کے آگے سے گزر جائے، عبدالقادر کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اُس کی شفاعت وبخشش کروا سکتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندوں کو بہت طاقتیں حاصل ہے لیکن اُن کا مقصد فقط یہ نہیں کہ آدمی آئے اور آ کر دعا کرے، حاضری دے اور چلا جائے۔ اُن کا مقصد یہ ہے کہ وہ شخص جسے ایک عام آدمی کہا جاتا ہے، وہ بچہ جس سے ٹھیک طرح چلا بھی نہیں جاتا، اُس کو ایسے مقام پر لے جائے کہ وہ تمام دنیا کے لوگوں کی امامت کرے اور ایسے امام میرے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا کیے۔ آپ صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھیں، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھیں۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیکھیں اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھیں،

عشرہ مبشرہ کو دیکھیں اور جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھیں۔ اُس کے بعد تابعین اور تبع تابعین کو دیکھیں اور پھر اولیائے متقدمین کو دیکھیں، اولیائے متاخرین کو دیکھیں اور پھر صوفیاء کی تعلیم بھی اِسی طرح ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر مثال دیتا ہوں جنھوں نے اپنے مرید خاص حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی اِس طرح تربیت فرمائی کہ ایک طرف آپ تھے اور دوسری طرف پورا ہندوستان تھا اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فتح سے نوازا۔ امام حسین پاک رضی اللہ عنہ کو دیکھیں، فاتح کربلا کو دیکھیں کہ آپ کے پاس نہ ہی کوئی طاقت تھی، ظاہری طور پہ نہ ہی اسباب تھے، نہ افواج تھی نہ پیسہ تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اُصولوں پہ چلے، اگرچہ آپ ایسی دعا رکھتے تھے کہ ایک دفعہ ہاتھ اُٹھا دیتے تو تمام موذیوں اور بدبختوں کا قلع قمع ہو سکتا تھا لیکن آپ نے یہ کر کے دکھایا کہ قرآن پہ کس طرح عمل کیا جاتا ہے، اسلام پہ کس طرح سے چلا جاتا ہے اور اگر اِن خطوط پہ چلا جائے تو کس طرح سے قلیل تعداد کثیر پر غلبہ کر سکتی ہے اور ظلم کی باگیں کس طرح سے کاٹ دی جاتی ہے اور اُس کی کونجیں کس طرح سے کاٹ دی جاتی ہے یہ سب آپ نے کر کے دکھایا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دینِ اکبری کا خاتمہ کر کے دکھایا اور اِس طرح سے اللہ والے چاہتے ہیں کہ ایک آدمی اس مقام پر پہنچ جائے کہ تمام لوگوں پہ حکمرانی کرے اور امامت کا سچا حقدار ہو جائے اور یہ بات علمائے سُو نے ہمیں نہیں بتائی بلکہ اُنہوں نے تو تفرقے ڈالے، اُنہوں نے تو لوگوں کو منتشر کیا لیکن جو علمائے ربانی تھے، اللہ کے ولی تھے، اُنہوں نے کوششیں کیں۔

دیکھیں! آج کل مؤثر شخصیت بننے کا مواد یہود اور نصاریٰ دے رہے ہیں۔ ستر اسی لاکھ کے قریب دنیا میں یہودی ہیں اور پوری دنیا کی معیشت پر حکمرانی کر رہے ہیں جبکہ میں پہلے بھی یہ بتا چکا ہوں کہ یہودی اگر غیر یہودی عورت سے شادی کرے تو بچہ یہودی نہیں ہوتا۔ اگر یہودی عورت غیر یہودی مرد سے شادی کرے تو بچہ یہودی نہیں ہوتا، اگر کوئی دوسرے مذہب والا یہودی بننا چاہے تو یہودی مذہب اُسے قبول نہیں کرتا جس طرح کی دقتیں اُس مذہب میں ہیں اور ستر اسی لاکھ کے قریب اُن کی تعداد ہے اِس کے باوجود وہ تمام لوگوں کو اور اُن کی معیشت کو چلا رہے ہیں اور مسلمانوں سے مسلمانوں کو مروا رہے ہیں۔ آپ افغانستان کے حالات دیکھ لیں، آپ عراق کے حالات دیکھ لیں، آپ کویت کے حالات دیکھ لیں، آپ ایران کے حالات دیکھ لیں اور پاکستان ......اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے تو صورتحال ایسی ہے کہ جو قلیل ہیں جن کے پاس علوم بھی قرآن جیسے نہیں، جن کے علم پست ہیں۔ جن کی ٹیکنالوجی بھی اُن کی ذہنی اختراع اور غلط ہے جن کے بُرے خیالات ہیں۔ اُس کی وجہ سے ہی اُنکی ٹیکنالوجی ہے اور ایک بُرا ذہن ہے جو ضمیر کو اُکھاڑ کے ایٹم بم بنا سکتا ہے تو وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہیں جن کو علم ظاہری اور علم لدنی حاصل ہے وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے اور سوا ڈیڑھ ارب کے قریب آپ لوگ ہیں، پوری دنیا میں سب کو دعوتِ عام ہے کوئی کلمہ پڑھ لے، ہم نے کراچی میں لوگوں کو کلمہ پڑھایا ہے، مسلمان کیا ہے، وہ آپ کا بھائی ہے، وہ آپ میں شامل ہے۔ اُس میں اور آپ میں کوئی فرق نہیں، خواہ وہ عجمی ہو، عربی ہو، کالا ہو یا گورا ہو، غریب ہو، امیر ہو۔ اگر آپ خود تعصب رکھتے ہیں تو

دین کہتا ہے کہ آپ غلط کر رہے ہیں لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود، یہ اختیار ہونے کے باوجود، یہ علم ہونے کے باوجود ہم دنیا میں پست صرف اِس لیے ہیں کہ ہم قرآن کو سمجھتے نہیں ہیں اور اسلام کو سمجھتے نہیں ہیں۔ قرآن پڑھنا اِتنا ضروری نہیں ہے جتنا قرآن پہ عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ حافظِ قرآن کی بڑی فضیلت ہے۔ لیکن جو قرآن پہ عمل کرنے والا ہے اُس کی تو کیا ہی بات ہے۔ قرآن پہ عمل کرنا صرف اُن لوگوں کا کام نہیں ہے جو اسٹیج پر بیٹھیں یا جو لوگ سبز عمامے باندھے بیٹھے ہیں، قرآن پر آپ سب لوگوں کو عمل کرنا چاہیے۔ قرآن نبی کریم ﷺ پر اُترا لیکن تمام اُمتِ مسلمہ کے لیے اُترا ہے۔ خدارا اِسے پڑھیے، اپنے بچوں کو پڑھایئے اور عربی زبان میں اگر سمجھ نہیں آتا تو ہم عربی نہیں ہیں، یہ خیال تو ہر ایک کے لیے کافی ہے لیکن اب اِس کے اُردو ترجمے آچکے ہیں، تفسیریں آچکی ہیں اور اللہ والے اور درگاہیں موجود ہیں جو چاہتے ہیں کہ ایک آدمی کو اشرف المخلوقات کے مقام پر لے جایا جائے اگر ستر یا اسی لاکھ مشرک اور کافر پوری دنیا پر حکومت کر سکتے ہیں تو کیا سوا یا ڈیڑھ ارب مسلمان نہیں کر سکتے؟

آستانوں کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں عجیب خیال پیدا کیا گیا کہ اللہ والے تو چلے گئے کچھ لوگ باجا گاجا کرنے لگے، کوئی سیاست میں چلا گیا، کسی نے جہازوں میں سفر کیا، کسی نے کچھ کیا، کسی نے کچھ کیا تو لوگ صوفیاء کے خلاف ہو گئے حالانکہ اِس خطے میں دین صوفیاء نے پھیلایا۔ یاد رکھیں کہ اِس خطے میں اللہ کا کوئی نبی نہیں آیا بلکہ یہاں احناف کے بزرگ آئے اور اُنہوں نے پہلے تو لوگوں کو قریب کیا، خوشخبری دی پھر جب وہ قریب ہو گئے تو اُن کا تزکیہ کیا، اُن کو

ڈرایا جیسے قرآن میں ہے کہ قرآن خوشخبری بھی دیتا ہے اور ڈراتا بھی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اچھے کاموں کی طرف بلاؤ اور برے کاموں سے روکو اور جہاں جنت کی حلاوتیں ہیں وہاں دوزخ کی ہولناکیاں بھی ہیں۔ جب آدمی اُس مقام تک پہنچ جاتا ہے تو اُس کا اپنا کچھ نہیں رہتا بلکہ اُسکی نظر میں فقط اُس کا شیخ ہوتا ہے۔ اُس کی مَیں ختم ہو جاتی ہے، فقط تُو رہ جاتی ہے۔ پھر اُس کی شخصیت کو تبدیل کر دیا جاتا ہے اور وہ ایک عام آدمی سے عظیم انسان بن جاتا ہے اور بچوں کے لیے سپر مین بن جاتا ہے۔ اب وہ اُسے ریلیز کر دیتے ہیں، چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم جا کر اجمیر شریف میں بیٹھ جاؤ، تم جا کر پاکپتن شریف بیٹھ جاؤ اور تم جا کر لاہور میں بیٹھ جاؤ اور لوگوں کو ہدایت کی تلقین کرو۔ نہ صرف کہ وہ دنیا میں ہدایت کا کام کرتا ہے بلکہ دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ہدایت کے سرچشمے چلتے رہتے ہیں۔ اگر مسند پہ کوئی اچھا آدمی بیٹھا ہے تو ہدایت وہ دے رہا ہے اگر مسند پہ کوئی نہیں ہے تو قبر انور سے بھی ہدایت دیتا ہے۔

صرف دل کو صاف کر کے صوفیاء کے پاس حاضر ہونا چاہیے اور اسلام کو خدارا قدیم، سخت، متشدد اور تنگ نظر مذہب نہ سمجھا جائے۔ یہ اسلام کے ساتھ بغاوت ہے، یہ کفر ہے اور یہ نص کے ساتھ اختلاف ہے۔ اسلام بہت قابلِ نافذ العمل اور قابلِ عمل دین ہے۔ اب اور میں کیا بات کروں، گل و بلبل کی بات ہو سکتی تھی، اِس پر اعلیٰ اعلیٰ اشعار ہو سکتے تھے لیکن آج میں نے جو نفسیاتی مسئلہ بیان کیا، مجھے اِس بات کا اندازہ ہے کہ یہ موضوع خشک ہے لیکن اگر کسی کو حالات کی وجہ سے نفسیاتی امراض لاحق ہیں اور میں دیکھتا ہوں لوگوں کی سوچ حقیقت پسندانہ نہیں

رہی بلکہ لاشعور کی ہولنا کیوں کی وجہ سے، ذہن کے بُرے نقوش اور تصاویر کی وجہ سے وہ منفی سوچ رکھنے لگے ہیں اور اُنہوں نے دماغ کی تصویر منفی بنالی تو اُن کے کام بھی منفی ہوتے ہیں۔ لہذا اِس کو ہٹا دیں اور اگر اِن کو ہٹانا ہے تو اِس کا ایک طریقہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور نماز پڑھیں اور درودِ پاک کی کثرت کریں۔

اچھا دیکھیں! ایک اور طریقہ جو سائیکاٹرسٹ استعمال کرتے ہیں کہ وہ پوچھتے ہیں بتاؤ ہمیشہ ذہنی دباؤ میں رہتے ہو؟ وہ کہتا ہے، جی۔ کبھی ٹھیک بھی ہوتے ہو؟ وہ کہتا ہے، جی کبھی کبھی موڈ ٹھیک ہوتا ہے۔ پوچھتے ہیں جب ٹھیک ہوتے ہو تو کن چیزوں میں دل لگتا ہے؟ وہ کہتا ہے کھیل کود میں، ماں باپ کی خوشی سے، اخلاق کرنے سے اور یہ بدھ مت والے کہتے ہیں کہ مراقبے کرو، یوگا کرو۔ آپ کو پتہ ہے یوگا کیا ہے؟ یہ ہندو اِزم اور بدھ اِزم کی مشترکہ عبادات سے مرتب کی گئی ہے اور ہمارے مسلمان بھی یوگا کر رہے ہیں۔ کتنا اچھا ہو کہ یوگا کو چھوڑ کر نماز پڑھیں، نوافل پڑھیں، قرآن پاک کی تلاوت سمجھ سمجھ کر کریں۔ دیکھیں! قرآن کی تلاوت کا فائدہ کم ہوگا اگر اُسے سمجھ کر نہ پڑھیں لہذا قرآن کو سمجھ کر پڑھیں اور پھر کوشش کریں کہ ہم اِس عہد کو جو اللہ کے ساتھ کیا ہے اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھالیں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ آپکی آخرت بہترین ہو جائے گی۔ یہ آخرت اور موت کے بارے میں آپ کافی گفتگو مجھ سے سن چکے ہیں۔

ذاتِ محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق رکھنے والی گفتگو اگر شروع کی جائے تو تمام دنیا کے علماء اکٹھے ہو جائیں، تمام اللہ کے ولی اکٹھے ہو جائیں اور اگر سرکار کی

شان سمندر کے برابر ہو تو ایک قطرے کے سوویں حصے کے برابر بھی بیان نہیں کر سکتے۔ وہ ایک بہت بڑا مضمون ہے۔ ہم تو اِس لیے کرتے ہیں کہ یہ کاوش ہم نے کر دی اب مہربانی اللہ تبارک وتعالیٰ فرما دے۔

گذشتہ دنوں میں کراچی گیا ہوا تھا۔ کراچی کے لوگ بہت بڑ بولے ہیں۔ لاہور والے تو کسی کے جانے کے بعد بات کرتے ہیں مگر کراچی والے منہ پر بات کر دیتے ہیں۔ میں نے وہاں بھی داڑھی کے بارے میں کہا؛ جسے میں کہتا ہوں ''نیورو ایسوسی ایٹو کنڈیشننگ'' ایک بات ضرور کہوں گا، آپ کو شاید اچھی نہ لگے۔ ہم داڑھی کیوں رکھتے ہیں یا جن لوگوں نے داڑھیاں رکھی ہیں کیوں رکھتے ہیں؟ نوجوان نسل داڑھی سے برگشتہ ہے اِس لیے کہ داڑھی والے سختی کرتے ہیں۔ اِس لیے وہ کہتے ہیں کہ اِسکے سخت روّیے کی وجہ سے اِسکے ساتھ بات ہی نہ کرو۔ مولوی آدمی ہے تو چھوڑو جی! مولوی صاحب آپ یہاں سے جائیں آپ کے سننے کی بات نہیں ہے۔ پھر دو تین باتیں جو تنہائی میں کرتے ہیں بالکل بیکار ہوتی ہیں جن کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی مہربانی ہو جائے تو ایسے گناہ معاف بھی ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ کی رحمت کے آگے گناہ بہت کمزور ہیں۔ جتنے بھی گناہ کر لو جب اُس کی رحمت جولانی پر آ جاتی ہے تو سب گناہ ختم کر دیتا ہے۔ جو آپ بڑے بڑے سمجھتے ہیں وہ اللہ کی رحمت کے آگے کچھ نہیں۔ جیسے محبت کے سامنے نفرت کچھ نہیں۔ جیسے عجز کے سامنے تکبر کچھ نہیں۔ خوشامد کرنیوالا نہ ہو مگر آدمی متکبر کے سامنے عاجز ہو جائے وہ عاجز ہو جاتا ہے۔ میری بھی عادت تھی کہ متکبر کو تھپڑ لگاتا تھا اب میں نے سوچ بدل لی ہے، یہ تو ایک مرض ہے، نفسیاتی

مرض ہے اگر سختی کے ساتھ پیش آئیں گے تو مرض بڑھ جائے گا۔ لہذا نرمی کے ساتھ مرض کو دور کرنا ہے۔ عام طور پر آپ لوگوں کا ردِ عمل بھی ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی متکبر آپ کو مل جاتا ہے تو آپ غصے سے بات کرتے ہیں مگر اُس کی خوشامد بھی نہ کریں، اُس کے غلط خیال پر ہاں میں ہاں نہ ملائیں بلکہ کوشش کریں کہ پیار سے اُس کو توڑ دیں، محبت اور اخلاص سے تکبر ختم ہو جاتا ہے کیونکہ کمزور ہوتا ہے۔

داڑھی منڈوانے کی ایک دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری بہنیں کہتی ہیں کہ داڑھی والے سے تو ہم شادی نہیں کریں گی۔ دراصل یہ داڑھی سے اختلاف نہیں، اختلاف داڑھی والے کے ایسے نظریات سے ہوتا ہے کہ جو کہتے ہیں کرتے نہیں اور دین کو سخت پیش کرتے ہیں۔ ایسی چیز بنا کر پیش کرتے ہیں تاکہ اسٹیج پر فقط وہی بیٹھیں اور کوئی نہ آئے حالانکہ دین تو بہت آسان ہے۔ اگر داڑھی کے ساتھ لباس اچھا نہیں ہے تو کپڑے اچھے ہونے چاہییں، اعلیٰ لباس پہننا چاہیے۔ داڑھی والے لوگ خوشبو بہت لگاتے ہیں، سرکار ﷺ کی سنت ہے لیکن ایسی نہیں ہے کہ لوگ دوڑ جائیں۔ علماء کی خوشبو سونگھیں تو ساتھ کھڑے نہیں ہو سکتے حالانکہ آج کل بہت اعلیٰ خوشبوئیں بازار سے مل جاتی ہیں۔ داڑھی منڈوانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہم خوبصورت نظر آئیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جناب! داڑھی ہم نے رکھی کیوں ہے؟ داڑھی اِس لیے رکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رکھی ہے اور آپ نے اِس کو پسند فرمایا ہے۔ اگر یہاں کوئی کافر و مشرک ہوتا تو میں اُسے عقلی دلیل دیتا مگر آپ لوگوں کو اِس مسئلے پہ کم از کم ایسی دلیل کی ضرورت نہیں جبکہ آپ درگاہ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ سچ بتائیں سب سے خوبصورت چہرہ کس کا

ہے؟ اگر کسی کو میری بات سے اختلاف ہے تو بتائیں۔ اگر سب سے خوبصورت اور حسین چہرہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے تو اِس کا مطلب ہے کہ نقص داڑھی میں نہیں ہے۔ ذرا اِس بات کو ذہن میں رکھیں اور داڑھی والوں سے التماس ہے کہ لباس اچھا پہنیں، خوشبو اچھی لگائیں، نرم رویہ اختیار کریں کیونکہ دین نرم روی سے پھیلتا ہے، سختی سے تو نہیں پھیلتا۔

مبلغ کا رویہ نرم ہو جائے تو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ تبلیغ کا مقصود اگر فقط نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی ہو، آپ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دینا ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ تمام مبلغین سے میں کہتا ہوں کہ آپ کی تبلیغ کامیاب ہو گی۔ یہی چند باتیں مجھے کرنی تھیں۔ دال روٹی تو مل ہی جاتی ہے اور دال روٹی اِس سے نہیں چلتی کہ یہاں آ کر خطابات کیے جائیں، پیسے کے لیے تو میں یہاں آیا نہیں، خوشامد آپ کی مجھے چاہیے نہیں کیونکہ نہ ہی مجھے اِس کا کوئی فائدہ ہے، نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ دنیا میں اس سے تکبر آ سکتا ہے اور آخرت میں آخرت خراب ہو سکتی ہے۔ رضامندی اللہ تبارک وتعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہیے تو مجھے یہاں آنے پر آپ کچھ تو معاوضہ دیں کہ آج میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ کچھ تو مجھے چاہیے! بڑی زبردست زندگی گذاری میں نے بڑے اچھے اسکولز میں تعلیم حاصل کی۔ پاکستان اور باہر اچھے مقامات پر بھی رہا مگر اب یہاں گرمی میں بیٹھا ہوں تو مجھے کچھ معاوضہ تو چاہیے ناں! کچھ تو میرے ساتھ وعدہ کریں کہ داڑھی رکھیں گے اور نماز کو قائم کریں گے دوسرا اگر یہ نہیں کر سکتے تو یہی کر لیں کہ زندگی کے کسی حصے میں داڑھی رکھیں گے اور یہ بھی نہیں تو پھر یہی سوچ لیں کہ جب کسی داڑھی والے کو طعنہ

دیتے ہیں، (داڑھی والے کے ساتھ) کئی لوگ بات نہیں کرتے، گفتگو نہیں کرتے کیونکہ داڑھی والے کے سر پر عمامہ ہے۔ کسی کے بھی خیالات سے نفرت ہوسکتی ہے یا ناپسندیدگی ہوسکتی ہے مگر نفرت کرنی چاہیے کسی کے اعمال سے لیکن کسی انسان یا شخص سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ ایک بہت بڑا اُصول ہے، گفتگو کا سلیقہ بھی اور مینجمنٹ کا بھی کہ مسئلے یا غلطی کے ساتھ سخت ہو جائیں مگر شخصیت کے ساتھ نرمی کریں۔ اگر آپ دونوں کو اکٹھا کریں گے تو کسی انسان کو بددل کریں گے اور جب کسی انسان کو بددل کریں گے تو وہ کبھی صحیح راستے پر نہیں آئے گا۔ اِسی لیے میں کہتا ہوں کہ انسان کو قابو نہ کرو یہ ایسی چیز نہیں ہے، اِسے بتایا جا سکتا ہے یا سمجھایا جا سکتا ہے۔ اِس کی تخلیق بڑی عجیب ہے۔ پانی، مٹی، آگ، ہوا۔ چاروں کے مجموعہ سے بنا ہے۔ اِسی لیے انسان کو راہ دکھائی جا سکتی ہے جو نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہے اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچتی ہے اور سرکار کے بغیر اللہ تبارک وتعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے۔ پکی بات ہے مگر اِس پر گفتگو شروع کر دوں تو رات گزر جائے گی، میں بھی تھک جاؤں گا اور آپ اُکتا جائیں گے اِس پر پھر کبھی گفتگو کریں گے اور میں اکثر کہا کرتا ہوں مجھے کوئی موضوع دیا کریں۔ آج مجھے کوئی موضوع نہیں دیا گیا، اِس لیے مجھے نفسیات کے متعلق یہ خشک موضوع بیان کرنا پڑا۔ مختلف موضوعات ہیں، کاروبار کیسے کریں؟ کاروبار میں اگر اسلامی اُصول ہوں تو کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اخلاقیات، فیملی لائف، بیلنس جس کا ہونا بڑا ضروری ہے۔ بہترین کاروبار ہونا چاہیے، پیدائش اچھی ہونی چاہیے، بہترین معاملات بہن بھائیوں کے ساتھ، بیوی بچوں کے ساتھ اور پھر سوشل جسے یاری دوستی کہتے ہیں وہ

بھی اچھی ہونی چاہیے مگر ہم غیر متوازن ہیں۔ تربیت بھی اچھی ہونی چاہیے، نئی اور جدید پیداوار ہونی چاہیے اور ایک بات یہ بھی کہ موت بھی اچھی ہونی چاہیے۔ موت کی منصوبہ سازی آپ نہیں کرتے۔ موت شاندار ہونی چاہیے۔ دیکھیں! موت ضرور آئے گی جب پیدائش ہوئی موت تو ضرور آئے گی اِس میں دو آراء ہے ہی نہیں۔ اُس کی منصوبہ سازی کرنی چاہیے، کیا آپ کو شاندار موت نہیں چاہیے، اچھی موت نہیں چاہیے تو اُس کی منصوبہ سازی کہاں سے ہوگی؟ اُس سے ہوگی جس کی موت اچھی ہوئی، جس کی موت شاندار ہوئی، جس کی موت پر ناقے نہیں بجتے بلکہ اعراس کی محافل ہوتی ہیں اور جن کی موت پر قمقمے جلائے جاتے ہیں۔ اُن سے سیکھنا پڑے گا، اُن کے خدام سے سیکھنا پڑے گا۔ ایسی خانقاہوں پر نہ جائیں جہاں ڈھول ڈھمکا ہو اور اُسکے بعد گھر جا کر سو جائیں یا چرس پئیں یا بھنگ پئیں۔ اِس طرح کی بیماریاں بعض درگاہوں پر ہوتی ہیں لیکن اہل اللہ اور صاحبِ مزار کو بہت گراں گزرتی ہیں لہذا تصوف والوں کے پاس آ کر تصوف سیکھنا چاہیے جو کہ طریقت کی روح ہے اور اِس سے آپ کی دنیا بہتر ہو جائے گی، آپکے معاشی حالات بہتر ہو جائیں گے۔ کبھی فنانس پر بھی گفتگو کریں، سود کیوں برا ہے کبھی اِس پر گفتگو کریں۔ مینجمنٹ پر گفتگو کریں، سائنس اور ٹیکنالوجی حاصل کرنی چاہیے بالکل جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ کا حکم ہے کہ علم حاصل کرو۔ بدر کے قیدیوں کے لیے سرکار نے تخفیف رکھی جو مسلمانوں کے بچوں کو ہنر سکھاتے تھے چنانچہ ٹیکنالوجی اور ٹیکنکل ایجوکیشن بالکل دین ہے قطعی دین ہے اور اگر سمجھا جائے کہ اِس کو دین سے جدا کریں تو حماقت ہے۔

سیاست اگر با اُصول ہو تو بالکل ٹھیک ہے۔ سیاست دو تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک سیاست لوگوں کی آراء پہ ہوتی ہے۔ اُس پر گفتگو میں کر چکا ہوں۔ اس میں سوشلزم، کیمونزم وغیرہ۔ ایک سیاست نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے، اِسے میں کہتا ہوں با اُصول سیاست۔ بالکل جائز ہے اور تیسری سیاست ہے فقط طاقت کے حصول کے لیے تا کہ خود کو مراعات دی جائیں، اپنے احباب کو مراعات دی جائیں اور جو مخالفین ہیں اُن کو اذیت دی جائیں اور اِس طرح کی سیاست پاکستان میں ہو رہی ہے۔ اِسی لیے ڈیموکریٹک گورنمنٹ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وقت میں بنی۔ تمام لوگوں اور صحابہ کی آراء پر آپ کو خلیفہء بلافصل، خلیفۃ المومنین چنا گیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بنی پھر آپ کی مجلس شوریٰ یعنی سینیٹرز کی وجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حکومت بنی۔ دین اور دنیا الگ نہیں، ویرانوں میں بھوکے رہنا، یہودی اور عیسائیوں کا طریقہ ہے، ہندوؤں اور بدھ مت کا طریقہ ہے۔ اسلامی اُصولوں پر دو چیزیں ہیں، معیشت ساتھ چلے گی، سیاست ساتھ چلے گی، اخلاقیات ساتھ چلیں گے، کاروبار ساتھ چلیں گے اور کاروبار میں بہت آگے جانا چاہیے ہم لوگوں کو۔ چند سالوں میں عرب کی ریگستانی زمین میں جہاں کچھ اُگتا نہیں تھا، جہاں وسائل نہیں تھے، جہاں لوگ پیسے والے نہیں تھے، ایسا معاشی نظام میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیا کہ جب لوگ اُس کے مطابق چلے تو یمن اور شام میں زکوٰۃ دے دی جاتی تھی مگر حجازِ مقدس میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ اُس کو زکوٰۃ دی جائے۔ فوج، جنگ، تعلیم، ارتکازِ توجہ، سیکھنے میں تیزی، سکھانے میں تیزی۔ اسلام میں کتنا کچھ ہے، سب کچھ ہے۔ ایک بات یاد رکھیں کہ اسلام جدید مذہب

ہے۔ماڈرن دین ہے۔

ہمیں یہ چیزیں کہاں سے ملتی ہیں؟ اگر یہ چیزیں سیکھنا چاہتے ہیں تو کیا ایسے مولوی سے سیکھیں گے جس میں قوتِ برداشت ہی نہیں، ہمارے پاس بھی ایک مولوی صاحب آ گئے، تقریر کے لیے ۱۵ منٹ کا وقت تھا جب وقت ختم ہوا تو لڑنے لگے، یہ طریقہ نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریقہ تو یہ ہے کہ کوڑا پھینکنے والی جب کوڑا پھینک، پھینک کر تھک کے بیمار ہو گئی تو اُس کی تیمارداری کرنے گھر تشریف لے گئے اور وہ لوگ جو پشتِ مبارک پر اوجڑی رکھ دیتے، اُن کو بھی سرکار نے معاف کر دیا۔کوشش کریں کہ نماز پڑھا کریں۔شیطان بہکا دیتا ہے، فجر کے وقت اُٹھنے میں حائل ہوتا ہے، ہم کہتے ہیں انشاءاللہ شروع کریں گے لیکن پتہ نہیں کب؟ کون سے وقت میں موت آ جائے اور کون سی نماز آپ کی شفاعت کا باعث بن جائے۔تین چیزوں میں جلدی کرنی چاہیے: اذان ہو تو نماز پڑھنے میں، بچہ بچی جوان ہو تو شادی کرنے میں اور اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اللہ تبارک وتعالیٰ سے توبہ کرنے میں۔

توبہ کرنے سے آپ چھوٹے نہیں ہو جاتے۔ایک سجدہ کر لیں، ہر کسی کو سجدہ کرنے سے بچ جائیں گے۔اقبال نے بہت خوبصورت کہا ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

دیکھیں ہم سب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلام ہیں، کوئی شک نہیں لیکن کچھ تو سرکار کی غلامی کا ثبوت دینا چاہیے۔وہ غلام نہیں جو کہنا نہ مانے جو کہنا مانتا ہو

وہی غلام ہوتا ہے۔ آقا کا کہنا ماننا ضروری ہوتا ہے۔

اللہ والوں کا طریقہ یہ تھا کہ عام آدمی کو اللہ سے ملا دیتے ہیں۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ سے نسبت اور تعلق ہو جاتا ہے تو پھر کون سی مصیبت آ کر گھیرے گی، کوئی مصیبت فاتح ہو گی یا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات؟ یا کوئی پریشانی غلبہ ڈال سکتی ہے یا کوئی مخالفت کر سکتا ہے؟ اس کا طریقہ یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی کی جائے۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے مسائل کی طرف دھیان نہ دیں۔ یہ جو معاملات ہیں، روٹی، روزی کا۔ دیکھیں! اِس کے متعلق تو جانور بھی پریشان نہیں ہوتا۔ روٹی روزی کا جو مسئلہ ہے اِس کے بارے میں صبح اُٹھنے والا جانور جس کے پاس کوئی غلہ سٹور نہیں، کوئی اثاثہ نہیں وہ بھی گھبراتا نہیں ہے۔ انسان اتنا بلند و بالا ہو کر چھوٹے چھوٹے مسائل کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے۔ دراصل ہم نام تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لیتے ہیں مگر ہم عمل نہیں کرتے اور اُس راہ پر چلتے نہیں ہیں۔ اور سرکار کے خدام دیکھیں، حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لوگوں نے بتایا کہ جو آپ فرما دیتے، ویسے ہو جاتا۔ کسی نے اِس پر کچھ گمان کیا تو فرمانے لگے، دیکھو! یہ تو شعبدے ہیں، کمال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنتوں پر چلنا اور لوگوں کو چلانا۔ لوگ ابھی تک موروثی مسلمان ہیں، نظریاتی نہیں ہوئے۔ اگر نظریاتی ہو گئے تو پھر کوئی چیز آپ کو متاثر نہیں کر سکے گی، کوئی دوسرا علم، کوئی عقلی دلیل نہیں چاہیے ہو گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم اور آپکے غلاموں کا حکم ہی کافی ہو گا۔ دعا کے دو طریقے ہوتے ہیں، اکثر لوگ لمبی دعا مانگتے ہیں، کچھ لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ یہاں دعا خاموشی سے ہو گی۔

بہر حال یہاں تو خاکہ ہی بیان کیا جا سکتا ہے۔ تربیت کے لیے بہت زیادہ میٹنگز کی ضرورت ہے۔ ایک میٹنگ میں تو کچھ حاصل نہیں ہوتا لہذا ایک لمبی میٹنگ ہو اور پھر آپ دیکھیں گے کہ دین پر چلنا کتنا بہترین ہے اور جب دین کا شوق ہو جاتا ہے تو سب حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں اور کوئی حاجت ہی نہیں رہتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم کی غلامی میں رکھے، آپ کی غلامی میں موت نصیب کرے اور کل قیامت والے دن میرے آقا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم کی غلامی میں اُٹھائے۔ [وما علینا الا البلاغ المبین]

حالات و واقعات

سیّد میر طیب علی شاہ بخاری (اوّل)

صاحبزادہ حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ

(وصال بعمر 11 سال)

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے ''سیّد عثمان علی شاہ بخاری (اوّل)'' اور ''سیّد غلام جیلانی شاہ بخاری'' صغر سنی میں ہی وصال کر گئے جب کہ آپ انڈیا میں ضلع فیروز پور کے گاؤں ''کرموں والا'' میں سکونت پذیر تھے اور تیسرے فرزندِ ارجمند سیّد میر طیب علی شاہ بخاری نہایت علوشان ہونے کے ساتھ ساتھ پیدائشی طور پر ولایت اور پاکیزگی سے متصف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت صاحب قبلہ اور آپکی اہلیہ معظمہ اماں جی کو اپنے لاڈلے صاحبزادے کے ساتھ خاص محبت تھی۔

صاحبزادہ سیّد میر طیب علی شاہ بخاری سے آثارِ ولایت اِس قدر ہویدا تھے کہ دیکھنے والے از خود مرعوب ہو جاتے۔ آپ زیادہ تر وقت اپنے ''بیلیوں'' کے ساتھ گزارتے اور اُن سے بڑا پیار کرتے۔ کبھی گھر تشریف لاتے اور والدہ

ماجدہ سے کہتے کہ مجھے مٹھائی دیں تاکہ میں اپنے بیلیوں کو کھلاؤں تاہم اگر کبھی گھر میں مٹھائی موجود نہ ہوتی تو آپ والدہ ماجدہ سے نہایت اصرار کے ساتھ پیسے لے کر دکان سے شرینی خرید کر بیلیوں کو کھلا دیا کرتے۔

حضرت صاحب کرماں والے صاحبزادہ میر طیب علی شاہ صاحب کے ساتھ اتنی محبت فرماتے کہ اگر کسی چیز کے لیے اُن کے اصرار میں طوالت پیدا ہوتی تو حضرت صاحب قبلہ باہر سے فوراً تشریف لاتے اور فرماتے کہ جو چیز یہ مانگتے ہیں اِنہیں فوراً مہیا کریں۔

بابا وزیر علی جوئیہ سکنہ حضرت کرماں والا بتاتے ہیں کہ صاحبزادہ سیّد میر طیب علی شاہ صاحب بعض اوقات اپنے دوستوں کے ساتھ گاؤں سے ملحقہ تالاب پر چلے جاتے اور چند سکے اُس تالاب میں پھینک دیتے، پھر دوستوں سے سکے ڈھونڈ نکالنے کو کہتے مگر وہ معذرت کرتے تو آپ تالاب میں سے تمام سکے باہر نکال لاتے۔

مزید برآں اُنہوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ بابا جی میر طیب علی صاحب ''کرموں والہ'' گاؤں میں رہائش پذیر حضرت صاحب کے بیلی ''بابا بالا'' کے ہاں تشریف لے گئے جہاں وہ اپنے گھر میں کمرہ تعمیر کر رہا تھا اور چھت ڈالی دی گئی تھی۔ بابا جی میر طیب علی صاحب کے ہاتھ پر کچھ زخم ہوا تھا جسے بابا بالا نے لاڈ پیار میں چھوا تو بابا جی میر طیب علی نے درد محسوس کرنے پر جوش کے ساتھ کہا: ''بابا بالا، ہمارا زخم دُکھنے لگا ہے اِس لیے تمہارا کوٹھا گرنا چاہیے۔'' چنانچہ آپکی بات مکمل ہوتے ہی بابا بالا کے مکان میں نیا تعمیر شدہ کمرہ فوراً گر گیا۔

حضرت صاحب قبلہ کا لنگر بیحد وسیع تھا۔ بے شمار لوگ روزانہ دستر خوان سے کھانا کھاتے جو اُن کے روحانی و جسمانی امراض کے لیے دوا کی صورت اختیار کر لیتا۔ لنگر شریف کے لیے خدام کھیتی باڑی کر کے وسیع رقبے پر گندم کاشت کرتے اور حضرت صاحب قبلہ روزانہ بیلیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے اُنکی کارکردگی دریافت فرمایا کرتے۔ بعض اوقات بیلی بتاتے کہ آج کام تھوڑا ہوا ہے۔ جس پر حضرت صاحب قبلہ فرماتے، بیلیو! لگتا ہے پیر جی تمہارے ساتھ کھیلنے چلے گئے ہوں گے۔ جس پر بیلی اثبات میں جواب دیتے تو آپ فرماتے، اچھا صبح دن نکلنے سے پہلے تم اُن کے کمرے کو باہر سے تالا لگا کر کھیتوں میں کام کرنے کے لیے چلے جانا۔ اگلے دن بیلی ایسا ہی کرتے مگر شام کو پھر وہی جواب دیتے کہ آج بھی کام تھوڑا ہوا، حضرت صاحب قبلہ پوچھتے بیلیو! تم نے پیر جی کے دروازے کو باہر سے تالا نہیں لگایا تھا؟ تو بیلی بتاتے حضور! ہم تالا لگا کر گئے تھے مگر ہمارے پہنچنے سے پہلے پیر جی وہاں موجود تھے۔

نوعمری میں اِس قدر کثرت کے ساتھ خوارقِ عادات کا ظہور دیکھ کر حضرت صاحب قبلہ اپنے لاڈلے صاحبزادے سیّد میر طیب علی کا زیادہ خیال رکھتے مگر منشائے الٰہیہ کے مطابق رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں ایک روز بوقت سحری اماں جی کی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر کسی نے رونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے ٹال دیا۔ یہ جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ حضرت صاحب قبلہ نے نماز جمعہ کے بعد بیلیوں کو بتایا کہ پیر جی میر طیب علی شاہ انتقال کر گئے ہیں لہذا اُن کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ چاہنے والے گریہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ پیر جی میر طیب علی کا

وصال ہو گیا اور ہم سحری کھاتے رہے، اِس پر حضرت صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا: تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ اگر میں تمہیں پیر جی کی وفات سے آگاہ کر دیتا تو تم لوگ سحری کا کھانا چھوڑ دیتے!!!

چنانچہ بروز جمعۃ المبارک نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے بعد سیّد میر طیب علی شاہ بخاری صاحب کی تدفین عمل میں آئی۔ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ اپنے اِس لاڈلے صاحبزادے کی وفات پر اکثر کبیدہ خاطر رہنے لگے۔ حضرت صاحب قبلہ کے پیر و مرشد حضرت میاں شیر محمد شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دلگیر و دل گرفتہ دیکھ کر تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''پیر جی! غم نہ کرو، اللہ کریم بہتر فرزند عطا فرماوے گا۔'' چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک اور فرزند سے نوازا جن کا نام حضرت صاحب قبلہ نے ''عثمان علی'' تجویز کیا۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہجرت کے بعد پاکستان میں بھی اپنے لاڈلے صاحبزادے ''سیّد میر طیب علی شاہ بخاری'' کو اکثر یاد کیا کرتے اور ہر سال اِن کا ختم شریف باقاعدگی سے دلوایا کرتے۔

سفرنامہ ہندوستان

راوی

افتخار احمد

تحریر

ثناء اللہ طیبی

مجددی نقشبندی

ایڈیٹر

ماہنامہ "مجلہ حضرت کرماں والا"

نام کتاب	....	مرشدُ العصر کی باتیں
مُرتب	....	ثناء اللہ طیبی نقشبندی مجددی
ناشر	....	کرمانوالا کتاب گھر، لاہور
ڈیزائننگ	....	چوہدری محمد اغیاث گجر
کمپوزنگ	....	حافظ محمد الیاس طیبی
سال اشاعت	....	صفر المظفر ۱۴۲۹ ہجری
		فروری 2008 عیسوی
قیمت	....	

1۔ دفتر ماہنامہ مجلہ حضرت کرماں والا شریف

دربار عالیہ حضرت کرماں والا شریف، جی۔ٹی، روڈ اوکاڑہ

2۔ کرماں والا کتاب گھر

سیلہ لارام روڈ، گنج بخش روڈ نزد دربار داتا صاحب علیہ الرحمۃ لاہور

042 - 7249515

قیام پاکستان سے قبل کرموں والا (ضلع فیروز پور، انڈیا) میں معروف زماں ہستی حضرت سید محمد اسمٰعیل شاہ بخاری، حضرت کرماں والے کی محفل میں اکثر و بیشتر ایک شخص دکھائی دیتا جس کا تعلق ہندو مذہب کے ساتھ اور نام ''دھنا مل'' تھا۔ ماہنامہ آئینہ لاہور میں شائع ہونے والے مضمون ''میری سرکار'' کے لکھاری جناب مولانا محمد امین شرقپوری ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

''ہندو مہمانوں کی خدمت کا کام ''دھنا مل'' کے سپرد ہوتا تھا۔ یہ گورے رنگ کا ادھیڑ عمر آدمی باقاعدہ داڑھی مونچھ رکھتا تھا۔ اسے اکثر دوزانو بیٹھے ہوئے دیکھا گیا جیسے اندر ہی اندر اسم ذات کا ورد کرتا ہو، اس کے چہرے مہرے سے بالکل معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ حضرت صاحب قبلہ کی جدائی میں بے چین ہو کر سال میں پاکستان کے ایک دو پھیرے ضرور لگایا کرتا۔''

دھنا مل، حضرت کرماں والے کا بے پناہ عقیدت مند تھا، اکثر آپ کی قربت و صحبت میں پڑا رہتا۔ جب تک آپ اجازت نہ دیتے، گاؤں میں واقع

اپنے گھر تک نہ جاتا۔ ہندو مہمانوں کی خدمت کا کام بھی دھنا مل ہی کے سپرد تھا لہذا اپنی اراضی پر فصل خود کاشت کرتا، نہایت اعلیٰ نسل کے بیلوں کی ایک جوڑی رکھی ہوئی تھی اور اِنہی بیلوں کی مدد سے آٹا پیسا کرتا۔ ہر جمعرات اور جمعہ کے دن تقریباً دو بوری آٹا خرچ ہوتا۔

ایک رات دھنا مل تھکاوٹ کی وجہ سے جلدی سو گیا تو مخالف پہلے سے تاک میں تھے لہذا موقع پا کر گھر میں داخل ہوئے اور بیلوں کی جوڑی کھول کر گاؤں کی حدود سے باہر نکل گئے۔ رات کے پچھلے پہر جب دھنا مل کی آنکھ کھلی اور نگاہ دوڑائی تو بیلوں کی جوڑی نظر نہیں آئی۔ فوراً سمجھ گیا کہ بیل چوری ہو گئے ہیں چنانچہ خاموشی سے وضو کیا اور اسی وقت حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ نے ایسے وقت میں آنے کی وجہ دریافت فرمائی تو دھنا مل نے جواب دیا: ''حضور چور آئے تھے اور بیلوں کی جوڑی کھول کر لے گئے ہیں''۔ آپ نے ازراہِ شفقت فرمایا: فکر نہ کرو، گھر جا کر اللہ اللہ کرو، بیل صبح مل جائیں گے۔

دن نکلا تو دھنا مل چند ساتھیوں کے ہمراہ بیلوں کی تلاش میں گاؤں سے باہر نکلا اور بیلوں کے قدموں کے نشانات پر چلنے لگا۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ وہاں بیل مل گئے۔ دھنا مل بیلوں کو ہانک کر واپس گھر لے آیا۔ چند دن بعد بیل چوری کرنے والے خود دھنا مل کے گھر آئے اور کہنے لگے: ''بھائی! تمہارا گرو بہت زور آور ہے، ہم تمہارے بیل چرا کر گاؤں کی حدود سے باہر نکلے ہی تھے کہ ہمیں آنکھوں سے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا اور ہم سب اندھے ہو گئے بلکہ ہم بیل چھوڑ دیتے تو راستہ نظر آنے لگتا اور جب بیل لے کر چلتے تو پھر کچھ نظر نہ آتا۔ آخر

کار ہم نے بیل چھوڑ دیئے اور چلے گئے۔ آج ہم تمہارے پاس معافی مانگنے آئے ہیں۔'' دھنا مل نے کہا: ''یہ معافی تو تم میرے پیر سے مانگو، جن کی دعا و برکت سے تم بیلوں کی جوڑی نہ لے جا سکے۔''

کچھ عرصے گذرا تو ایک روز جمعرات کو دھنا مل نے حسبِ معمول آٹا پیسنے کے بعد بیلوں کی جوڑی اور بھینس کو اپنے مکان کے کمرے میں باندھ دیا، مکان کو تالا لگایا اور اپنی چارپائی پر بستر جما کر حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ رات وہاں بسر کرنے کے بعد علی الصبح جب دھنا مل واپس اپنے مکان کی طرف آیا اور تالا کھول کر اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ چور نقب لگا کر مویشی لے گئے ہیں۔ دھنا مل فوراً واپس حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درپیش ماجرہ عرض گذار کر دیا۔ آپ نے پوچھا کہ لنگر کے لیے کتنا آٹا موجود ہے؟ دھنا مل نے عرض کیا کہ آج کے لیے کافی ہو گا، کل ہی دو بوری آٹا پیسا ہے۔ حضرت صاحب قبلہ فرمانے لگے، اچھا جا کر تلاش کرو مل جائیں گے۔ اِدھر گاؤں کے کچھ مخالف لوگ طنزاً کہنے لگے، اب دیکھیں گے دھنا مل کے بیل واپس آتے ہیں یا نہیں!

اِدھر چور دھنا مل کے بیل لے کر جا ہی رہے تھے کہ کسی آدمی نے اِنہیں شبہ کی بناء پر پکڑ لیا اور پوچھا کہ یہ بیل کہاں سے لائے ہو؟ جب اُن کے ساتھ سختی کی گئی تو اُنہوں نے بتایا: ''ہم چار آدمی ہیں، دو بیل اور ایک بھینس کرموں والا سے دھنا مل کے ہاں سے چوری کر کے لائے ہیں۔ ہمارے دوسرے دو ساتھی بھینس لے گئے ہیں اور ہم یہ بیل لے جا رہے ہیں''۔ چنانچہ اس آدمی نے اِن چوروں کو

پکڑ کر تھانہ لکھو میں پولیس کے حوالے کر دیا۔ وہاں سے پولیس کا ایک سپاہی کرموں والا آیا اور دھنا مل سے کہا کہ تمہارے چوری شدہ بیل مل گئے ہیں، چلو تھانے چل کر انہیں شناخت کرلو'۔ دھنا مل نے کہا' میرے پیر اس وقت مشغول عبادت ہیں جب حضرت صاحب قبلہ فارغ ہو جائیں گے تو ان سے اجازت لے کر چلیں گے۔ چنانچہ حضرت صاحب قبلہ نے فارغ ہو کر فرمایا'' جاؤ جا کر دیکھو''۔ چنانچہ چوہدری اللہ بخش نامی ایک بیلی دھنا مل کے ساتھ گئے اور ضمانت دیکر بیل واپس لے آئے اور اس دن لنگر کا آٹا انہی بیلوں سے پیسا گیا۔ پھر حضرت صاحب قبلہ نے دھنا مل سے فرمایا کہ'' جاؤ چوہدری اللہ بخش کے پاس جا کر بھینس کا پتہ کرو۔ چنانچہ دھنا مل چوہدری صاحب کے پاس شام کے وقت تلونڈی پہنچا تو چوہدری صاحب نے کہا: اب صبح ہی پتہ کریں گے۔

اسی رات چور کا باپ چوہدری صاحب کے ہاں آیا اور آوازیں دینے لگا' چوہدری صاحب باہر نکلے تو چور کے باپ نے ان سے کہا کہ'' میرا لڑکا کرموں والے سے دھنا مل کی بھینس چرا کر لے آیا ہے ہم نے اس کا دودھ پیا ہے اور پیتے ہی تمام گھر والوں کے پیٹ میں شدت سے درد ہو رہا ہے۔ چوہدری اللہ بخش نے کہا کہ دھنا مل اندر ہی بیٹھا ہے، آؤ اس سے بات کرتے ہیں۔ چنانچہ چوہدری صاحب اس شخص کو لیکر دھنا مل کے پاس پہنچے اور اسے سارا ماجرا سنایا۔ دھنا مل نے کہا'' میں تو چوہدری صاحب کے پاس آیا ہوں۔ اب جس طرح یہ کہیں مجھے منظور ہے''۔ چنانچہ چوہدری صاحب نے چور کے باپ سے کہا'' جاؤ اس بھینس کو اپنی بھینس سمجھ کر چارہ ڈالو اور صبح جا کر'' پھاٹک'' (آوارہ مویشیوں کے لیے جگہ) میں دے آنا ہم وہاں سے لے لیں

گے۔ چنانچہ وہ صبح ہی صبح موضع سلطان خان والا میں جا کر بھینس کو پھاٹک میں دے آیا اور اس کے گھر والوں کے پیٹ کا درد ختم ہو گیا۔ چوہدری صاحب اور دھنا مل نے جا کر وہاں سے بھینس لے لی اور حضرت صاحب قبلہ کے حکم کے مطابق پولیس میں رپورٹ نہ کرائی' کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ چوروں کو قید نہ کرانا۔ چنانچہ انہوں نے عدالت میں بیل چوری کرنے والے چوروں کی بابت کہا کہ "ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے بیل کس نے چوری کئے ہیں؟" چنانچہ وہ چور بھی بری ہو گئے۔ تب دھنا مل نے اپنے مخالف لوگوں سے کہا "دیکھی میرے پیر کی کرامت؟" وہ سب یہ سن کر بہت شرمندہ ہوئے۔ (بحوالہ کتاب "میری سرکار" مرتبہ: محمد سمیع اللہ نوری طیبی)

قیام پاکستان کے بعد حضرت صاحب قبلہ کی جدائی میں بے چین ہو کر دھنا مل آپکی موجودہ رہائش گاہ واقع "حضرت کرماں والا شریف (اوکاڑا، پاکستان) حاضری دیتا رہا۔ مولانا محمد امین شرقپوری رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ دھنا مل نے گلوگیر آواز میں کہا، "اگر میرا بس چلے تو میں اپنے سارے کنبے کو چھوڑ کر حضرت صاحب قبلہ کے قدموں میں پڑا رہوں۔"

پھر ایک لمبا عرصہ گزر گیا۔ حضرت صاحب کرماں والے، آپ کے صاحبزادگان اور ایک پوتے اِس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

موجودہ سجادہ نشین، مرشد العصر، شیخ المشائخ، بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری کو مسندِ سجادگی پر مراجع فرما ہوئے کئی سال بیت گئے۔ ایک دن چیچہ وطنی کے نواحی گاؤں چک نمبر 166/9.L میں واقع جامعہ وخانقاہ حضرت کرماں والا میں حسبِ معمول سالانہ عرس اولیائے حضرت کرماں والے منعقد ہوا۔ دعا کے بعد نواحی گاؤں سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری (سجادہ نشین حضرت کرماں والا شریف) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا بھائی محمد رمضان عرف کپتان نامی ہندوستان سے پاکستان آیا ہوا ہے اور آپ سے ملاقات کا بے حد متمنی ومشتاق ہے۔ اجازت ملنے پر محمد رمضان (کپتان) حاضر خدمت ہوا اور نہایت گرمجوشی ومحبت سے ملا۔ اُس کا کہنا تھا کہ میں تو پچھلے پچاس سال سے اِس دن وملاقات کی اُمید میں شب وروز گزار رہا ہوں۔

محمد رمضان (کپتان) نے بتلایا: ''14 اگست ۱۹۴۷ء کو میری عمر تقریباً سات سال تھی اور میں اپنے نانا کے پاس گیا ہوا تھا، فسادات کی وجہ سے میرے

ماں باپ مجھے ہندوستان میں چھوڑ آئے جبکہ میرے تین بھائی اُن کے ساتھ پاکستان آ گئے۔ 1955ء میں کوئی شخص پاکستان سے بھارت گیا اور اُس نے بتایا کہ پاکستان میں کرماں والے پیر نے گاڑی روکی ہے، میں نے جب پیر کرماں والے کے تصرف پر مبنی یہ کرامت سُنی تو اُسی وقت ارادہ کرلیا کہ اگر مرید ہوا تو کرماں والے پیر کا ہوں گا۔ میں بڑے مزارات پر حاضر ہوا لیکن کسی جگہ مرید نہ ہوا کیونکہ میرا ارادہ پختہ تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے دل میں محبت بڑھتی گئی، میں اَن پڑھ تھا، اور کچھ تو آتا نہیں تھا لہٰذا اکثر اوقات پیر کے نام ''کرماں والے'' کا وِرد کرتا رہتا۔ پھر میرا اپنے بھائیوں کے ساتھ رابطہ ہو گیا جو چیچہ وطنی میں سکونت پذیر تھے، چنانچہ مدتوں بعد میں پاکستان آنے میں کامیاب ہو گیا اور اب معلوم ہوا کہ کرماں والے پیر قریبی چک 166/9.L میں پیر سیّد فیاض احمد شاہ بخاری کی خانقاہ میں تشریف لا رہے ہیں تو میں بھی یہاں پہنچ گیا۔''

بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری نے اُس کی باتیں سنتے ہی اِرشاد فرمایا:

''محمد رمضان! جب تم واپس جاؤ تو ہمارے آباؤ اجداد کے مسکن ''حضرت کرموں والے'' جانا۔ ہماری بھی خواہش ہے کہ وہاں کا سفر اختیار کریں۔''

محمد رمضان (کیپٹن) نے واپسی کا سفر اختیار کیا اور عرصہ تین ساڑھے تین سال بعد دوبارہ پاکستان آنے کا موقع ملا تو اُس نے وہاں کے حالات و واقعات بیان کیے * جس کے مطابق وہاں حضرت کرماں والے کے آباؤ اجداد کا

---

* بابا محمد رمضان (کیپٹن) کی بیان کردہ تفصیلات ماہنامہ ''مجلہ حضرت کرماں والا'' کے ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ اور مئی جون 2005ء کے شمارے میں شائع ہوئیں۔ (راقم)

مزار موجود ہے تاہم اُس کی دیکھ بھال سکھ مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ کرتے ہیں مزید برآں بابا دھنامل کے بیٹوں کا پتہ بھی مل گیا چنانچہ محمد رمضان (گیٹن) کو بابا دھنامل کے بیٹے کے نام ایک رقعہ لکھ دیا گیا جس کا جواب توقع کے عین مطابق بہت جلد آ گیا۔

بابا دھنامل کے بیٹے ''بوٹا مَل'' نے اپنی عقیدت و محبت کا بے پایاں اظہار کرتے ہوئے بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری اور پیر جی سیّد صمصام علی شاہ بخاری کو حضرت کرموں والے تشریف لانے کی باقاعدہ دعوت دی۔ بعد ازاں بوٹا مَل نے اپنے بیٹے ''وریندر'' کو سکھوں کے قافلے کے ساتھ پاکستان بھیجا جس کا اصل مقصد حضرت کرماں والا شریف حاضری تھا۔

وریندر کی حاضری کے بعد بوٹا مَل نے خود بھی حاضری کا شرف حاصل کیا اور نم آنکھوں سے جھلکتے ہوئے شوقِ زیارت نے بہت سی ضعیف العمر آنکھوں کو نَم کر دیا۔ بوٹا مَل نے زیارت و حاضری کے اِس سفر میں بہت سی پرانی یادیں تازہ کیں * اور ایک مرتبہ پھر ''حضرت کرموں والے'' آنے کی دعوت دی۔

بوٹا مَل کے ساتھ اِس ملاقات نے کئی دلوں میں ''حضرت کرموں والے'' جانے کی خواہش و شوق کو بڑھا دیا۔

---

* ''بوٹا مَل سے انٹرویو'' کو مفصل انداز میں ماہنامہ ''مجلّہ حضرت کرماں والا'' کے ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ اور مئی 2007ء کے شمارے میں شائع کیا گیا۔ (راقم)

ایک روز جمعۃ المبارک کی نماز پڑھنے کے بعد افتخار احمد نے حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے دربارِ اقدس پر حاضری دی اور کچھ دیر وہیں بیٹھے رہے۔ اِسی دوران کسی نے آ کر پیغام دیا کہ باباجی حضور یاد فرما رہے ہیں۔ یہ فوراً خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اِرشاد فرمایا: ''پیر طارق محمود صاحب (CA Sports) سیالکوٹ والے کہتے ہیں کہ انڈیا کا ویزا لگ سکتا ہے۔ لہٰذا حکیم محمد ارشاد اور تم چلے جاؤ۔'' افتخار احمد نے عرض کیا: حضور آپ بھی ساتھ تشریف لے جائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، اچھا تو پھر طارق محمود صاحب سے پوچھو، اگر وہ ساتھ جاتے ہیں تو میں بھی چلا جاؤں گا۔ افتخار احمد نے پیر طارق محمود صاحب سے استفسار کیا تو انہوں نے اِسے اپنی خوش قسمتی قرار دیتے ہوئے ساتھ جانے کی حامی بھر لی۔

شام کے وقت تقریباً تمام بیلی باباجی حضور کی خدمت میں حاضر تھے تو آپ نے سب سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا؛ طارق محمود صاحب انڈیا جانے کے لیے ویزے نکلوا رہے ہیں لہذا کون کون ساتھ جانا چاہتا ہے؟ حکیم محمد ارشاد صاحب نے مشورہ دیا کہ باباجی اور میرے علاوہ حاجی لطف اللہ، افتخار احمد اور طارق محمود چلے جاتے ہیں۔ تاہم باباجی نے ارشاد فرمایا؛ میں صرف حاجی لطف اللہ اور طارق محمود کو تجویز کرتا ہوں دیگر کے متعلق آپ سب مشورہ کر لیں۔ چنانچہ باہمی مشاورت کے ساتھ حکیم محمد اِرشاد کی رائے کو مقدم رکھا گیا۔

اگلے دن افتخار احمد نے جناب طارق محمود صاحب کو پاسپورٹ پہنچا دیئے۔ تقریباً 15 دن بعد 10 نومبر 2007ء کو ویزے لگ گئے مگر حکیم محمد ارشاد کا ویزا پاسپورٹ کی تاریخ منسوخی قریب ہونے کے باعث نہ لگ سکا جبکہ باباجی، حاجی لطف اللہ، افتخار احمد اور طارق محمود کا ویزا لگ گیا۔

انڈیا میں قیام کی مدت کا دورانیہ ۴۵ دن تک درج تھا جبکہ عمومی طور پر انڈیا جانے والے افراد کو ہر شہر میں پولیس اسٹیشن رپورٹ کرنے کی تاکید کی جاتی ہے مگر یہ ویزے اِس پابندی سے مبّرا تھے۔

اِس خاص بات کی وجہ سے باباجی نے بہت اطمینان اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایسا ویزا شاذ و نادر ہی کسی کو ملتا ہے لہذا اب ہمیں ضرور جانا چاہیے۔

افتخار احمد نے باباجی حضور سے عرض کیا کہ اگر ہم حضرت کرموں والے اور سرہند شریف جانے کا پروگرام ترتیب دیں تو دہلی شہر راستے میں آتا ہے لہذا

وہاں بھی حاضری ہو جائے گی۔ باباجی نے اِس پروگرام کو سراہتے ہوئے اجازت دے دی۔

۱۲ نومبر ۲۰۰۷ء کو افتخار احمد نے مجھے لاہور سے بلوایا کہ ۱۵ نومبر ۲۰۰۷ء بروز جمعرات کو انڈیا روانگی کے لیے ہمارا پروگرام بن رہا ہے جبکہ اسی دن ضلع وہاڑی کا دورہ تشکیل دیا گیا تھا چونکہ انڈیا جانے کے لیے یہی تواریخ مناسب ہیں لہذا ضلع وہاڑی کا دورہ منسوخ کر دیا جائے۔ حکم کے مطابق سر تسلیم خم کیا بعد ازاں باباجی حضور کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تو آپ نے افتخار احمد کو انڈیا میں بیلیوں کے ساتھ رابطہ کرنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ افتخار احمد نے بوٹا مَل اور بابا محمد رمضان (گیٹن) وغیرہ کو فون کر کے اطلاع دی تو اُنہوں نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دل و جان سے خوش آمدید کہا۔

بچپن سے ہی باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری دامت برکاتہم العالیہ کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر حاضری کی خواہش تھی۔ اجمیر شریف کے ساتھ باباجی کی قلبی محبت اور اُنس دیرینہ تھا۔ اِس تسلسل کا اگلا سرا آپ کے دادا حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ اِسی لیے حضرت کرماں والے کے پرانے خادم جناب سیٹھ محمد شفیع لاہوری کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت کرماں والے کی طبیعت مائل بہ کرم تھی یوں لگ رہا تھا جیسے حضرت خواجگان چشت کے فیضان کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اِسی دوران آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن چشتی اجمیری کی درگاہ سے بذریعہ خط پیغام موصول ہوا کہ آپ درگاہ عالی کی حاضری کے لیے اجمیر

شریف پہنچیں۔آپ نے خیال کیا کہ حاضری کا صحیح لطف اسی صورت میں حاصل ہوگا جب بوقت حاضری کمال تخلیہ حاصل ہو۔چنانچہ آپ نے خواجہ غریب نواز کے لطف وکرم کی توقعات دل میں لیے ہوئے رخت سفر باندھا اور بارگاہ عالیہ میں پہنچ گئے۔جس وقت آپ درِاقدس پر حاضر ہوئے دروازہ اندر سے بند تھا،اسی وقت اچانک دروازہ کھلا اور آپ نگاہ ادب جھکائے،جبین ارادت خم کیے درگاہ شریف میں داخل ہوئے۔دروازہ فی الفور بند ہوگیا اور آپ کے خادم بھی باہر کھڑے رہ گئے،بہت دیر کے بعد دروازہ پھر کھلا اور ایک صاحب آپ کے ہمراہ باہر تشریف لائے۔ان کے چہرۂ مبارک پر انوار کی بارش ہو رہی تھی۔وہ بزرگ آپ کو الوداع کہہ کر پھر اندر چلے گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا کہ جب اندر داخل ہو کر میں حضرت خواجہ غریب نواز کے قدموں میں بیٹھ گیا تو ایسا محسوس ہوا کہ حضور بہ نفس نفیس سامنے تشریف فرما ہو گئے ہیں۔پھر حضور نے مجھے دونوں شانوں سے پکڑ کر کمال محبت اور شفقت سے ہلایا اس وقت جو کیفیت تھی وہ بیان سے باہر ہے۔

اجمیر شریف کی حاضری کو نسبت ومحبتِ قلبی کے باعث زیارات کے اِس سفر میں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

افتخار احمد اُسی روز واپس لاہور چلا گیا تاکہ کرنسی تبدیل کروائی جائے اور سفر کے دیگر انتظامات کیے جائیں۔انڈیا کا ایک روپیہ پاکستان کے ایک روپے ستر پیسے کے برابر تبدیل ہوا۔

بدھ کو شام تک افتخار احمد واپس حضرت کرماں والا شریف پہنچ گیا۔۱۵

نومبر ۲۰۰۷ء کو علی الصبح روانگی کا پروگرام تھا مگر نمازِ فجر کے وقت باباجی نے ہمیں بلوا لیا۔ آپ نے بتایا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں شاید سفر میں کچھ تاخیر ہو جائے۔ کچھ دیر تنظیم و سلسلہ عالیہ کے متعلق گفتگو جاری رہی پھر باباجی نے کچھ افاقہ محسوس کرتے ہوئے ۹:۰۰ بجے روانگی کا ارشاد فرمایا۔

مزارِ اقدس حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ پر حاضری اور دعا کے بعد باباجی حضور لاہور روانہ ہو گئے جہاں واہگہ بارڈر سے گزرتے ہوئے انڈیا داخل ہونے کا پروگرام تھا۔

واہگہ بارڈر پر باباجی حضور، حاجی لطف اللہ اور افتخار احمد کو احمد علی پروفیسر اور حکیم محمد ارشاد نے الوداع کیا جبکہ حاجی طارق محمود ابھی تک پہنچ نہیں پائے تھے۔

جناب افتخار احمد نے ازاں بعد کے حالات و واقعات بیان کیے
جنہیں اُنہی کی زبانی پیش کیا جا رہا ہے

''گیٹ سے اندر داخل ہونے کے بعد ہم بارڈر سیکیورٹی کی بلڈنگ میں چلے گئے۔ وہاں ایک نوجوان تیزی سے ہمارے پاس آیا اور بڑی محبت و تعظیم سے ملا۔ اُس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے بتلایا کہ وہ کراچی قیام کے دوران سلسلہ عالیہ میں داخل ہوا تھا اور یہاں ڈسپنسری میں ملازم ہے۔ چونکہ طارق محمود صاحب ابھی تک پہنچے نہیں تھے لہذا ہم اُن کا انتظار کرنے لگے۔ آدھ گھنٹے کے بعد طارق محمود صاحب بھی آ گئے اور ہم کسٹم والے حصے میں چلے گئے۔ اُس بیلی نے ہمیں ڈسپنسری میں بٹھایا اور پانی پیش کیا پھر ہمارے پاسپورٹ لے گیا اور خود جا کر مہریں لگوا لایا۔ پھر اُس بیلی نے ہمارے بیگ سامان والی ریڑھی پر لاد لیے اور ہمیں اگلے گیٹ تک لے گیا جہاں سے ہم نے اپنے بیگ اُٹھائے اور تقریباً دوپہر 1:00 بجے ہم بارڈر کراس کر کے انڈیا میں داخل ہو گئے۔

گیٹ کے ساتھ ہی کھڑے ہوئے ایک انڈین فوجی نے ہمارے پاسپورٹ چیک کیے اور ہمیں ساتھ لے کر ایک کمرے کی طرف چلا گیا جس پر ''رسپشن'' لکھا ہوا تھا۔ ہم اندر چلے گئے جہاں ایک فوجی نے رجسٹر میں ہمارے نام درج کرتے ہوئے پوچھا: ''آ رہے ہو یا جا رہے ہو؟'' میں نے جواب دیا، ہم انڈیا جا رہے ہیں۔ وہ فوراً کہنے لگا: ''تم انڈیا میں آ چکے ہو؟'' میں زیرِ لب مسکرایا تو اُس نے ایک رجسٹر آگے کر دیا جس پر ہم سب نے دستخط کیے۔ وہاں سے ایک دوسرے دفتر میں لیجایا گیا جہاں کسٹم کا عملہ موجود تھا۔ ہمارے پاسپورٹ پر نظر ڈال کر ایک فوجی ٹھیٹھ پنجابی میں کہنے لگا: ''سارے دیش دا ای ویزا لوا آئے او'' پھر کہنے لگا: ''لیکن ہمارے لیے کیا لائے ہو؟''۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ آپ بھی اِدھر بیٹھے ہوئے ہیں ورنہ کچھ نہ کچھ لے آتے۔ میں نے فی البدیہہ جواب دیا تو وہ بھی مسکرا پڑا۔

اُس نے کاغذات چیک کیے اور سامان کے بارے میں پوچھنے لگا کہ کیا کچھ لے کر آئے ہو؟ سرسری انداز میں سامان چیک کرنے کے بعد اُس نے مجھے چار فارم دے دیئے جن میں انٹری اور ایگزٹ کی معلومات دریافت کی گئی تھیں چنانچہ میں نے اُن فارمز میں انڈیا میں داخل ہونے کا وقت، آنے کا مقصد اور انڈیا میں قیام پذیر ہونے کے مقامات وغیرہ درج کیے تو اُنہوں نے ہمیں گیٹ سے انڈیا کی طرف باہر نکلنے کے لیے کہا۔

جب ہم باہر نکلے تو وہاں بوٹا مَل، ورِیندر (بوٹا مَل کا بیٹا) اور بوٹا مَل کا پوتا ''ہر پریت'' دو گاڑیاں لے کر موجود تھے جنھوں نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ

ہمارا استقبال کیا اور بے حد تعظیم کے ساتھ ملے۔

ایک گاڑی میں بابا جی حضور کے ساتھ بوٹا مَل، ہرپریت اور حاجی لطف اللہ بیٹھ گئے اور دوسری گاڑی میں میرے علاوہ وریندر اور طارق محمود سوار ہوئے اور دونوں گاڑیاں درمیانی رفتار سے ایک نسبتاً شکستہ سڑک پر دوڑنے لگیں۔

گاڑی کے شیشے سے باہر سرسبز کھیتوں کھلیانوں اور فصلوں کو دیکھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اِن دو ممالک کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ پختہ رنگ کے مالک کسانوں کے سر پگڑیوں سے ڈھانپے ہوئے جبکہ اُنکی عورتوں کے سروں پر دوپٹے نظر آرہے تھے اور معمر خواتین نے بڑی چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔

تقریباً 2 کلومیٹر فاصلے کے بعد گاڑیاں ایک جگہ سے ھائی وے پر آ گئیں، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اِسے اٹاری کہتے ہیں اور یہاں سے ایک سڑک امرتسر کو جاتی ہے جو تقریباً ۲۵۔۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ چونکہ ہمیں تلونڈی بھائیکے جانا تھا لہٰذا ہم ایک دوسرے راستے سے فیروز پور روڈ کی طرف چلے گئے جو تلونڈی جانے والا رستہ اور ہمارے پہلے قیام کی منزل تھا۔

کچھ مسافت طے کرنے کے بعد دونوں گاڑیاں ایک پٹرول پمپ پر تھوڑی دیر کے لیے رُک گئیں اور میزبانوں کی طرف سے مہمانوں کو پانی پیش کیا گیا۔ اٹاری سے تقریباً ایک گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد گاڑیاں ایک کشادہ سڑک پر اُتر گئیں اور ایک مرتبہ پھر تیزی سے دوڑنے لگیں۔ اِس سڑک کا نام دہلی روڈ تھا۔ تقریباً 2 گھنٹے سفر کے دوران موگا، ترن تارن اور زیرہ جیسے معروف مقامات سے گزرنے کے بعد ہم تلونڈی بھائیکے پہنچ گئے۔

تلونڈی بھائیکے ایک بڑے قصبے جیسا شہر تھا جس میں نئی و پرانی عمارات دکھائی دے رہی تھیں۔ بوٹا مَل اروڑہ کا گھر غلہ منڈی کے اندر ہے۔ بوٹا مَل کے تین بیٹے ہیں جن میں سے ویندرا اپنے پتاجی کا ہمسایہ ہے اور دیگر دو بیٹے بھی چند سو گز کے فاصلے پر بہترین گھروں میں رہائش پذیر ہیں۔

بوٹا مَل نے بے حد خاطر مدارت کی۔ پُر تکلف چائے پیش کی گئی جس میں قابل ذکر ''پنیر پکوڑا'' اور ''مٹر پنیر'' تھا جن کا ذائقہ مجھے ابھی تک یاد ہے جبکہ بابا جی نے بھی کئی مرتبہ ''پنیر پکوڑا'' کی بہت تعریف فرمائی۔ بوٹا مَل کی خوشی دیدنی تھی جس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے موبائل پر رابطہ کرنے والے ہر ایک سے کہتا کہ ''پاکستان سے میرے پیر صاحب آئے ہوئے ہیں، لہذا دو تین دن کے لیے بیحد مصروف ہوں''۔ غالباً بوٹا مَل کو پنچائیت وغیرہ میں کوئی خاص اہمیت حاصل تھی اِس لیے کئی مرتبہ مختلف فیصلوں سے متعلق ٹیلی فون آئے مگر ہر مرتبہ بوٹا مَل نے اپنے پیر صاحب کی آمد کے بارے میں بتا کر فون بند کر دیا۔ یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ بوٹا مَل تلونڈی میں بلاک ایجوکیشن آفیسر کے عہدے پر تعینات ہے۔

شاید بوٹا مَل نے علاقے میں پہلے ہی سب کو بتایا ہوا تھا کہ حضرت کرماں والے کے پوتے آ رہے ہیں اِسی لیے بوٹا مَل کے گھر کافی لوگ آ گئے جن سے ملاقات ہوئی۔ ملاقات کے لیے آنے والوں میں ڈاکٹر سریندر اور رنجیت سنگھ بھی شامل تھے۔ سکھ مذہب سے تعلق رکھنے والے یہ دونوں افراد حضرت کرماں والا شریف بوٹا مَل کے بیٹے ویندر کے ساتھ آئے تھے۔ ڈاکٹر سریندر نے اگلے دن

دوپہر کا کھانا کھانے کی دعوت پیش کی جبکہ رنجیت سنگھ نے حکیم محمد ارشاد صاحب کا حال چال پوچھا اور کہنے لگا؛ وِرک (حکیم محمد ارشاد وِرک برادری سے تعلق رکھتے ہیں) سے کہنا، اُس کی داڑھی والی بات مجھے کھا گئی ہے اور اُس کے بعد آج تک میں نے شراب نہیں پی۔

اِس کا پس منظر یہ تھا کہ جب وریندر، ڈاکٹر سریندر اور رنجیت سنگھ حضرت کرماں والا شریف آئے تو گفتگو کے دوران ڈاکٹر سریندر نے کہا کہ پاکستان میں سب کچھ میسر ہے مگر شراب کی کمی ہم نے بہت محسوس کی۔ (سکھ شراب کا بکثرت استعمال کرتے ہیں) اُسکی بات سن کر خوش طبعی کرنے کے ماہر حکیم محمد ارشاد نے رنجیت سنگھ سے مخاطب ہو کر کہا، ''سُچی* داڑھی نال شراب پیندیاں تینوں شرم نئیں آوندی'' اور رنجیت سنگھ سے واقعی کوئی جواب نہ بن پڑا۔

ملاقات کے لیے آنے والے لوگوں سے باتیں کرنے کے دوران ''حضرت کرموں والے'' جانے کا پروگرام بن گیا مگر پھر اِس لیے منسوخ ہو گیا کہ شام ہو چکی تھی جبکہ کرموں والا کا سرپنچ اور پردھان خصوصی طور پر بابا جی کا استقبال اور ملاقات کرنا چاہتے تھے۔

پاکستان انڈیا کا کرکٹ میچ جاری تھا اور بوٹا مَل کا پوتا ''اَجے اروڑہ'' کرکٹ کا شائق تھا لہذا وہ میچ دیکھ رہا تھا چنانچہ ہم بھی وہیں بیٹھ گئے۔

بارہ سالہ اَجے اروڑہ بہت ذہین اور سلجھا ہوا لڑکا تھا۔ بہترین پنجابی بولتا اور میچ دیکھنے کے ساتھ ساتھ کرکٹ پر تبصرہ بھی کر رہا تھا۔ پاکستانی کرکٹ ٹیم میں

---

* پنجابی زبان میں سچی داڑھی سے مراد ایسی داڑھی ہے جس کو ایک دفعہ بھی منڈوایا یا کٹوایا نہ گیا ہو

اَجے کو شاہد آفریدی پسند تھا، اِسی لیے کہنے لگا؛ اگر آفریدی ٹوئنٹی ٹوئنٹی کرکٹ سیریز کے فائنل میں ٹک جاتا تو پاکستان جیت سکتا تھا۔ پاکستانی کرکٹ ٹیم کا کھلاڑی شاہد آفریدی زیادہ تر انڈین لوگوں کا پسندیدہ ہے اور انڈیا پاکستان مقابلے کی صورت میں ڈرتے بھی اِسی سے ہیں تاہم اِس کے باوجود جس طرح پاکستانی لوگ آفریدی کی بیٹنگ کا انتظار کرتے ہیں اُسی طرح انڈین لوگ بھی آفریدی کی بیٹنگ دیکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

چند روز قبل ٹوئنٹی ٹوئنٹی سیریز کا فائنل پاکستان اور انڈیا کے مابین کھیلا گیا تھا۔ باباجی نے اَجے سے پوچھا کہ مصباح کے بارے میں اُسکا کیا خیال ہے؟ تو اَجے نے ٹھیٹھ پنجابی زبان میں کہا "جے مصباح ٹوئنٹی ٹوئنٹی کرکٹ سیریز دے فائنل وِچ آخیرلی گیند تے آؤٹ نہ ہوندا تو سانہوں لے گیا سی"

میچ میں اَجے کا پسندیدہ کھلاڑی ٹنڈولکر بیٹنگ کر رہا تھا اور بہترین اسکور بنا چکا تھا۔ حاجی لطف اللہ صاحب بڑی گرمجوشی سے میچ دیکھ رہے تھے اور دفعتاً کہنے لگے کہ ٹنڈولکر سنچری نہیں کرے گا۔ اَجے کہنے لگا کہ اب تو یہ سنچری کرنے ہی والا ہے مگر حاجی لطف اللہ نے پھر کہا کہ یہ سنچری نہیں کرے گا جبکہ اَجے کو ٹنڈولکر کی سنچری بالکل قریب دکھائی دے رہی تھی لہذا وہ بھی پرجوش تھا تاہم اتفاق سے حاجی لطف اللہ صاحب کی بات درست ثابت ہوئی اور ٹنڈولکر 97 اسکور بنا کر آؤٹ ہو گیا تو اَجے قدرے ماند پڑ گیا لیکن انڈیا وہ میچ جیت گیا۔

ہمارے گذشتہ سفر کا اندازہ لگاتے ہوئے بوٹا مَل نے آرام کرنے کے لیے کہا تو ہم فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے چنانچہ رات گذارنے کے لیے ہم بوٹا مَل کے

بڑے بیٹے کے ہاں آ گئے جہاں ایک خوبصورت گھر کی بالائی منزل پر دو کمروں میں آرام کرنے کے لیے بہترین انتظام وانصرام کیا گیا تھا۔

بوٹا مَل کا بیٹا غلہ منڈی میں آڑھت اور سُپر سٹور کے کاروبار سے منسلک تھا۔ ہمارے میزبان اِتنا زیادہ تکلف بَرت رہے تھے کہ بار بار مختلف چیزیں کھانے کے لیے پیش کرنے لگتے۔ ہمارے سونے کی جگہ پر بھی ایک خوبصورت برتن میں ڈرائی فروٹ پڑے ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد بوٹا مَل خود بالائی منزل پر آیا اور جب اُس نے ہمارے بستر کی پائنتی دیکھی تو فوراً اپنے بیٹے کو ڈانٹ کر بولا ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا دادا (دھنا مَل) اِس طرف پاؤں کر کے سونے سے منع کیا کرتا تھا'' پھر بوٹا مَل نے ہماری جانب مخاطب ہو کر دوبارہ کہا: ''دراصل پتا جی (دھنا مَل) اِس طرف چارپائی کی پائنتی کرنے سے منع کرتے تھے۔'' ہم فوراً سمجھ گئے کہ اِسی طرف قبلہ ہے یہی وجہ ہے کہ بابا دھنا اِس طرف چارپائی کی پائنتی کرنے سے منع کرتا ہوگا۔ چنانچہ ہم نے وضو کیا اور قبلہ رُخ ہو کر نماز ادا کی۔

ایک کمرے کے اندر باباجی حضور اور میں جبکہ دوسرے میں حاجی لطف اللہ اور طارق محمود سونے کے لیے لیٹ گئے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ حاجی لطف اللہ صاحب نیند کے شوقین اور حاجی طارق محمود صاحب باتوں کے علاوہ لیٹ سونے کے عادی تھے۔ اِس لیے یہ بات میری خوش طبعی کا باعث بنی۔

ایک اور قابلِ ذکر بات مجھے یہ نظر آئی کہ اِس خاندان کے ہر گھر میں حضرت صاحب کرماں والے اور آپ کے صاحبزادے باباجی سیّد محمد علی شاہ

بخاری، باباجی سیّد عثمان علی شاہ بخاری اور تینوں پوتوں کی تصاویر آویزاں ہیں۔

فجر کے وقت میری آنکھ کھلی تو باباجی حضور جاگ رہے تھے۔ میں نے جا کر حاجی لطف اللہ اور طارق محمود صاحب کو بیدار کیا اور ہم نے نمازِ فجر ادا کی۔ بعد ازاں پروگرام ترتیب دیا گیا کہ ناشتہ کر کے حضرت کرموں والے جائیں اور وہاں سے سرہند شریف پہنچ کر نمازِ جمعہ ادا کریں۔

نہاتے تیار ہوتے اور ناشتہ کرتے ہوئے تقریباً ۸:۳۰ کا وقت ہو گیا۔ بوٹا مَل کا بیٹا وریندر اور پوتا ''ہر پریت'' اپنی اپنی گاڑی لے کر آ گئے مگر ہر پریت نے عرض کیا کہ میری بہن (بوٹا مَل کی پوتی) آپ کی تشریف آوری کے متعلق سُن کر زیرہ سے آ رہی ہے لہذا اُس کے آنے تک یہاں رُک جائیں۔ چنانچہ ہم وہیں ٹھہر گئے۔

کچھ دیر کے بعد زیرہ سے بوٹا مَل کی پوتی، ایک بچہ اور ایک بڑھی ہوئی شیو والا آدمی حاضرِ خدمت ہوئے۔ اُنہوں نے سلام عرض کیا اور پھر وہ آدمی کہنے لگا کہ میرا نام ''سبھاش کمار'' ہے اور میں آپ کی خدمت میں خاص طور پر حاضر ہوا ہوں کیونکہ زیرہ میں ایک بزرگ ظاہر ہوئے ہیں جن کا نام پیر فارگ شاہ ہے اور وہ میرے اندر آ جاتے ہیں اور ''یا علی۔ یا خدا'' پڑھنے کے لیے کہتے ہیں۔ ''یا خدا'' کا مطلب تو مجھے بھی معلوم ہے کہ اِس سے مراد بھگوان ہے مگر ''یا علی'' سے کیا مراد ہے؟

دراصل سبھاش کمار کی رہائش کے قریب کوئی مسلمان نہیں لہذا اُسے قبل ازیں کسی سے اِس کا مطلب معلوم کرنے کا موقع نہیں ملا۔ باباجی نے کچھ توقف

کے بعد اِرشاد فرمایا: ''یا علیؑ'' پہلی سیڑھی ہے، پڑھتے رہا کرو۔

سبھاش کمار نے عرض کیا کہ آپ سرہند شریف جاتے ہوئے راستے میں واقع ''زیرہ'' تشریف لائیں اور خود اُس بزرگ کا مزار دیکھیں۔ بابا جی حضور نے دعوت قبول فرمالی اور پھر تقریباً ۹:۳۰ بجے ہم وہاں سے دو گاڑیوں پر سوار ہو کر نکل پڑے۔ ایک گاڑی پر میں، بابا جی حضور، وریندر اور تلونڈی کا پریذیڈینٹ ''سردار بھجن سنگھ'' جبکہ دوسری گاڑی پر طارق محمود صاحب، حاجی لطف اللہ اور ہرپریت سوار ہو گئے۔

سب سے پہلے ہم نے بوٹا مَل کی رائس فیکٹری اور زرعی زمین دیکھی۔ بوٹا مَل کی رائس فیکٹری کا نام ''کرماں والا رائس ملز'' ہے اور اُس کے ساتھ ایک وسیع زرعی رقبہ بھی بوٹا مَل کی ملکیت میں ہے۔

ترتیب کے ساتھ قطاروں میں پڑی چاول کی ہزاروں بوریاں دیکھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ ایک شخص (بابا دھنا مَل) نے حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر پینے کی سعادت حاصل کی ہے اور آج اُس کی اولاد کو دنیا میں ایک رائس فیکٹری کا انعام کچھ کم تو نہیں!

رائس فیکٹری اور زرعی رقبہ دیکھنے کے بعد ہمارا قافلہ ''حضرت کرموں والے'' کی طرف چل پڑا۔

تلونڈی سے حضرت کرموں والے کا فاصلہ تقریباً ۱۵ منٹ پر محیط ہے۔ ایک نسبتاً تنگ مگر اچھی سڑک پر درمیانی رفتار سے گاڑی چل رہی تھی۔ اطراف میں کھیت کھلیان نظر آ رہے تھے جبکہ رستے میں سرہند فیڈر اور راجستھان فیڈر کے نام

سے قریب قریب دو بڑی نہریں بھی دکھائی دیں۔ اِن نہروں سے قبل حضرت کرموں والے کا رقبہ شروع ہو جاتا ہے۔ راجستھان فیڈر سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر حضرت کرموں والا گاؤں کی آبادی واقع ہے۔

ڈیڑھ دو سو گھروں پر مشتمل ''کرموں والا'' گاؤں کی تمام تر آبادی سکھ مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل ہے۔ گاؤں میں داخل ہونے والے راستے پر حضرت صاحب کرماں والے کے صاحبزادے سیّد میر طیب علی شاہ بخاری کا مزارِ اقدس دور سے نظر آ جاتا ہے۔ وریندر نے دور سے گاؤں کے بیرونی کنارے پر سڑک سے نسبتاً پرے ایک سفید مینار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد کے مزارات وہاں تھے۔ اِسی دوران ہم اُس احاطے کے سامنے پہنچ گئے جہاں وریندر کے مطابق باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری (باباجی کے تایاجی) کا مزارِ اقدس موجود ہے۔

حاجی طارق محمود اور حاجی لطف اللہ صاحب بوٹا ٹمل کے ساتھ پہلے سے وہاں موجود تھے۔ ہم بے تابی کے ساتھ نیچے اُترے اور احاطے کی طرف چل پڑے۔ مزار شریف کے سکھ متولی نے احاطے کے گیٹ پر ہاتھ جوڑ کر باباجی حضور کا استقبال کیا۔

ایک وسیع احاطے میں بائیں ہاتھ برآمدہ جبکہ دائیں ہاتھ کھلا صحن دکھائی دیا جس کے آغاز کے تقریباً وسط میں پیپل کا ایک بڑا درخت موجود تھا۔ سامنے ایک کمرے میں سکھوں کا مذہبی استھان تھا۔ باباجی نے استفسار کیا کہ بابا میر طیب صاحب کی قبر انور کہاں ہے؟ اُنہوں نے برآمدے کے اندر بنے ایک کمرے کی

طرف اشارہ کیا تو آپ اُس طرف چل دیے۔اُس کمرے میں ایک قبر پر چادریں پڑی ہوئی تھیں اور برقی قمقمے روشن تھے۔ اگر بتیاں اور موم بتیاں بھی جل رہی تھیں۔ بابا جی حضور نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو سب نے ہاتھ اُٹھا کر آپکی پیروی کی۔

سفید اور آسمانی نیلے رنگ کی چینی ٹائلوں سے مزین فرش والے کمرے میں واقع بابا جی میر طیب علی شاہ صاحب کی قبر شریف پر سرخ اور کالے رنگ کے نقش و نگار والی چادر پڑی ہوئی تھی جبکہ ساتھ ہی نذرانہ ڈالنے کے لیے غلہ بھی نصب کیا گیا تھا۔

دعا مانگنے کے بعد بابا جی حضور مزارِ اقدس کے اندر داخل ہو گئے اور بائیں ہاتھ زمین پر تشریف فرما ہو گئے۔ آپ نے ایک مرتبہ پھر تصدیق کرنے کے لیے پوچھا کہ کیا بابا میر طیب علی صاحب کو اِسی جگہ دفن کیا گیا تھا؟ مجاور اور بوٹا مَل نے دوبارہ تصدیق کی، اِسی دوران میں نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور مجاور ہاتھ باندھ کر دروازے کے باہر کھڑا ہو گیا۔

میں نے موقع دیکھ کر صحن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بوٹا مَل اور وریندر سے پوچھا؛ یہ صحن کیسا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ احاطے میں یہ جگہ شروع سے شامل ہے۔اور میلہ کہاں ہوتا ہے؟ میں نے بلاتوقف دوسرا سوال کیا تو اُنہوں نے احاطے کے بالمقابل میدان کی طرف اشارے سے بتلایا کہ میلہ اِس میدان میں لگتا ہے۔

اِس احاطے میں پہلے کیا ہوتا تھا، طارق محمود صاحب نے سوال کیا تو

بوٹا مَل نے کہا کہ یہاں پہلے (غلہ پیسنے والی) چکی ہوا کرتی تھی۔ طارق صاحب نے پوچھا کیا حضرت صاحب قبلہ کے وقت میں تھی؟ تو بوٹا مَل نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ تب تو یہاں خالی جگہ تھی۔ اِس پر میں نے پوچھا کہ جب بابا جی میر طیب علی صاحب کو یہاں دفن کیا گیا تو اُس وقت یہاں کیا تھا؟ بوٹا مَل نے جواب دیا کہ یہ جگہ خالی تھی کیونکہ حضرت صاحب کرماں والے کے خاندان کا اصل قبرستان تو یہاں سے کچھ دور ایک جگہ پر واقع تھا جہاں قریب ہی آپکی رہائش بھی تھی۔ میں نے پوچھا کہ پھر آپ کو کیسے پتہ چلا کہ بابا میر طیب علی صاحب کی قبر یہاں ہے؟ بوٹا مَل نے جواب دیا کہ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہاں کوئی شکتی (طاقت) موجود ہے تو پھر اُنہوں نے دوبارہ یہاں مزار بنایا۔

اِسی دوران حاجی طارق محمود کے ساتھ کھڑے ہوئے ''کرموں والا گاؤں'' کے ایک رہائشی ولایتی رام نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ دراصل ہم نے یہاں پر آٹا پیسنے والی ایک بڑی چکی لگائی تھی۔ جب ہم چکی چلانے کی کوشش کرتے تو نہ چلتی مگر جب اُسے بند کر دیتے تو خود بخود چلنے لگتی۔ ہمارا بہت نقصان ہو گیا (ولایتی رام نے پنجابی میں کہا: ساڈیاں رڑکاں نکل گیاں) اور ہم کافی پریشان ہوئے لہذا چند بڑے بوڑھوں سے پوچھ گچھ کر کے یہاں پر بابا جی کا مزار بنا دیا اور اِن کی تعظیم کرنے لگے۔

بوٹا مَل نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ جب اِن کا نقصان ہونا شروع ہوا تو اِنہوں نے پوچھ پڑتال کی۔ یہاں ایک پرانا چوکیدار رہتا تھا جس کا نام ''بارا'' تھا، اُس نے اِنہیں بتایا کہ یہاں حضرت صاحب کرماں والے کے

لڑکے سیّد میر طیب علی شاہ کی قبر ہے جہاں تم لوگوں نے چکی لگالی، اِسی لیے تمہارے ساتھ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ میں نے چوکیدار کا نام دوبارہ پوچھا تو بوٹا مَل نے نام بتاتے ہوئے مزید کہا کہ وہ اب فوت ہو چکا ہے۔ میں نے اُس کی عمر معلوم کی تو بوٹا مَل نے کہا کہ اُس کی عمر تو اب سو سال سے بھی تجاویز کر چکی ہوتی۔ وہی سب سے زیادہ پرانا آدمی تھا جو ہمیں یہ بات بتا سکتا تھا اور دوسرے میرے پتا جی (دھنا مَل) تھے مگر وہ تو پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ یہاں میلہ کس تاریخ کو لگتا ہے؟ میں نے اگلا سوال کیا تو بوٹا مَل نے کہا؛ ۱۳۔۱۲ اہاڑ کو ہر سال میلہ لگتا ہے جس میں تقریباً ایک لاکھ کے لگ بھگ سکھ شامل ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا کوئی مرکزی پروگرام ہوتا ہے؟ بوٹا مَل نے ہاں میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ اب یہاں حکومتی عہدیداران بھی شامل ہوتے ہیں اور قوال وغیرہ بھی آتے ہیں۔ جیسے جیسے لوگوں کی آس اُمید پوری ہوتی ہے ویسے ہی لوگ زیادہ سے زیادہ عقیدت مند ہوتے جا رہے ہیں۔ اِسی دوران باباجی حضور مزارِ اقدس سے باہر تشریف لے آئے اور سب آپ حضور کی طرف متوجہ ہو گئے۔

باباجی حضور نے حاجی لطف اللہ اور حاجی طارق محمود کا نام لے کر ارشاد فرمایا کہ وہ بھی قبر انور کے قریب کچھ دیر بیٹھ جائیں۔ چنانچہ دونوں آپ کے حکم کے مطابق اندر جا کر بیٹھ گئے۔ بعد ازاں وریندر نے بھی اندر جا کر دعا مانگی۔

میں نے مجاور سے پوچھا کہ اندازاً یہاں کتنے لوگ سلام کے لیے حاضر ہوتے ہیں تو اُس نے جواب دیا کہ وِیر وار (جمعرات) کو گاؤں کے کافی مرد و خواتین حاضری دیتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ وہ کب سے یہاں خدمت

سرانجام دے رہا ہے تو اُس نے کہا کہ مجھے چودہ سال ہو گئے ہیں۔

احاطے سے باہر درختوں سے گھِری ایک جگہ کے متعلق بوٹا مَل نے مجھے بتایا کہ یہ حضرت صاحب کرماں والے کی جگہ تھی جہاں اب ایک ڈسپنسری کے علاوہ سکھوں کی عبادت گاہ گوردوارہ بھی موجود ہے جبکہ علاوہ ازیں جگہ لوگوں نے اپنے نام کروالی۔ بابا جی حضور نے حضرت صاحب قبلہ کے آباؤ اجداد کی قبور کے متعلق پوچھا تو بوٹا مَل نے فوراً ایک سمت اِشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں آپ کے آباؤ اجداد کی قبور موجود تھیں۔ کچھ دور بھوسے کی چند ڈھیریوں کو مٹی لیپ کر محفوظ کیا گیا تھا۔ اُسی مقام پر شیشم کے درخت ہوتے تھے اور اِن درختوں والی جگہ پر ہی آپ کے آباؤ اجداد کی قبور تھیں۔ وہاں قریب جانا تو مشکل تھا لہذا بابا جی حضور نے اُسی جگہ کھڑے ہو کر فاتحہ خوانی کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں نے ہاتھ اُٹھا دیئے۔

دعا کے بعد بوٹا مَل نے بتایا کہ رَتے کے (ایک رہائشی مقام) کا رہنے والا ایک آدمی ۱۰۰ سال کے پٹے (لیز) پر وقف بورڈ سے اِس زمین کی الاٹمنٹ کروانے میں کامیاب ہو گیا مگر اُسے بھی سخت پریشانی اور نقصان کا سامنا کرنا پڑا لہذا وہ بھی چھوڑ چھاڑ کر چلا گیا۔

بابا جی حضور نے ذکر کیا کہ جب میں پاکستان سے آنے لگا تو مجھے بتایا گیا کہ ٹاہلیوں (شیشم کے درختوں) والی جگہ پر حضرت صاحب کے آباؤ اجداد کی قبور تھیں مگر اب وہ درخت نظر نہیں آتے تو ورِیندر کہنے لگا، شیشم کے درخت تو میں نے اپنی ہوش میں بھی دیکھے ہیں بعد میں ختم ہو گئے۔ وہاں سے ہم سب کرموں والا

کے سرپنچ مہندر سنگھ کے ڈیرے پر چلے گئے۔ جہاں کرموں والا اور اِسکے گردونواح سے کئی سرکردہ لوگ اکٹھے موجود تھے۔ اُنہوں نے پُر تپاک استقبال کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔ چونکہ دھوپ زیادہ تیز نہ تھی اور سردی بھی معمول کے مطابق تھی لہذا صحن میں کرسیوں پر ہم سب بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد سیاہ عینک لگائے نیلی پگڑی باندھے نسبتاً اُدھیڑ عمر ایک سکھ اندرونِ خانہ سے آیا اور بڑی محبت و تعظیم کے ساتھ باباجی سے ملاقات کی۔ بوٹا مل نے اپنی جگہ پر اُسے بٹھایا۔

سردار مہندر سنگھ نے بار بار ہاتھ جوڑ کر مہمانوں کا سواگت کیا اور کہنے لگا کہ آپ کے بزرگوں کے یہاں بہت عقیدت مند ہیں اور بوٹا مل نے اُس کی بات پر تائیدی لقمہ دیا۔

سردار مہندر سنگھ نے بیٹھتے ہی کہا کہ میں تو آپ سے ملنے کے لیے پاکستان میں آپکے گھر لاہور (باباجی حضرت کرماں والا مستقل سکونت سے قبل گڑھی شاہو، لاہور رہائش پذیر تھے) بھی گیا مگر وہاں سے پتہ چلا کہ آپ اوکاڑا چلے گئے ہیں جبکہ اُن کے پاس کوئی رابطہ نمبر بھی دستیاب نہیں تھا۔

باباجی نے سردار مہندر سنگھ کو پاکستان آنے کی دعوت دی تو اُنہوں نے پاکستان میں ایمرجنسی کو رکاوٹ قرار دیا جس پر باباجی نے فرمایا کہ ایمرجنسی ہمیشہ نہیں رہنی۔ سردار مہندر سنگھ نے کہا ہمارے لیے بہت بڑی بات ہے کہ آپ نے خود یہاں تشریف لا کر ہمیں درشن کروا دیئے ہیں۔

پھر سردار مہندر سنگھ نے کہا کہ میں نے یہاں پنچائیت گھر بنانا تھا اور یہ جگہ خالی پڑی ہوئی تھی مگر میرے پاس وسائل نہ تھے اِس لیے تعمیر کرنے سے ڈرتا تھا

چنانچہ ایک دن میں بوٹا مَل کے پتا جی (دھنا مَل) کے پاس گیا اور اُنہیں یہ بات بتلائی تو اُنہوں نے میرے کندھے پر تھپکی دے کر کہا، مہندر سنگھ! بابے داناں لئے کے بنادے۔ لہذا میں نے بابے کا نام لے کر جھگی بنالی اور ذرا بھر تکلیف نہیں آئی۔

سردار مہندر سنگھ بلا توقف کہنے لگا کہ اِن بزرگوں کی برکت سے ہمارے گاؤں میں کبھی اولے نہیں پڑے اور اگر کبھی پڑے بھی تو کوئی نقصان نہیں ہوا۔

بوٹا مَل نے سردار مہندر سنگھ سے کہا کہ سرکار کو ماتا جی والی بات سناؤ تو سردار مہندر سنگھ نے کہا کہ میری ماتا کو ٹائیفائیڈ بخار ہو گیا، ہم دوا لے کر آئے مگر ایک چمچ اُس کے منہ میں ڈالتے تو چار باہر نکال دیتی۔ اِسی دوران بوٹا مَل کے پتا جی (دھنا مَل) ہمارے ہاں آئے اور پوچھا، کیا بات ہے؟ میں نے ماتا جی کا حال بتلایا تو قریب بیٹھے ہوئے میرے بھتیجے گیان چند سے کہنے لگے، بھئی گیان! وہاں سے ایک کاغذ پکڑ کر لاؤ اور اِس پر حضرت کرماں والے سرکار کو چٹھی لکھو، بابے سے دعا کرواتے ہیں! چنانچہ چٹھی لکھ دی اور آٹھ دن بعد بڑے حضرت صاحب سرکار کی طرف سے جواب آیا کہ دھنیاں! ماتا جی کو گلقند کھلاؤ۔ چنانچہ گلقند کھلائی تو وہ بالکل ٹھیک ہو گئی اور بیس پچیس سال بعد فوت ہوئی۔

بوٹا مَل نے وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کے متعلق بتایا کہ یہ کرموں والے کے خاص لوگ ہیں چنانچہ بابا جی نے اُن سب کے لیے چند اُنس و محبت بھرے کلمات ادا فرمائے۔

سردار مہندر سنگھ کہنے لگا، جب میں پاکستان گیا تو وہاں ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا کہ سردار جی کہاں سے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ فیروز پور سے

آئے ہیں۔ اُس نے پوچھا کہ گاؤں کون سا ہے؟ میں نے کہا: کرموں والا، اُس نے یکدم مجھے کھڑا کر کے گلے سے لگالیا اور پرنام کیا اور کہنے لگا، دَھن ہے تمہاری، تم کرماں والی سرکار کے گاؤں سے آئے ہو! سبحان اللہ۔ اِس سے مجھے پتہ چلا کہ وہاں بھی آپ کے بہت عقیدت مند ہیں اور آپ پر اللہ کی بڑی کرپا ہے۔

بابا جی حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب کچھ اُنہی کا ہے اور ہم تو اُن کے غلام ہیں بلکہ اُن کے پاس آنے والوں کی جوتیاں سیدھی کرنے والے ہیں۔

پھر سردار مہندر سنگھ نے بتایا کہ ہمارے چیئرمین شام سنگھ (کرموں والے کا چیئرمین ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا) آپ کے لیے ہار وغیرہ منگوانا چاہتے تھے مگر جلدی میں منگوا نہیں سکے۔ اِس پر چیئرمین سردار شام سنگھ نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ میرا گاؤں رَتا کھیڑا ساتھ ہی تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ سردار شام سنگھ نے سامنے بیٹھے دو سکھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ میرا بھتیجا پردھان ہے اور دوسرا سرپنچ ہے، میں نے اِن سے کہا کہ کرموں والے بابے تشریف لا رہے ہیں، اُن کی زیارت کو چلنا ہے۔

بابا جی حضور نے بتایا کہ ہمارا پروگرام بھی ایکدم ہی بنا ہے۔ پھر سردار مہندر سنگھ نے ایک سردار جی ''اجیت سنگھ'' نامی کو اشارے سے بلاتے ہوئے بتایا کہ یہ میرے بعد سرپنچ بنے ہیں۔ اجیت سنگھ پاکستان سے ہجرت کر کے آئے ہیں، بوٹا مَل نے وضاحت کرتے ہوئے کہا اور اِن کا تعلق ''شام کوٹ'' سے ہے اور یہاں شام کوٹ کے حوالے سے ہی معروف ہیں۔ سردار ''اجیت سنگھ'' اُٹھ کر بابا جی کے قریب بیٹھ گیا۔

بابا جی حضور نے حاجی لطف اللہ سے پوچھا کہ تمہارا کون سا گاؤں ہے؟
حاجی لطف اللہ نے جواب دیا، ''داتے والا'' ۔ اِس گاؤں کا نام سن کر سب نے کہا کہ یہ گاؤں بھی قریب ہی ہے۔ پھر بابا جی نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے ایک بیلی کا ویزا نہیں لگا جو وِرک تھا۔ اِس پر سب نے سر ہلاتے ہوئے کہا کہ وِرک گاؤں بھی ساتھ ہی ہے۔ وریندر سنگھ نے کہا میں بھی اُس وِرک کو مل کر آیا ہوں، اُس نے آنا تھا مگر اُس کا ویزا نہیں لگا۔ سردار مہندر سنگھ بار بار بابا جی حضور کا شکریہ ادا کرتا اور بے حد خوشی کا اظہار کرتا رہا۔

حضرت کرموں والا کے چیئرمین ''شام سنگھ'' نے بابا جی کو بتایا کہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے نہر کے ساتھ ایک بنگلہ بنوایا تھا جو ابھی تک پیر والا بنگلہ کے نام سے مشہور ہے اگرچہ اب وہاں بنگلے کے صرف نشان باقی رہ گئے ہیں۔ اُسی بنگلے کے متعلق بوٹا مَل نے مزید بتایا کہ جب ہم اسکول پڑھتے تھے تو اُس بنگلے کو مسمار کر کے اُسکی اینٹیں اسکول کی نئی عمارت تعمیر کرنے کے لیے اٹھا لاتے۔ وہ بنگلہ واقعی بہت عالیشان تھا۔

شام کوٹ والے سردار جی ''اجیت سنگھ'' نے بتایا کہ کرموں والا میں وِیر وار (جمعرات) کوئی آدمی شراب نہیں پیتا۔ اگر کوئی مہمان بھی آیا ہو تو شراب نہیں پیتا۔ کرموں والا کے چیئرمین ''شام سنگھ'' نے فوراً تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ اِس پر سردار مہندر سنگھ نے کھڑے ہو کر اپنے نوجوان بھتیجے راجندر سنگھ نامی کو بلایا اور اُس کے پیٹ سے کپڑا ہٹا کر دکھاتے ہوئے کہنے لگا کہ اِس کے پیٹ سے گاڑی کا ٹائر گذر گیا اور آنتیں نکل کر باہر آ گئیں۔ ہم نے کوئی ڈاکٹر نہیں چھوڑا تھا مگر راجندر لحہ

بہ لحہ موت کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ مہندر سنگھ نے کرموں والا کے چیئرمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ بھی وہیں موجود تھا اور راجندر کو آکسیجن کی نالیاں لگی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹروں نے کہا: مہندر! ہمارے ہاتھ کھڑے ہیں اگر کوئی مَنت مان سکتے ہو تو مان لو۔ میں نے جواب دیا: ڈاکٹر صاحب! ہم تو گرو گرنتھ صاحب کو مانتے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے۔ پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ ہم مانتے تو کسی اور کو نہیں لیکن میں نے اپنے اِس بھتیجے سیوک سنگھ سے کہا کہ سیوک! ہم کسی اور کو مانتے تو نہیں مگر بابے میر طیب علی شاہ صاحب کی مَنت مان کر ہی دیکھ لو۔ مہندر سنگھ نے ایک نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ چنانچہ اِس نے جوتے اُتار کر بابے میر طیب صاحب کی مَنت مانی کہ میرے بھائی کی زندگی بچ جائے تو ہم آپکے نام پر دیگیں چڑھائیں گے۔ ابھی اِس نے جوتے پہنے نہیں کہ راجندر کو لگی ہوئی آکسیجن کی نالیاں اُتر گئیں اور وہ بھلا چنگا ہو گیا۔ بس اُس دن کے بعد ہم وِیروار کے دن نہ تو شراب پیتے ہیں، نہ پلاتے اور نہ ہی کسی کو دیتے ہیں۔

میں نے بوٹا مَل سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ فرید کوٹ کے راجے والی بات ذرا سنا دیں تو بوٹا مَل نے کہا کہ ہمارے پِتا جی بتایا کرتے کہ فرید کوٹ کے راجہ کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا، انتقال کر جاتا۔ حضرت صاحب قبلہ کو معلوم تھا کہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ یہاں آئے تھے اور فرید کوٹ کے راجہ کے سپاہیوں سے غلطی ہوئی کہ باوا صاحب کو بھی مزدوروں میں شامل کر کے بیگار پر لگا لیا مگر گارے والے برتن باوا صاحب کے سر سے ایک بالشت اونچا ہوا میں معلق ساتھ ساتھ چلتا دیکھ کر وہ بڑے پشیمان ہوئے مگر باوا صاحب ناراض ہو گئے۔ چنانچہ راجہ کی مائی حضرت

صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ سرکار ہم سے غلطی ہوئی مگر راجہ کی بہت بڑی جاگیر کے لیے وارث سے ابھی تک محروم ہیں اور کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا۔ اِس پر حضرت صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جگہ تعمیر نہ کرو بلکہ کسی اور جگہ تعمیر کا کام کرو۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا تو مسئلہ حل ہو گیا۔

بوٹا مل نے مزید کہا کہ جب ہم پاکستان جا کر کسی سے کرماں والی سرکار کے بارے میں پوچھتے ہیں تو سب کو پتہ ہوتا ہے۔ اِس بات کے فخر سے ہمارا سر اونچا ہوتا ہے۔ ایک معمر سردار جی نے کہا کہ میں پتوکی تک گیا مگر وہاں سے واپس لوٹ آیا تو بابا جی نے ارشاد فرمایا کہ پتوکی سے حضرت کرماں والا شریف آدھے گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ پھر ایک سردار جی کہنے لگے، ہمارا گاؤں پتوکی کے قریب 28 چک ہے۔ اُس کی بات سن کر حاجی لطف اللہ صاحب بولے کہ یہ بابے بشیر والے چک 26 کے پاس ہی ہے۔

اِسی دوران کرموں والا میں بابا جی میر طیب علی صاحب کے میلہ کی تاریخ تبدیل کرنے کا مشورہ ہونے لگا تو بوٹا مل نے بابا جی حضور سے عرض کیا کہ قبل ازیں ہم ۱۳۔۱۲ اہاڑ کو میلہ مناتے تھے مگر اب آپ جو حکم فرمائیں ویسا ہو گا۔ بابا جی حضور نے فرمایا کہ جو تاریخ آپ کو مناسب لگتی ہے، مقرر کر لیں مگر ہم وہاں ۲۸۔۲۷ فروری کو عرس شریف کیا کرتے ہیں۔ ابھی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک معمر سکھ نہایت ادب واحترام سے آگے بڑھ کر بابا جی حضور سے ملا تو کسی نے بتایا کہ یہ پاکستان میں جمبر کے علاقے سے ہے۔ بابا جی فرمانے لگے کہ یہاں والے وہاں جمبر میں بیٹھے ہوئے ہیں تو اُس سردار نے کچھ ایسے انداز میں ''اچھا جی!'' کہا کہ

سب مسکرا پڑے پھر بابا جی نے پوچھا کہ میاں سجاول یا سلطان خاں سوڈھی کے گاؤں کا کوئی بندہ ہو؟ تو اُنہوں نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا پھر اُسی معمر سردار جی نے مَدر کھائی کے متعلق ایک دوسرے سکھ سے کوئی بات کی تو حاجی لطف اللہ صاحب نے لقمہ دیا کہ وہ بھی ساتھ ہی ہے۔ اِس پر ایک سکھ نے تصدیقی انداز میں پوچھا کہ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ 26 چک اور مدر کھائی قریب قریب ہی ہیں۔

تمام لوگ اپنے اپنے گاؤں کا نام لینے لگے۔ ہمیں یہاں بیٹھے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ ایک نو وارد سردار جی سبز پگڑی باندھے بابا جی سے ملے اور بیٹھ گئے۔ یادیں تازہ ہوتی رہیں، گفتگو اور خیالات کا تبادلہ بھی جاری رہا مگر تمام باتوں کا لبِ لباب یہی تھا کہ بابے میر طیب صاحب کی برکت سے یہاں رہنے والے لوگوں کو بے شمار فائدے ہوئے جس میں قدرتی آفات سے حفاظت کا ذکر اُنہوں نے کئی مرتبہ کیا بلکہ یہاں تک بتایا کہ کرموں والا میں آج تک کسی کو سانپ نے ڈنگ نہیں مارا۔ اِن سب باتوں کو اُنہوں نے بابے میر طیب علی صاحب کی مہربانی اور کرامت سے تعبیر کیا۔

بوٹا مَل اور سردار مہندر سنگھ نے ایک مرتبہ پھر میلے کی تاریخ کا موضوع چھیڑ دیا اور اِسی دوران سردار مہندر سنگھ نے سبز پگڑی والے سردار جی سے مخاطب ہو کر بابا جی حضور کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ بابا میر طیب علی صاحب اِن کے تایا جی ہیں اور اِن کا نام بھی اُنہی کے نام پر ہے۔ بابا جی حضور نے میلے کی تاریخ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ مارچ یا اپریل کی کوئی تاریخ رکھ لیں تو اُنہوں نے مارچ کی کسی تاریخ کے چناؤ پر اتفاق کر لیا۔

اِس کے فوراًبعد جب وہاں سے اگلی منزل کی طرف رختِ سفر باندھنے کے آثار پیدا ہونے لگے تو بوٹا مَل اور کرموں والا کے لوگ باباجی حضور کے ساتھ ویڈیو ریکارڈنگ کے سامنے کھڑے ہو کر اِن قیمتی یادوں کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کرنے لگے۔

سردار مہندر سنگھ نے باباجی حضور سے اپنے گھر میں قدم رنجہ ہونے کی درخواست کی تو باباجی کچھ دیر کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں سردار مہندر سنگھ کی فیملی کی (جو غالباً سردار مہندر سنگھ کی بہو تھی) ایک خاتون نے باباجی حضور سے عرض کیا کہ میں اکثر اِن سے کہتی ہوں کہ بابے میر طیب صاحب کے مزار پر میلہ لگا کر لاکھوں روپیہ ضائع کرتے ہو اِس سے بہتر ہے کہ بابے کے مزار کا عالیشان گنبد بناؤ کیونکہ جس گاؤں سے میرا تعلق ہے وہاں ایک دربار بنا ہوا ہے جس کے لیے بعض لوگوں نے انگلینڈ سے نذرانے بھیجے ہیں اور بہت ہی خوبصورت دربار ہے۔ اِس پر باباجی حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں اِن سب سے بھی مزار کی تعمیرِ نو کے لیے کہوں گا بلکہ خود بھی پاکستان سے کچھ نہ کچھ بھجواؤں گا۔ اِس پر سردار مہندر سنگھ وغیرہ نے کہا کہ آپ جس طرح کہیں ہم مزار بنانے کے لیے تیار ہیں مگر اِس کے لیے آپ کو پاکستان سے اپنا کوئی آدمی بھیجنا پڑے گا کیونکہ ہمیں بابے میر طیب صاحب کی جگہ پر جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے چہ جائیکہ ہم وہاں کوئی تعمیراتی کام شروع کر سکیں۔

یہاں سے اُٹھ کر ہم گاؤں کے اندر چلے گئے جہاں حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد اور رہائش وغیرہ کے مقامات کی زیارت کی۔ مسجد والی جگہ پر لوگوں نے اپنے مکانات تعمیر کر لیے ہیں۔ بوٹا مَل اور وریندر نے مجھے

تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ آپ سرکار کی مسجد کافی وسیع تھی اور مکانات کے درمیان ایک خالی جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بوٹا مل نے بتایا کہ یہاں مسجد کے آثار ہوا کرتے تھے جس کی تائید میں وریندر نے بتایا کہ میں نے اپنے بچپن میں وہ مینار وغیرہ دیکھے ہیں اور مجھے ابھی تک یاد ہے۔ بوٹا مل نے یہ بھی بتلایا کہ یہاں پہلے پہل اسکول لگتا رہا مگر پھر آہستہ آہستہ حالات کی تبدیلی کے ساتھ لوگوں نے قبضہ کر کے مکانات تعمیر کر لیے۔

کرموں والا میں ہم نے بابا دھنا مل کا گھر بھی دیکھا جس میں کسی کی رہائش کے علاوہ درزی کی دکان اور ایک کلینک بنا ہوا تھا۔ بعدازاں ہم بابا دھنا کے چھوٹے بیٹے کے گھر گئے اور اُس سے ملاقات کی۔ اُس کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے حالات میں اُلجھا ہوا ہے یا پھر شاید اُسے اِن باتوں سے کچھ زیادہ واقفیت حاصل نہیں ہوئی۔ بہر حال بابا جی نے اُس کے ساتھ بھی بڑی ہمدردی کے ساتھ پُر تپاک ملاقات کی۔

اب ہم کرموں والا سے آگے جانا چاہتے تھے مگر بابا جی میر طیب علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مزارِ اقدس بہت خوب مقام پر تھا کہ گاؤں کے اندر جاؤ یا گاؤں سے باہر نکلو، بابا جی میر طیب علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سلام کرنا ایک خود رَفتہ عمل معلوم ہوتا تھا۔

حضرت کرموں والا کے داخلی راستے پر ایک بورڈ نصب تھا جس پر ہندی میں کچھ عبارت درج تھی۔ سرخ روشنائی کے ساتھ ''خوش آمدید'' اور سبز رنگ میں ''نیو سٹار یوتھ کلب'' جلی حروف میں درج تھا۔ اُس کے نیچے رجسٹرڈ نمبر 35 اور پھر

اگلی سطر میں لفظ ''پنڈ'' کے سامنے ''کرموں والا'' (ਕਰਮਾਂਵਾਲਾ) اور ''بلاک گھل کوٹ'' لکھا ہوا تھا۔ واپس نکلنے سے قبل ہم سب نے ایک مرتبہ پھر بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ صاحب کے دربار شریف پر حاضری دی اور سلام عرض کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے۔

حضرت صاحب کرماں والے کا نہر والا بنگلہ میرے ذہن میں بار بار کسی تصور یا خیال کی طرح آتا جاتا رہا یہاں تک کہ ہم نہر کے قریب اُسی جگہ پہنچ گئے جہاں حضرت صاحب قبلہ نے بڑے شوق سے کوٹھی خریدی تھی تاہم ابھی اُس میں رہائش اختیار نہیں کی تھی کہ آپ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔

گاڑیاں رُک گئیں اور ہم نیچے اُتر کر ایک وسیع زرعی رقبے کو دیکھنے لگے جو بوٹا مَل کے مطابق حضرت صاحب قبلہ کے نہر والے بنگلہ کی جگہ تھی۔ اُنکے مطابق ۱۲۵ ایکڑ جگہ پر محیط ''کنال ریسٹ ہاؤس'' کا یہ عالیشان بنگلہ کسی قلعے سے کم نہ تھا۔ تقسیم ہندوستان کے بعد لوگوں نے اسے مکمل طور پر اُدھیڑ چھوڑا تھا مگر پھر بھی سڑک کنارے اُس کی چند بنیادیں ابھی تک باقی نظر آ رہی تھیں۔ بوٹا مَل نے ہمیں بتایا کہ بچپن میں حصولِ تعلیم کے دوران اِن کے ٹیچر اِس بنگلے کی اینٹیں اُکھاڑ لانے کے لیے کہا کرتے تھے۔

کچھ دیر وہاں رُکنے کے بعد ہم حضرت کرماں والا کے قریب واقع ڈاکٹر سریندر کے گاؤں چلے گئے جہاں ہمیں ڈاکٹر سریندر کی دعوت پر دوپہر کا کھانا تناول کرنا تھا۔ ڈاکٹر سریندر نے محبت وخلوص بھرے استقبال کے بعد پُرتکلف کھانا پیش کیا۔ چونکہ ہندو اور سکھ گوشت نہیں کھاتے اِس لیے کھانا کھانے سے قبل ڈاکٹر

سریندر نے ہمیں بتلایا کہ میں نے آپ کے لیے خصوصی طور پر اپنے ایک مسلمان دوست ڈاکٹر محمد اقبال (آرتھوپیڈک سرجن) کے ذریعے بازار سے مرغی کا گوشت منگوایا اور اُسی کی بیوی سے درخواست کر کے پکوایا ہے۔ ڈاکٹر سریندر نے پہلے ڈاکٹر محمد اقبال سے ہماری ملاقات کروائی پھر ہماری طرف سے تسلی کے باوجود مجھے باورچی خانے میں ساتھ لے گیا جہاں ڈاکٹر محمد اقبال کی بیوی سے متعارف کرانے کے بعد کھانا پکانے کی تصدیق کروائی۔ شاید ڈاکٹر سریندر اِس بات کو مدِ نظر رکھ رہا تھا کہ کہیں مہمانوں میں سے کوئی کراہت کے احساس کے ساتھ کھانا کھائے اور بے چین رہے لہذا اُس نے پوری پوری تصدیق کروائی۔

کھانے کے بعد ڈاکٹر سریندر کے والد سے ہماری ملاقات ہوئی جس نے کرموں والے کے بارے میں کچھ تفصیلات اور معلومات سے آگاہ کیا جن کے مطابق حضرت صاحب قبلہ اور بابے میر طیب صاحب کی نسبت علاقے میں بہت زیادہ عقیدت واحترام کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

یہاں سے ہم تلونڈی میں بوٹا مل کے گھر واپس آ گئے۔ سہ پہر کے ۳:۰۰ بج چکے تھے اور بوٹا مل کے گھر دور دراز سے لوگ موجود تھے۔ وہاں ہمیں بعض لوگوں سے ملاقات کے لیے رُکنا پڑا جن میں شامل ایک آدمی کا نام حضرت صاحب قبلہ نے رکھا تھا۔ یاد رہے کہ بوٹا مل کا نام بھی حضرت صاحب کرماں والے سرکار نے رکھا تھا بلکہ بوٹا مل کی ایک بہن کا نام بھی حضرت صاحب قبلہ نے ہی رکھا تھا جو کچھ عرصہ قبل فوت ہو چکی تھی۔

ملاقات کے بعد تقریباً ۴:۰۰ بجے شام ہماری روانگی ہوئی اور ہم تلونڈی

سے ''زیرہ'' پہنچ گئے جہاں بوٹا مَل کی پوتی نے ہمیں مدعو کر رکھا تھا مگر ہم وہاں سے ایک نواحی گاؤں کی طرف چلے گئے جہاں سبھاش کمار نے ہمیں بابا فارگ شاہ کے دربار پر آنے کی دعوت دی تھی۔

جب ہم اُس گاؤں میں پہنچے تو وہاں ایک دربار دیکھا جو بابا فارگ شاہ کا دربار تھا جن کے متعلق سبھاش کمار کا کہنا تھا کہ وہ اکثر میرے اندر نزول فرماتے ہیں۔ بابا جی حضور کے استقبال کے لیے سب لوگ وہاں موجود تھے۔ بابا جی نے گاڑی سے نیچے قدم رکھا اور جلدی سے جوتے اُتار کر دربار شریف کے اندر چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد آپ باہر تشریف لائے اور دربار سے ملحقہ تین ایکڑ جگہ پر ایک گہری نظر ڈال کر آپ نے مقامی لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ یہ جگہ خرید لو۔ ہم سب حیران رہ گئے کہ اِس پردیس میں بابا جی چند غیر شناسا لوگوں کو زمین خریدنے کی تاکید کیوں فرما رہے ہیں؟ مگر اِس کا پس منظر ہمیں بعد میں معلوم ہوا جو کچھ اِس طرح ہے کہ بابا جی حضور نے چند دن قبل رات کو خواب میں حضرت صاحب سرکار کے ایک دیرینہ خادم بابا اسماعیل نمبردار کو دیکھا جس نے بابا جی کو تقریباً تین ایکڑ زمین دِکھلائی اور خریدنے کا مشورہ دیا۔ بابا جی نے بابے اسماعیل نمبردار سے کہا کہ یہ زمین تو سخت ہے اِس پر نمبردار نے جواب دیا کہ آپ تھوڑی محنت کریں گے تو ٹھیک ہو جائے گی۔

یہ خواب بابا جی نے مجھے اور حکیم محمد ارشاد کو پہلے بتایا تھا۔ پہلے تو مجھے وہ خواب یاد نہیں رہا مگر بابا جی کی یاددہانی پر اب مجھے یاد آ گیا چنانچہ بابا جی نے ہمیں بتایا کہ ''بابا فارگ شاہ کے دربار کے ساتھ والی زمین بعینہٖ وہی تھی جو مجھے بابے

اسماعیل نمبردار نے خواب میں دکھلائی اور خرید نے کا مشورہ دیا تھا۔اِس لیے میں نے بے ساختہ وہ زمین خرید نے کی تاکید کردی۔"

بابا فارگ شاہ کے دربار پر حاضری دینے کے بعد ہم سب دربار کے ساتھ قائم شدہ حجرات میں سے ایک حجرے میں بیٹھ گئے جہاں سبھاش کمار نے چائے پیش کی اور مزید تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ ہر جمعرات کو یہاں تقریباً ۲۵۔۲۰ ہزار لوگوں کا مجمع ہوتا ہے حالانکہ اِس علاقے میں کوئی مسلمان نہیں رہتا۔ تین ایکڑ زمین کے متعلق سبھاش کمار نے عرض کیا کہ اُس پر کچھ مقدمہ وغیرہ ہے تو آپ نے ارشادفرمایا: کوئی بات نہیں، خریدلو۔

وہ لوگ اصرار کرنے لگے کہ باباجی اِس تاکید کی اصل وجہ سے اُنہیں آگاہ کریں تو باباجی نے بعد میں بوٹامل کی پوتی کو بتایا کہ میں نے اِس زمین کو خریدنے کے بارے میں سپنادیکھا تھا۔

پھر اُنہوں نے سوال کیا کہ اس جگہ کوخریدنے کے بعد کیا کریں؟ آپ نے ارشادفرمایا کہ چاردیواری کرنے کے بعد خیال رکھنا کوئی اَن دھوتا (ناپاک) اِس جگہ کے اندر نہ جائے کیونکہ یہ پوِتر (پاک) جگہ ہے لہٰذا ''اگربتی'' جلایا کرنا۔

سبھاش کمار سے ملاقات کے بعد ہم بوٹامل کی پوتی کے گھر ''زیرے'' آگئے اور وہاں اُس گاڑی کا انتظار کرنے لگے جس پر ہمیں اگلی زیارات کا سفر اختیار کرنا تھا۔

بوٹامل کی پوتی کے ہاں چائے وغیرہ پینے کے دوران وریندر نے گاڑی منگوالی اور اِس طرح ہم تقریباً ۷:۳۰ یا ۸:۰۰ بجے رات سرہند شریف

حاضری کے لیے روانہ ہو گئے۔

سفید رنگ کی ٹیوٹا کالس گاڑی کو ''کلونِدر رگل'' نامی ڈرائیور چلا رہا تھا جس کا کہنا تھا کہ وہ اجمیر شریف کے راستے سے بخوبی واقف ہے کیوں کہ جے پور میں گاڑی کے مالک کا بیٹا بیاہا ہوا ہے اور یہ کئی مرتبہ اُن کے ساتھ گیا تھا۔کلونِدر رگل کے ساتھ ملاقات کے بعد بہت جلد ہمیں اُس کی ایک عادت سے شناسائی حاصل ہوئی کہ وہ زیادہ تر سوالات کے جواب میں منہ سکیڑ کر ''چی'' کی آواز نکال دیتا۔ اِس میں خوش طبعی کا رنگ اُس وقت شامل ہوا جب حاجی لطف اللہ صاحب کو بھی یہی عادت پڑ گئی۔ ہم نے ڈرائیور کلوندر رگل کو سرہند شریف جانے کے لیے کہا اور سفر پر روانہ ہو گئے۔

زیرہ سے نکل کر ہم فیروز پور روڈ سے دہلی روڈ پر آ گئے۔تقریباً اڑھائی تین گھنٹے سفر کرنے کے بعد ہم دہلی روڈ سے بائیں ہاتھ ایک اوور ہیڈ برج عبور کرنے کے بعد سرہند شریف کے وسط میں ایک کھلی جگہ پہنچ گئے۔ چونکہ نصف شب ہونے کو تھی اِس لیے رَش کچھ زیادہ نہیں تھا بلکہ ہمیں راستہ معلوم کرنے میں دشواری کا سامنا ہوا۔ یہاں آ کر ہمیں معلوم ہوا کہ سرہند شریف کو مقامی لوگ ''فتح گڑھ'' بھی کہتے ہیں۔

تھوڑی دیر اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد ہمیں حضرت خواجہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کا گنبد نظر آ گیا اور ہم اُسی طرف چل پڑے اور ایک مرکزی سڑک سے مڑتے ہوئے ہم درگاہ شریف کے مرکزی دروازے پر پہنچ گئے جہاں درگاہ شریف سے ملحقہ ہمیں ایک گوردوارہ بھی نظر آیا۔

درگاہ شریف کے عالیشان کمپلیکس کے مرکزی دروازے کے قریب سڑک کنارے ہم نے گاڑی پارک کی اور قدیم طرز تعمیر سے ملتے جلتے نیلے رنگ کے مرکزی دروازے کی جانب چل دیے۔ ہم نے احتراماً دروازے سے باہر جوتے اُتار دیے۔ وہاں چند نوجوان موجود تھے جنہوں نے ہمارے حلیے اور انداز و اطوار سے غیر ملکی ہونے کا اندازہ لگا کر مہمان خانہ کھلوا دیا پھر یہ بھی معلوم کیا کہ رات ٹھہریں گے یا فقط سلام ہی کریں گے۔ خلیفہ صاحب کے متعلق بتلایا گیا کہ وہ ابھی جاگ رہے ہیں چنانچہ ہم اُن کے ساتھ ملاقات کر سکتے ہیں۔

درگاہ شریف میں دو خوبصورت مکان، چند دکانات اور کچھ حجرے بھی موجود تھے جن میں لوگ موجود تھے اور بعض حجرات میں کچھ لوگ تحریر اور تعلیم و تربیت میں مصروف تھے۔

ہم نے سلام کرنے اور خلیفہ صاحب سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا تو کچھ دیر بعد خلیفہ صاحب تشریف لے آئے۔ ہم نے خلیفہ صاحب کو اپنا تعارف بتایا اور حاضری وسلام کے لیے عرض گذار ہوئے۔ درگاہ شریف کی مسجد میں ہم نے وضو کیا اور پھر خلیفہ صاحب کی قیادت میں کچھ دائیں بائیں مڑنے کے بعد روضہ اقدس کا دروازہ آیا تو اُنہوں نے مزارِ اقدس کا دروازہ کھول دیا۔

میں اندر ہی اندر رعب و دبدبہ سے لرز رہا تھا کیونکہ یہ وہ بارگاہ تھی جہاں علامہ محمد اقبال جیسی شخصیت نے حاضری دیتے ہوئے کہا ۔

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمئ احرار
وہ ہند میں سرمایہ ء ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں میری بینا ہیں ولیکن نہیں بیدار

مزار شریف کے اندر کچھ دیر ہم سب کھڑے رہے پھر حضرت خواجہ مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں کی جانب بیٹھ گئے۔ کچھ دیر مراقب رہنے کے بعد سب نے خلیفہ صاحب کے پیچھے کھڑے ہو کر دعا کی اور کافی دیر تک دعا جاری رہی۔ بعد ازاں ہم حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کی تربت مبارک پر حاضر ہوئے اور وہاں بھی حاضری دینے کے بعد دعا کی۔ ہم حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دینا چاہتے تھے مگر دروازہ بند تھا لہذا باہر سے سلام عرض کرنے کے بعد ہم نے خلیفہ صاحب کی خدمت میں کچھ نذرانہ پیش کیا جسے اُنہوں نے قبول کرتے ہوئے ہمیں شرینی دی اور ہم اُن کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اِک عجب احساس وخمار میں اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

دہلی روڈ سے نیچے اُتر کر ہم جس طرح سرہند شریف میں داخل ہوئے اُسی طرح واپس دہلی روڈ پر ایک مرتبہ پھر محوِ سفر ہو گئے۔

گذرتی ہوئی شب آدھی سے کچھ زیادہ مسافت طے کر چکی تھی اور ہم ایک گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد ایک جگہ "حویلی ریسٹورنٹ" پر رُک گئے۔ یہ کافی خوبصورت جگہ تھی۔ میں نے اُتر کر ایک کینیڈین پیزا شاپ پر ویجی ٹیبل پیزا آرڈر کیا۔ یہاں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ ریسٹورنٹ میں ایک اونٹ روایت اور ثقافت کے اظہار کے لیے سجا کر بٹھایا ہوا تھا جو بالکل ساکت و جامد بیٹھا ہوا تھا یہاں تک کہ اُس کے گلے میں پڑی رسی بھی ساکن تھی۔ حاجی لطف اللہ صاحب بضد ہو گئے کہ یہ حنوط شدہ اونٹ ہے کیونکہ وہ بال برابر بھی حرکت نہیں کر رہا تھا مگر بابا جی مسکرائے اور حاجی صاحب کو بتایا کہ یہ اصلی اور زندہ اونٹ ہے۔ حاجی لطف اللہ تصدیق کرنے کے لیے جیسے ہی اُس کے قریب پہنچے تو وہ اونٹ ایکدم گردن موڑ کر اپنی طرف بڑھتے ہوئے حاجی صاحب کی طرف دیکھنے لگا جس پر حاجی صاحب جلدی سے واپس لوٹ آئے اور کہنے لگے، یہ تو بڑا ہی خاموش بیٹھا ہے بھئی! اِس پُر مزاح نظارے نے سب کی طبیعت ہشاش بشاش کر دی۔

حویلی ریسٹورنٹ میں سب نے کافی اور چائے وغیرہ سے تکان اُتاری مگر گل نے مسلسل ڈرائیونگ سے اُکتاہٹ کا اظہار کیا تو میں گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور ہمارا سفر ایک مرتبہ پھر جاری ہو گیا۔

رات پچھلے پہر میں ڈھلتی جا رہی تھی اور ہم دہلی روڈ پر رواں دواں تھے۔ اِس وقت بھی دہلی روڈ پر کافی رَش تھا۔

تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے کی مسلسل ڈرائیو کے بعد مجھے ایک بورڈ نظر آیا جس پر "پانی پت۔ 20 کلومیٹر" کا اشاریہ درج تھا۔ میرا خیال فوراً حضرت

بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف گیا اور ہم سب نے وہاں حاضری کا پروگرام بنالیا کیونکہ حضرت بوعلی شاہ قلندر کے ساتھ حضرت صاحب قبلہ کا بیحد روحانی تعلق و نسبت و اُنس تھا جس کا اظہار اِس واقعہ سے ہوتا ہے جسے بابا نور عالم مرحوم نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ حضرت بوعلی شاہ قلندر کی درگاہ پر حاضری کے لئے پانی پت تشریف لے گئے۔ درگاہ کے سب مست آپ کے گرد و پیش منڈلانے لگے۔ سب نہایت مسرور نظر آتے تھے۔ دو مست بطور پہرے دار سارا وقت آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔ حاضری کے بعد آپ منشی عطا محمد خان صاحب کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دور گئے کہ سامنے راستہ میں زمین پر کچھ چمکدار چیز پڑی نظر آئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''منشی جی! دیکھو وہ کیا چیز ہے؟'' اُنہوں نے اٹھا کر بغور دیکھنے کے بعد عرض کیا کہ حضور سونے کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسے سنبھال کر رکھ لیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا قلندر صاحب کی درگاہ عالیہ سے کرایہ عطا ہوا ہے۔ آستانہ عالیہ کرموں والا شریف پہنچ کر دوسرے دن بابو نور عالم صاحب کو سنار کے پاس وہ عطیہ دے کر بھیجا تو سنار نے کہا کہ یہ خالص سونے کا ٹکڑا ہے۔ جب وزن کر کے قیمت معلوم کی گئی تو وہ ٹکڑا ساڑھے سات روپے کا تھا اور پانی پت سے فیروز شاہ اسٹیشن کا کرایہ بھی پورا ساڑھے سات روپے تھا۔

پانی پت سے تقریباً 10 کلومیٹر پہلے ایک درگاہ نظر آئی۔ میں نے خیال کیا شاید یہی حضرت بوعلی شاہ قلندر سرکار کی درگاہ ہے مگر پھر معلوم ہوا کہ وہ کوئی ٹرک سٹاپ ہے اور حضرت بوعلی شاہ قلندر کی درگاہ یہاں سے آگے ہے تاہم بابا جی نے

وہاں پر گاڑی سے نیچے اُتر کر دعا کی۔

تھوڑی دیر سفر کرنے کے بعد ہم پانی پت پہنچ گئے۔ وہاں اسٹاپ پر دو آدمی کھڑے ہوئے تھے، اُن سے درگاہ شریف کا راستہ پوچھا تو اُنہوں نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ بائیں ہاتھ کچھ آگے جا کر درگاہ شریف کا رستہ ہے۔ جب کچھ آگے پہنچے تو اندھیرے کی وجہ سے راستہ پھر سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہاں ایک خاکروب صفائی کرتا ہوا دکھائی دیا تو اُس سے راستہ پوچھا اور اُس نے ایک گلی کی طرف اشارہ کر دیا۔ ہماری زبان اُردو ہو گئی تھی کیونکہ یہاں پنجابی کی بجائے ہندی زبان استعمال ہوتی ہے اور ہندی زبان بولنے میں تقریباً اُردو کی طرح ہے۔ یہ علاقہ پرانے لاہور کی مانند تنگ و تاریک گلیوں پر مشتمل تھا جس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ گاڑی کے ساتھ دن کے وقت یہاں داخل ہونا کافی مشکل ہوتا۔ گلیوں میں گھومتے ہوئے مجھے ایک دفعہ تو یوں محسوس ہوا جیسے ہم درگاہ شریف کا راستہ پھر چھوڑ بیٹھے ہیں مگر جیسے ہی گاڑی نے ایک موڑ کاٹا تو سامنے مسجد کے مینار اور سبز رنگ والا پرانی طرز کا ایک بڑا دروازہ نظر آیا جس سے ہمیں اندازہ ہو گیا کہ یہی درگاہ شریف ہے چنانچہ دروازے سے کچھ فاصلے پر ہم نے گاڑی روک دی۔

تقریباً ۳:۱۵ بجے رات کا وقت تھا اور وہاں تین افراد موجود تھے جن میں سے ایک نوجوان، ایک سِن رسیدہ اور ایک نسبتاً اُدھیڑ عمر چادر پوش مجذوب جو ایک خالی دکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔

بابا جی نے مجھے فی الفور اُس مجذوب کو نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے سردی کی وجہ سے تیمم پر اکتفاء کیا اور دیگر دو افراد سے تعارف کروانے کے بعد

حاضری دینے کی خواہش کا اظہار کیا تو نوجوان اور معمر شخص نسبتاً اونچی آواز میں ''میاں صاحب دروازہ کھولو'' کی آوازیں دیتے ہوئے دروازہ کھٹکھٹانے لگے۔

دروازہ کھٹکھٹانے کے دوران مجذوب نے دفعتاً بابا جی حضور سے مخاطب ہو کر معرفت بھرے مبہم انداز میں پاکستان میں پھیلنے والی بدعقیدگی کے جراثیم اور حکمرانوں کی رَوش کے متعلق کچھ کہا تو بابا جی نے دوٹوک انداز میں کچھ یوں فرمایا، ہم کسی کا پتہ نہیں ہمیں تو سائیں کے غلام ہیں۔ جس پر اُس نے تقریباً اتنی آہستہ آواز میں ''چلیں دروازہ کھول دیں جی'' کہا کہ مجھے گمان ہوا شاید یہ جملہ دروازے سے باہر کھڑے دونوں اشخاص بھی نہیں سن پائیں گے مگر عین اُسی وقت آہستگی کے ساتھ دروازہ کھلتا چلا گیا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔

اندازاً ۶۰ سال عمر کے لگ بھگ ایک بزرگ اندر موجود تھے جنہوں نے دروازہ کھولا تھا۔ دربار شریف کے احاطہ میں فرش وغیرہ لگایا جا رہا تھا اور کچھ دیگر تعمیراتی کام جاری تھا۔ درگاہ شریف کا مرکزی دروازہ بند تھا جسے دن نکلنے پر کھولا جانا تھا لہٰذا بابا جی نے باہر سے سلام عرض کیا اور حاضری دی۔

حضرت بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت سرخ پانی پتی کی تربت مبارک تھی اور قدموں والی جگہ پر جہانگیر کے ایک وزیر کی قبر تھی جس پر باقاعدہ کتبہ لگا ہوا تھا۔ وہاں پر ہم نے ایک اور قبر مبارک پر حاضری دی، صاحب مزار کے متعلق بابا جی حضور نے بتایا کہ یہ تحفۂ غوثیہ کے مصنف ہیں۔

درگاہ شریف میں وضو کرنے کے لیے ایک خوبصورت حوض تھا جس میں پھولوں کی ٹوکریاں تیر رہی تھیں اور حوض کے قریب ہی صحن میں الطاف حسین حالی

کی قبر بھی موجود تھی غالباً اِسے دیکھ کر حاجی لطف اللہ صاحب نے ہم سب کی توجہ مبذول کرانے کے لیے کہا: یہ دیکھو! الطاف حسین حالی کی قبر یہاں ہے جس پر بابا جی حضور نے ارشاد فرمایا: ''جب بادشاہوں کی بارگاہ میں حاضری دیں تو اِدھر اُدھر توجہ نہیں کرنی چاہیے''

پانی پت سے تقریباً ۴:۰۰ بجے ہمارا اگلا سفر شروع ہو گیا۔ ہماری گاڑی کا ڈرائیور رگل کافی تھک چکا تھا لہذا بابا جی کے حکم پر میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ ایک مرتبہ پھر ہم دہلی روڈ پر رواں دواں تھے جسے مقامی لوگ جی۔ٹی روڈ بھی کہتے ہیں۔ راستے میں ہم ایک مرتبہ پھر ''حویلی ریسٹورنٹ'' پر رُکے اور کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد دوبارہ روانہ ہو گئے۔ حویلی ریسٹورنٹ ہائی وے پر قائم شدہ آرام کرنے اور کھانے کے مقامات کی ایک چین Chain ہے۔

تقریباً ۵:۳۰ بجے صبح ہم دہلی شہر میں داخل ہو گئے۔ میرے لیے ٹریفک کا اژدھام بہت گہری حیرت کا باعث تھا کیونکہ یہاں اعلیٰ الصبح ٹریفک ایسے جام تھی جیسے لاہور میں اسکولز اور دفاتر سے چھٹی یا حاضری کے وقت ہوا کرتی ہے۔

گاڑی آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی جیسے ہی ایک چوک کے قریب پہنچی تو بابا جی ذرا سنبھل کر بیٹھ گئے اور میں نے گاڑی ایک طرف پارک کر دی۔ ڈرائیور رگل ہمارے ٹھہرنے کے لیے کسی ہوٹل کی معلومات حاصل کرنے نیچے اُتر گیا۔

بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ قریبی چوک کا نام ''چاندنی چوک'' ہے۔ یہ وہی چوک ہے کہ جس کے متعلق بعض صاحبانِ طریقت نے فرمایا کہ یہاں ہر وقت اللہ کا ایک ولی موجود ہوتا ہے۔ اِسی ضمن میں حضرت صاحب قبلہ سے نقل کردہ ایک

واقعہ اُسی جگہ باباجی حضور نے ہمیں سنایا کہ ایک شخص نے اپنے پیرومرشد سے پوچھا کہ اِس وقت قطبِ زماں کون ہے تو اُنہوں نے پہلے پہل ٹال مٹول سے کام لیا مگر اُسکے اصرار پر چاندنی چوک میں ایک خربوزے بیچنے والے کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ وہ چاندنی چوک پہنچا تو ایک شخص خربوزے بیچ رہا تھا۔ وہ اُس کے پاس گیا اور خربوزہ مانگا مگر کھانے کے بعد اُس نے کہا کہ یہ میٹھا نہیں لہذا دوسرا خربوزہ دو۔ اُسے دوسرا خربوزہ دے دیا گیا، اُس نے دوسرا خربوزہ کھانے کے بعد بھی اُسے پھیکا قرار دیتے ہوئے تیسرا مانگ لیا۔ اللہ کے ولی نے اُسے تیسرا دے دیا مگر اُس نے اِس خربوزے میں بھی نقص بتلا دیا۔ اللہ کے ولی نے اسے کچھ نہ کہا اور وہ شخص بغیر قیمت دیے چلا گیا۔ کچھ عرصے بعد اُس شخص نے دوبارہ اپنے پیرومرشد سے پوچھا کہ اِس وقت قطبِ زماں کون ہے؟ اُنہوں نے پھر ٹالنا چاہا مگر یہ بضد رہا تو اُنہوں نے چاندنی چوک میں ہی ایک مالٹے والے کے پاس جانے کا اشارہ کیا اور یہ بھی فرمایا کہ اب ذرا خیال سے جانا۔ وہ آدمی چاندنی چوک پہنچا تو وہاں ایک آدمی مالٹے بیچ رہا تھا۔ اِس نے مالٹا مانگا اور چھیل کر کھانے کے بعد بولا کہ یہ کھٹا ہے لہذا دوسرا مالٹا دو مگر مالٹے والے نے اِس آدمی کو ایک تھپڑ رسید کیا اور کہنے لگا: ”سب کو خربوزے والا ہی سمجھ رکھا ہے“

یہاں پر ہمیں ایک نوجوان ”عبدالماجد“ سے رابطہ کرنا تھا جس کی انڈیا میں ٹائر شاپ ہے اور میرے ساتھ اُس کی ملاقات تقریباً چھ سال قبل ایک شادی کی تقریب میں اُس وقت ہوئی جب وہ پاکستان آیا ہوا تھا تو میں نے اُسے کہا تھا کہ میں کبھی انڈیا آیا تو آپ کے ساتھ ملاقات ہو گی چنانچہ تقریباً ۶:۰۰ بجے صبح میں نے

عبدالماجد کوفون کیا کہ اگرچہ ہم دہلی پہنچ چکے ہیں مگر اب ہم یہاں کسی ہوٹل میں آرام کریں گے اور تقریباً دوپہر کے وقت دوبارہ آپ سے رابطہ کریں گے۔

ڈرائیور رگل ہمیں اُس طرف لے گیا جہاں ہوٹل ریسٹورنٹ وغیرہ واقع تھے۔ چونکہ دہلی میں ٹریڈ فیئر لگا ہوا تھا اِس لیے ہوٹلوں میں اچھا خاصا رَش تھا اور وہاں بروکر ٹائپ لوگ ہمارے آس پاس منڈلانے لگے جنھوں نے کمیشن کی خاطر ہمیں ایک گھنٹہ تنگ کیا تاہم اسٹیشن کے نزدیک ''دُرگا انٹرنیشنل ہوٹل'' میں ہمیں ویزا کاپی فراہم کرنے پر دو کمرے مل گئے۔

ایک کمرے میں باباجی اور میں آرام کرنے لگے جبکہ دوسرے میں حاجی طارق محمود، حاجی لطف اللہ اور رگل ڈرائیور ناشتہ کرنے کے بعد سو گئے۔

تقریباً ۱۲:۰۰ بجے دوپہر میری آنکھ کھلی تو میں نیچے گیا اور ایک گراسری شاپ سے ٹوتھ پیسٹ خریدنے کے بعد اُس سے Safe Guard صابن مانگا لیکن وہ ہونقوں کی طرح میرا منہ دیکھنے لگ گیا کیونکہ میں اپنے آپ کو پاکستان میں سمجھ رہا تھا مگر اُس کی شکل دیکھتے ہی مجھے غلطی کا احساس ہو گیا اور میں نے جلدی سے کہا، کوئی ہاتھ سوپ دے دو۔ اُس نے گرین کلر کا ایک صابن دے دیا۔

یاد رہے کہ ہندو گوشت بالکل نہیں کھاتے اِس لیے اُن کے ہاں صابن اور ٹوتھ پیسٹ وغیرہ میں Animal Fat بالکل نہیں ہوتی جبکہ ہمارے ہاں کئی صابن اور ٹوتھ پیسٹ ایسے ہیں جن میں نہ صرف حلال جانوروں کی چربی بلکہ بعض اوقات حرام جانوروں کی چربی شامل ہوتی ہے۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ ہماری تین مرتبہ ہاتھ دھونے کی عادت بمطابق سنتِ پاک راسخ ہو چکی ہوتی ہے اِس

لیے ہاتھ پاک ہوجاتے ہیں مگر پھر بھی ایک قسم کی کراہت بہرحال رہتی ہے۔

میں ہوٹل کی طرف واپس لوٹ رہا تھا کہ عبدالماجد کا فون آ گیا اور میں نے اُسے اسٹیشن کے دائیں طرف دُرگا انٹرنیشنل ہوٹل پہنچنے کو کہا۔ جب میں کمرے میں واپس پہنچا تو باباجی بیدار ہوچکے تھے لہذا میں نے عبدالماجد کا پیغام دیا تو آپ نے تیار ہونے کے لیے فرمایا۔

نہانے کے بعد ہم نے ناشتہ منگوالیا جس میں پنیر پراٹھا، آلو پراٹھا اور چائے کا آرڈر دیا۔ پنیر اور آلو سے بنے پراٹھے بہت لذیز تھے اگرچہ ایک پراٹھا بمشکل ہمارے تین چار لقموں کے برابر تھا۔

ناشتے کے بعد چائے کے دوران عبدالماجد پہنچ گیا۔ سلام دعا کے بعد پروگرام ترتیب دیا گیا جس کے مطابق دہلی میں ہمیں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر حاضری دینی تھی مگر عبدالماجد نے کہا کہ مجھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیارِ کاکی کے مزارِ اقدس کا پتہ معلوم نہیں ہے جس پر باباجی نے اِرشاد فرمایا کہ آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر ہیں لہذا وہاں سے معلوم ہوجائے گا۔

رِکل کے ساتھ عبدالماجد نے بیٹھنے کے بعد جلد ہی باباجی سے کہا کہ اگر آپ کی طبیعت پر گراں نہ گذرے تو ہم حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل قریب ہیں لہذا پہلے یہاں چلے جاتے ہیں اور بعد میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر حاضری دیں گے یا پھر جیسے آپ حکم فرمائیں؟

عبدالماجد کے ساتھ سفر کے دوران مجھے اندازہ ہوا کہ یہ نوجوان انتہائی مؤدب اور سلجھا ہوا نوجوان ہے کیونکہ اُس کا اندازِ تکلم بے حد شائستہ تھا۔ باباجی حضور نے نہایت شفقت ومحبت سے اجازت دے دی اور واقعی ہم بہت جلدی حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزارِ اقدس پر پہنچ گئے۔ عمارتوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ کا دربار شریف اُس ہوٹل کے عقب میں واقع ہے جہاں ہم مقیم تھے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزارِ اقدس دہلی شہر کے مرکز میں اسٹیشن سے بالکل قریب واقع ہے۔ گاڑی پارک کرنے کے بعد ہم عبدالماجد کے ہمراہ دربار شریف کی طرف بڑھے جس کا راستہ لوہے کے ایک دروازے سے شروع ہوتا تھا اور دائیں بائیں قبور بنی ہوئی تھیں جس طرح آستانہ عالیہ شرق پور شریف میں مزارِ اقدس کا راستہ ہے۔

آگے جا کر ایک دروازہ آیا جہاں ہم نے جوتے اُتار دیے۔ اندر کا منظر کچھ اِس طرح تھا کہ دائیں ہاتھ ایک مسجد اور برآمدہ جبکہ بائیں ہاتھ ایک اور دروازہ موجود تھا۔

باباجی حضور اور حاجی لطف اللہ ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے اور میں بائیں ہاتھ دروازے سے باہر نکلا تو وہاں بھی قبور موجود تھیں۔ چند قدم پر دائیں ہاتھ ایک اور دروازہ مزارِ اقدس پر جانے کے لیے دکھائی دیا تو میں وہاں چلا گیا۔

میں نے مزارِ اقدس پر حاضری دی اور سلام عرض کیا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزارِ اقدس کے اِردگرد جالی والی چاردیواری تھی۔ کچھ دیر بعد حاجی لطف

اللہ اور حاجی طارق محمود آئے جبکہ بابا جی حضور بعد میں تشریف لائے۔آپ نے قبرِ انور کا ایک چکر لگایا اور پھر بائیں طرف کھڑے ہو کر دعا مانگی۔

جب میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزارِ اقدس میں داخل ہوا تو وہاں ایک مجاور موجود تھا جو میرے داخل ہونے کے بعد وہاں سے باہر نکل گیا۔جس وقت بابا جی حضور وہاں آ گئے تو وہ مجاور پھر اندر آ گیا اور اُس نے قبر انور کی چادر کا ایک کونہ اُٹھایا اور وہاں سے پانچ چادریں نکال کر ہم سب کو ایک ایک چادر اوڑھا دی۔ جب ہم وہاں سے واپسی کے لیے باہر نکلنے لگے تو آخری چادر اوڑھاتے ہوئے اُس مجاور نے حاجی لطف اللہ سے کہا کہ ہمیں اشارہ ہوا تھا کہ اِنہیں تحفہ دو۔

یہاں سے ہماری گاڑی دہلی شہر کی پُر ہجوم سڑکوں پر ٹریفک کے سیلاب میں شامل ہوگئی۔ یہاں ٹریفک کی صورتحال اِس قدر گھمبیر ہے کہ ایک اشارہ چوتھی مرتبہ کھلنے پر ہماری گاڑی نے چوک کراس کیا حالانکہ یہاں صبح ۶:۳۰ تا ۷:۳۰ اسکولز کی ٹریفک کا وقت ہے پھر ۷:۳۰ تا ۸:۳۰ دفتری ملازمین کی ٹریفک کے لیے اور ۸:۳۰ کے بعد کاروباری افراد کی ٹریفک کے لیے وقت مخصوص کیا گیا ہے جبکہ سڑکیں بھی کافی کشادہ ہیں۔

دہلی میں ہم لال قلعہ اور انڈیا گیٹ کے سامنے سے گذرے پھر بی۔جے۔پی کے مرکزی دفتر کے سامنے سے بھی ہمارا گذر ہوا۔ وہاں بے حد سیکیورٹی تھی۔ یاد رہے کہ آجکل بی۔جے۔پی حزبِ اختلاف ہیں۔ بالآخر تقریباً اڑھائی گھنٹے سفر کرنے کے بعد ہم شہر کے ایک گنجان آباد علاقے میں واقع محلہ نظام الدین پہنچ گئے جس کے لیے ہمیں ایک بڑی سڑک سے بائیں ہاتھ مڑنا پڑا۔

محلہ نظام الدین کی اِس گلی میں دائیں ہاتھ دیوار تھی جس پر جنگلہ لگا ہوا تھا اور بائیں ہاتھ دکانیں تھیں۔ ہم گاڑی سے اُتر کر گلی میں داخل ہوئے تو وہاں پھولوں کی دکانیں تھیں۔ ہم آگے بڑھتے ہوئے پہلے دروازے سے اندر داخل ہو گئے تو چند قدم پر ایک بڑا حوض موجود تھا جو کافی گہرا تھا اور اُس کا پانی مٹیالے رنگ میں بدل چکا تھا۔ باباجی حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ والوں کی درگاہوں پر پانی کے ایسے تالاب ہوا کرتے تھے چنانچہ ایسے ہی ایک حوض کی پانی پت میں موجودگی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہاں سے تھوڑا سا بائیں ہو کر ہم دائیں ہاتھ مُڑ گئے جہاں پھر ایک لمبی گلی میں ہم چلنے لگے۔

گلی کے اختتام پر ایک دربار شریف تھا مگر ہم وہاں جانے کی بجائے بائیں ہاتھ مڑ گئے جہاں ایک بڑا صحن موجود تھا جہاں کافی رونق لگی ہوئی تھی اور عقیدت مندوں کا ایک ہجوم وہاں موجود تھا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہم جہاں بھی کسی مزارِ اقدس پر حاضر ہوئے تو قبرِ انور تک پہنچنے کے لیے کافی دور تک چلنا پڑتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزاراتِ مقدسہ کی درگاہیں کافی وسیع و عریض رقبے میں واقع تھیں۔

جس صحن میں ہم داخل ہوئے تھے وہاں درمیان میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا روضہ مبارک تھا مگر ہم آپ کی قدموں والی سائیڈ سے گذر کر ایک دو سیڑھیاں چڑھے اور تھوڑا سیدھا جا کر دائیں ہاتھ مڑے تو وہاں حضرت امیر خسرو کا مزارِ اقدس موجود تھا چنانچہ ہم سب نے پہلے حضرت خواجہ امیر خسرو کی قبرِ انور پر حاضری دی۔ اِسی دوران درگاہ شریف کے دیوان صاحب سے ہماری ملاقات ہو

گئی، جن کا نام دیوان ''سیّد نور نظامی'' تھا، اُنھوں نے ہمیں اندر لیجا کر سلام عرض کروایا اور میں نے اُن کی خدمت میں بابا جی حضور کی طرف سے نذرانہ پیش کیا۔ اُنھوں نے ہم سب کے نام، ایڈریس اور رابطہ نمبرز اپنی ڈائری میں نوٹ کرنے کے بعد ہمیں چادریں اوڑھا دیں اور اِس کے بعد اُنھوں نے ہمیں ساتھ لیجا کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزارِ اقدس پر حاضری کا موقع دیا۔ قبرِ انور کے اطراف میں کشیدہ کاری والی لکڑی استعمال کی گئی تھی جو انتہائی پرانی معلوم ہوتی تھی۔ روضہ اقدس کے دائیں جانب لال مسجد موجود تھی۔

دیوان صاحب نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا کہ جب وہ پاکستان تشریف لائیں گے، حضرت کرماں والا شریف اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے مزارِ اقدس پر ضرور آئیں گے۔

دیوان صاحب نوجوان، سفید لباس اور کالی واسکٹ میں ملبوس تھے۔ اُنھوں نے ہمیں اپنے والدِ گرامی کا کارڈ بھی دیا۔ وہاں کافی دیوان صاحبان موجود تھے بلکہ ایک چھوٹے دیوان صاحب نے تو بابا جی حضور کو بڑے ہی لاڈلے انداز میں نذرانہ دینے کے لیے بھی کہا۔

واپسی پر میں نے ایک خاص بات یہ بھی دیکھی کہ وہاں بے شمار فقیر لوگ موجود تھے جو زائرین کے ساتھ آتے اور واپسی پر بھیک مانگتے ہوئے دور تک ساتھ ہی چلتے جاتے۔

یہاں سے عبدالماجد نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیارِ کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف کا ایڈریس بھی حاصل کر لیا اور باہر نکل کر صرف ۲۵۔۲۰ منٹ کی

مسافت کے بعد ہم قطب مینار کے پاس واقع دربار شریف تک پہنچ گئے۔

احاطے کے پاس ہم نے گاڑی پارک کر دی اور رگل کو کچھ کھانے پینے کے لیے پیسے وغیرہ دینے کے بعد ہم دائیں ہاتھ ایک گلی میں داخل ہوئے تو وہاں پھولوں والی دکانیں موجود تھیں جہاں سے ہم نے پھولوں کی ایک سجی ہوئی پلیٹ خریدی۔ وہاں مختلف نرخوں پر پھولوں سے سجی ہوئی چھوٹی بڑی بہت سی پلیٹیں دستیاب تھیں۔ یہاں بھی ہمیں ایک لمبی گلی کو عبور کر کے روضہ اقدس تک پہنچنا تھا جس میں ایک جگہ جنگلے سے لنگر شریف بھی تقسیم ہو رہا تھا۔ دائیں بائیں ہوتے ہوئے ہم ایک دروازے سے اندر داخل ہوئے تو وہاں ایک قوال سماع کر رہا تھا۔ بابا جی حضور نے نماز کے لیے سامنے موجود سرخ اینٹوں والی مسجد میں داخل ہوتے ہوئے مجھے اِرشاد فرمایا کہ اشعار سنیں، یہ اچھا سماع پڑھ رہا ہے، میں اُس کے اشعار سننے لگ گیا جو حسبِ ذیل اشعار پڑھ رہا تھا:

تیر پہ تیر کھائے جا یار سے لو لگائے جا
آہ نہ کر لبوں کو سی عشق ہے دل لگی نہیں
سجدہ تو ہے روا مگر سامنے تو ہو جلوہ گر
جس میں نہ آئے تو نظر پھر وہ نماز ہی نہیں
تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی ساری کائنات
مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں

تھوڑی دیر کے بعد بابا جی حضور تشریف لائے اور قوال کو حسبِ ذیل شعر کا لقمہ دیا۔

اب کوئی بات بھی میری مانا کہ ہوش کی نہیں
آپ کو بھول جاؤں میں ایسی تو بے خودی نہیں

اور قوال فوراً ہی شعر پڑھنے لگ گیا جبکہ ہم اُس احاطے سے باہر نکل کر سیدھے چلتے ہوئے تھوڑا آگے جانے کے بعد دائیں ہاتھ ایک جنگلے سے گزر کر گلی میں داخل ہو گئے جہاں کچھ آگے جا کر ہم دائیں ہاتھ مُڑے اور کچھ آگے جا کر پھر دائیں مڑے اور ایک لمبی گلی میں داخل ہوئے جس کا اختتام احاطہء دربار شریف میں ہوا۔

قبرِ انور کی تربت زیادہ اونچی نہیں تھی اور چہار اطراف میں جالی لگی ہوئی تھی۔ وہاں ہم نے سلام عرض کیا اور حاضری دینے کے بعد واپس نکل آئے۔

اِس وقت تک دن تقریباً ڈھل چکا تھا اور شام ہو گئی تھی۔ باہر نکل کر بابا جی حضور نے عبدالماجد کو اجازت دیتے ہوئے شکریہ ادا کیا مگر اُس نے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ کھانا کھائے بغیر نہ جائیں۔ میں نے مشورہ دیا کہ جہاں سے عبدالماجد کا گھر قریب ہو گا وہاں یہ اُتر جائیں گے اور ہم دہلی شہر سے باہر نکل جائیں گے۔

راستے میں عبدالماجد نے ہمیں دہلی میں اوور ہیڈ یا انڈر گراؤنڈ چلنے والی ٹرین کے میٹرو اسٹیشن بھی دکھائے کہ جس کی وجہ سے فی الوقت دیگر ٹریفک بری طرح متاثر تھی کیونکہ ابھی تک اُس کے روٹ مکمل نہیں ہوئے تھے مگر تکمیل کے بعد ٹریفک میں بہتری متوقع ہے۔

تقریباً گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد عبدالماجد نے

ایک جگہ گاڑی کھڑی کرنے کے لیے کہا جہاں اچھے ریسٹورنٹ نظر آ رہے تھے۔ میں نے باباجی کی ادویات ساتھ لے لیں اور باہر نکلتے ہوئے عبدالماجد سے معلوم کیا کہ یہ کون سی جگہ ہے تو اُس نے بتایا کہ یہ دہلی کی گول مارکیٹ ہے اور یہاں صرف مسلمانوں کے ریسٹورنٹ ہیں۔ میں نے کہا؛ کیا یہاں صرف مسلمان ہی کھانا کھاتے ہیں تو اُس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ جن ہندوؤں نے گوشت کھانا ہوتا ہے وہ بھی یہیں آتے ہیں۔ عبدالماجد نے مجھے یہ بھی بتلایا کہ اِس سے بہتر اور اچھے کھانے کے لیے ہمیں دہلی کے اندر جانا پڑے گا مگر آپ کا بہت وقت ضائع ہوگا۔

عبدالماجد نے کھانا منگوایا جس میں فش تکہ، بروسٹ چکن اور ایک چکن بون لیس ہانڈی شامل تھی۔ ہوٹل والوں نے سب سے پہلے فش تکہ پیش کیا جسے باباجی نے بہت پسند کیا جو بغیر کانٹے والے کافی بڑے پیس تھے اور چکن کا سالن دیکھ کر باباجی حضور نے عبدالماجد سے مخاطب ہو کر فرمایا؛ کیا یہ بہاریوں کا ریسٹورنٹ ہے؟ جی ہاں۔ عبدالماجد نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ باباجی حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اِس لیے کہا کہ بہاری کھٹے کو پسند کرتے ہیں اور یہ سالن کھٹا ہے۔

کھانے کے بعد باباجی حضور نے مجھے بل ادا کرنے کا حکم دیا مگر عبدالماجد نے پہلے ہی بل ادا کر دیا تھا۔ عبدالماجد کی مہمان نوازی کا یہ انداز باباجی حضور کو بہت بھایا۔

ہم وہاں سے نکلے تو کچھ فاصلے کے بعد ہنومان کا مندر آ گیا جہاں

تقریباً پچاس فٹ اونچا ایک بندر کا مجسمہ تھا اور بہت سی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ عبدالماجد نے وہاں اُترنے کی اجازت مانگی اور ہم اُس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد وہاں سے آگے چل پڑے۔

ایک مرتبہ پھر ہم دہلی کی سڑکوں پر رواں دواں تھے۔ دہلی شہر کسی لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک کے شہروں سے کم نظر نہیں آتا۔ یہاں بے شمار ملٹی نیشنل کمپنیوں کے دفاتر دکھائی دیئے جن میں ادویات کی کمپنیاں ﷲلی اور فائزر وغیرہ شامل ہیں۔

دہلی سے باہر نکلتے ہوئے ہمیں ایک شاپنگ مال دکھائی دیا جس پر لکھا تھا کہ

The India's Largest Shoping Mall

واقعی یہ شاپنگ مال کئی ایکڑ رقبے پر محیط تھا۔ اِس دوران ہمیں دہلی کا انٹرنیشنل ائیرپورٹ دکھائی دیا جو ایک بہترین علاقے میں موجود تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد ہم دہلی شہر سے باہر نکل گئے اور ہماری اگلی منزل حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف پر حاضری کے لیے اجمیر شریف تھی۔

اب ہم ایک بہترین ھائی وے پر سفر کر رہے تھے اور رات کی تہیں یکے بعد دیگرے دبیز ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ ابھی ہم نے تھوڑا سفر مزید طے کیا تھا کہ گِل نے تھکاوٹ اور بھوک کا اظہار کر دیا کیونکہ گِل نے دوپہر کے وقت کھانا کھایا تھا جبکہ ہم نے شام کے بعد۔ اِسی لیے ہم نے ایک پٹرول پمپ پر گاڑی روک لی جہاں گِل نے سبزی کے ساتھ کھانا کھایا اور اِس دوران ہم سب نے کافی پی۔

یہاں سے ایک مرتبہ پھر میں نے گاڑی کی ڈرائیونگ سنبھال لی اور

لگاتار ۲ یا اڑھائی گھنٹے سفر طے کیا تھا کہ ایک بڑے شہر کے نزدیک اچانک گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ ہم نے جلدی سے ٹائر تبدیل کیا اور کسی ٹائر شاپ کو تلاش کرنے لگے تاکہ ٹائر کو پنکچر لگوا لیا جائے۔ یہ جے پور شہر تھا اور زیادہ تر دکانیں بند ہو چکی تھیں مگر پھر بھی تھوڑی ہی دیر میں ہمیں جے پور کے داخلی راستے پر ایک ٹائر شاپ کھلی مل گئی اور ہم نے ٹائر میں نئی ٹیوب ڈلوالی۔

چونکہ ہم راجستھان میں داخل ہو چکے تھے اور یہاں دن گرم جبکہ رات کافی ٹھنڈی ہوتی ہے اِسی لیے موسم قدرے بدل گیا تھا اور ہوا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ سردی محسوس کرتے ہوئے ہم نے وہاں چائے پی۔ نصف شب اپنی منزل کو پہنچ چکی تھی اور تقریباً ۱۲:۳۰ کا وقت تھا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اجمیر شریف یہاں سے تقریباً ۱۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ میں نے مشورۃً عرض کیا کہ ہو سکتا ہے ہمیں اجمیر شریف میں کوئی بڑا ہوٹل نہ ملے اِس لیے ہم یہاں کسی ہوٹل میں ٹھہر جاتے ہیں اور صبح اتوار کے دن نہا کر تازہ دم ہو جائیں گے اور پھر خواجہء اجمیری سرکار کی بارگاہ میں حاضری دیں گے۔ میری تجویز کو منظور کر لیا گیا اور ہم جے پور بائی پاس سے اندر شہر کی طرف چلے گئے۔

رات کا زیادہ حصہ گذر چکا تھا اور ہم ہوٹل ریسٹورنٹ وغیرہ تلاش کر رہے تھے۔ یہاں ثقافتی انداز کے بڑے بڑے قلعہ نما اور محل نما ہوٹل تھے۔ بعض ہوٹل پرانے راجہ مہاراجہ وغیرہ نے بیچ دیے تھے جنہیں کاروباری لوگوں نے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ چار و ناچار ہم ایک ہوٹل پر رُکے اور میں ہوٹل میں بکنگ کے لیے اندر گیا۔ یہاں عجیب و غریب مناظر دیکھنے کو ملے۔ ہوٹل

سے باہر کوڑے کرکٹ پر سور پھر رہے تھے جن کے متعلق ہمیں گل نے بتایا کہ سور یہاں پالتو جانوروں کے طور پر رکھے جاتے ہیں اور اِنہیں کسی کا ڈر خوف نہیں۔ میں نے ہوٹل کی نیند سے بوجھل رسپشن سے کمرے کا پوچھا تو اُس نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا اور میں واپس باہر نکل آیا۔

تھوڑا آگے جانے کے بعد ہم نے ایک ہوٹل میں کوشش کی مگر وہاں بھی جگہ نہیں تھی، میں نے اُن سے کسی دوسرے ہوٹل کا ریفرنس معلوم کیا تو اُنہوں نے مون سٹار ہوٹل کی طرف بھیج دیا۔ ایک طرف ہماری تکان اور دوسری طرف نیند کا تیز غلبہ یک نہ شُد دو شُد کے مترادف تھا۔

ہم مون سٹار ہوٹل پہنچے اور یہاں میرے ساتھ حاجی لطف اللہ بھی بکنگ کے لیے اندر چلے گئے۔ یہاں کمرے تو موجود تھے مگر رسپشنسٹ نے کہا کہ آپ کو تھانے رپورٹ کرنے کے لیے جانا ہوگا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا، جناب! ہم دہلی سے آ رہے ہیں اور ہمارا ویزا پولیس رپورٹ سے مستثنٰی قرار دیا گیا ہے مگر اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ آپ کو پولیس کے ساتھ رابطہ کرنا پڑے گا جس پر حاجی لطف اللہ صاحب ناراض ہو گئے اور اِس سے پہلے کہ وہ کوئی سخت بات کرتے میں اُنہیں ساتھ لے کر باہر نکل آیا۔

بابا جی سے تمام ماجرہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا کسی اور ہوٹل کو تلاش کرلو چنانچہ ہم ایک مرتبہ پھر جے پور کی سڑکوں پر گھومنے پھرنے لگے جو اسلام آباد کی سڑکوں جیسی صاف اور کشادہ تھیں۔

اگلے دن یہاں پاکستان انڈیا کا کرکٹ میچ تھا لہذا لڑکے مختلف ٹولیوں

میں کھڑے ہنس کھیل رہے تھے۔ بعض لڑکے موٹر سائیکلوں پر سوار اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ میں نے ایک جگہ گاڑی کھڑی کروائی اور نیچے اُتر کر ایک نوجوان سے کسی ہوٹل کی معلومات لینے لگا تو اُس نے بتایا کہ یہاں صبح میچ ہے اِس لیے تمام ہوٹل بھر چکے ہیں تاہم آپ اسٹیشن سے قریب واقع ''اجمیریہ ہوٹل'' میں چلے جائیں، اُمید ہے وہاں آپ کو رہائش دستیاب ہو جائے گی۔

یہاں سے ہم اسٹیشن کی طرف چلے گئے جہاں اجمیریہ ہوٹل موجود تھا۔ رسیپشنسٹ نے فوراً ہی دو کمرے دے دیے۔ ہمارے پاس ویزا کی فوٹو کاپی نہ تھی مگر اُس نے نیند میں ڈوبی آواز سے کہا؛ چھوڑیے آپ صبح دے دیجئے چنانچہ ہم سب ایک کمرے میں سو گئے جبکہ بابا جی حضور دوسرے کمرے میں آرام فرمانے لگے۔

صبح ۱۱:۰۰ بجے ہماری آنکھ کھلی تو جلدی سے تیار ہو گئے۔ میں نے نیچے جا کر ویزا کا پی دی اور بل کی ادائیگی بھی کر دی۔ یہاں مجھے معلوم ہوا کہ ہوٹل میں پاکستان سے دو افراد مزید ٹھہرے ہوئے ہیں اور ایک انڈین ٹی وی کی ٹیم بھی ٹھہری ہوئی تھی۔ ناشتہ کے بعد ہم وہاں سے آگے نکل پڑے۔

اتوار کا دن تھا اور سڑکیں ابھی تک بے رونق دکھائی دے رہی تھیں۔ جے پور سے باہر نکلنے پر خوبصورت مناظر دیکھنے کو ملے۔ جے پور کے ریگستانی پہاڑی سلسلے کا گلابی رنگ ہونے کی وجہ سے اِس شہر کو ''پنک سٹی'' بھی کہا جاتا ہے۔ مزید برآں لاہور میں قائم بادشاہی مسجد کی تزئین و آرائش میں استعمال ہونے والا پتھر بھی جے پور سے ہی منگوایا گیا تھا۔ جے پور کے قریب پرانی طرز تعمیر پر مشتمل کئی محل اور قلعے بھی نظر آئے جو یہاں کے راجستھانی راجپوت اور راجہ مہاراجہ وغیرہ کی

ملکیت ہوتے تھے۔ اِنہی مناظر کے دوران ہمیں ہائی وے روڈ پر ایک بورڈ نظر آیا جس پر ''اجمیر شریف۔۱۲۸ کلومیٹر'' درج تھا۔

اجمیر شریف جاتے ہوئے ہمیں سڑکوں پر آزادانہ مڑگشت کرتی ہوئی بھوک سے لاغر و کمزور بے شمار مریل گائے نظر آئیں اور اِسی دوران مجھے بوٹا مَل کی بات یاد آئی تو میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ بوٹا مَل نے کہا: ''ہمارے ملک میں دو بھوکے ہیں، ایک عوام اور دوسری گائے۔ لہٰذا چاہیے کہ ایک بھوکا دوسرے بھوکے کو کھا جائے۔''

ہمارا سفر پلک جھپکتے ختم ہو گیا کیونکہ تھکاوٹ دور تھی اور بے تابی عروج پکڑ چکی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں ہم اجمیر شریف پہنچ گئے جو ایک بڑے قصبے جیسا شہر تھا مگر وہاں ۵۔۴ سٹار ہوٹل بھی موجود تھے۔ اجمیر شریف میں آبادی کم اور بازار زیادہ نظر آئے۔ دربارِ عالیہ حضور اجمیری سرکار رحمۃ اللہ علیہ سب کا مرکز و محور بنا ہوا تھا۔

ایک پارکنگ میں ہم نے گاڑی کھڑی کی جہاں ۱۰۰ روپے پارکنگ فیس مقرر تھی۔ یہاں سے ہم ایک ہوٹل میں آ گئے تاکہ وضو تازہ کر کے دربار شریف پر حاضر ہوں۔ ہوٹل میں ہم نے چائے اور پنیر پکوڑا منگوالیا جو نہایت مزے دار تھے۔ چائے کے بعد باباجی حضور ہمیں مزارِ اقدس پر چادر چڑھانے اور پھول پیش کرنے کی تاکید فرما کر اکیلے دربار شریف کی طرف تشریف لے گئے اور کچھ دور تک حاجی لطف اللہ کو بھی ساتھ لے گئے۔

ہم چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر دربار شریف کی طرف چلنے لگے تو حاجی لطف اللہ بھی ۔۔! منے سے واپس آتے ہوئے ہمارے ساتھ مل گئے۔ دربار شریف

نسبتاً بلند جگہ پر واقع ہے۔ہم نے راستے میں ایک جگہ سے تین چادریں اور پھولوں کی ایک ٹوکری خریدی جس میں دکاندار نے خود ہی اگربتی ،شرینی اور عطر رکھ دیا۔ پھولوں والے نے میرے پاس ویڈیو کیمرہ دیکھ کر کہا کہ آپ بڑے دروازے سے آگے کیمرہ نہیں لیجا سکتے لہذا یہاں امانتاً رکھوادیں۔ میں نے دور ہی سے دروازے کی جانب دیکھا تو واقعی سیکیورٹی بہت سخت تھی۔اچھا نظام ترتیب دیا گیا تھا لہذا میں نے کیمرہ کسی نشانی یا اَتہ پتہ کے بغیر دکاندار کے پاس رکھوادیا اور ہم سب آگے چل پڑے۔

ہم ادب و نیاز سے جھکے سر، لرزاں قدموں کے ساتھ خواجہ ءاجمیری سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہو رہے تھے جن کے دربار پر مجھے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ بے شمار ہندو سکھ اور اِس سے بڑھ کر غیر ملکی انگریز مردو خواتین کی کثیر تعداد نظر آئی۔سب خواجہ ءاجمیری کے حضور سلام و حاضری کے لیے جارہے تھے۔

ہم تینوں مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئے تو وہاں ایک صاحب سفید کپڑے، کالی ٹوپی اور کالی واسکٹ میں ملبوس ہمارے قریب آئے اور انہوں نے ہمارے ہاتھ سے پھولوں کی پلیٹ پکڑلی۔دربار شریف ہمارے دائیں ہاتھ تھا اور روضہ اقدس کا دروازہ بند تھا۔احاطہ ءدربار شریف میں بے شمار لوگ موجود تھے اور عجیب کیف و نشاط میں ڈوبے ہوئے ادب و محبت سے مخمور نظر آرہے تھے جہاں ہم بھی از خود رفتہ ہوئے پڑے تھے اِسی لیے صرف میں اور حاجی طارق محمود اکٹھے تھے،حاجی لطف اللہ بھی ہم سے علیحدہ ہو چکے تھے۔

ہمیں بتلایا گیا کہ دربار شریف ۴:۱۵ بجے کھلے گا اور اِس وقت ۴:۰۰ بج

چکے تھے۔ دیوان صاحب ہمیں روضہ اقدس کی ایک طرف سے لے گئے اور ایک چھوٹے دروازے کے قریب کھڑا کر دیا جہاں ایک لائن میں بے شمار مرد و خواتین موجود تھے جن میں ہندو اور سکھ افراد کی کثیر تعداد شامل تھی۔ ہم اُس لائن میں ذرا ہٹ کر سب سے آگے کھڑے تھے ابھی تک نہ تو دیوان صاحب نے ہمارا تعارف معلوم کیا تھا اور نہ ہی ہمیں اِس بات کا کچھ ہوش رہا۔ دیوان صاحب خود بھی ایک سائیڈ پر نظریں نیچی کیے کھڑے رہے۔ ۱۵ منٹ بعد دروازہ کھلا تو ہم اندر داخل ہوئے جہاں روضہ ءاقدس کی بجائے ایک اور صحن موجود تھا۔

اچانک میرے کانوں میں بابا جی حضور کی آواز آئی تو میں نے فوراً دائیں دیکھا جہاں بابا جی حضور موجود تھے اور ہمیں بلا رہے تھے۔ ہم فوراً آپ کے پاس چلے گئے۔ بابا جی نے مجھے ایک اور دیوان صاحب کی طرف اشارہ کر کے تاکید فرمائی کہ میں بعد میں ان کی خدمت میں کچھ نذرانہ پیش کروں۔ یہ دیوان صاحب بھی سفید کپڑے اور کالی واسکٹ و ٹوپی پہنے ہوئے تھے جبکہ یہاں سے پہلے دیوان صاحب واپس تشریف لے گئے۔ یہاں پر معلوم ہوا کہ روضہ ءاقدس کا دروازہ پھول اُتارنے کے لیے بند کیا گیا ہے۔

کچھ دیر کے بعد دربار شریف کھل گیا اور ہم اندر داخل ہو گئے جہاں قبرِ انور موجود تھی جس کے اطراف میں تقریباً چار یا ساڑھے چار فٹ اُونچا جنگلہ موجود تھا اور غالباً چاندی کا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ یہاں رُکنا منع تھا مگر ہمیں دیوان صاحب نے قریب کھڑا کر دیا۔

خواجہ ءاجمیری سرکار رحمۃ اللہ علیہ کی تُربت پاک کی چادریں 42 میٹر

کپڑے سے تیار کی جاتی ہیں۔ایک چھوٹی چادر علیحدہ ہوتی ہے۔دیوان صاحب نے ہمارے سروں پر قبرِ انور کی چادر کا ایک کنارا رکھا،ہم سے پھول لے کر تربت پاک پر ڈالے پھر تبرک دیے اور شیرینی بھی واپس کی پھر چادر ہمارے سروں پر رکھ کر کافی دیر تک دعا مانگتے رہے۔

دعا کے بعد دیوان صاحب نے اندر سے ہی ہاتھ بڑھا کر کچھ دھاگے پکڑے اور ہم سب کے گلے میں ڈال دیئے۔اِس دوران میں نے دیکھا کہ حاجی لطف اللہ بھی نجانے کب ہمارے پیچھے سے آ کر چادر کے نیچے کھڑے ہو گئے تھے۔اِس کے بعد دیوان صاحب نے ہمیں دائیں سائیڈ یعنی سرہانے کی طرف سے گھمایا تو میں رَش کی وجہ سے خود بخود باہر آ گیا۔میں باہر کھڑا دیکھتا رہا مگر بابا جی حضور تشریف نہ لائے تو میں ایک جگہ دھاگے بندھے ہوئے دیکھ کر وہاں دھاگے باندھنے لگ گیا۔

ابھی میں اِس کام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ دیوان صاحب میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ روضہء اقدس کے قدمین کی طرف صحن میں لے گئے جہاں بابا جی، حاجی لطف اللہ اور حاجی طارق محمود موجود تھے۔بابا جی نے مجھ سے پوچھا:تم کہاں تھے تو میں نے رَش میں شامل ہو کر باہر نکلنے کے متعلق عرض کر دیا۔

بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ دیوان صاحب بابا جی،حاجی طارق محمود اور حاجی لطف اللہ کو حضور خواجہء اجمیری سرکار رفقد کے حجرۂ خاص میں لے گئے جہاں سب نے خواجہ صاحب کے زیرِ استعمال رہنے والا قرآن مجید کا نسخہ،لوٹا اور عصا مبارک کے علاوہ چند دیگر خاص تبرکات کی زیارت کی۔

یہاں سے دیوان صاحب ہمیں ساتھ لے کر خواجہء اجمیری سرکار کی صاحبزادی کی قبر مبارک پر لے گئے جہاں اُنہوں نے باباجی سے قبر مبارک پر سلام عرض کرنے اور بوسہ لینے کے لیے کہا مگر باباجی نے ادباً دور سے سلام عرض کرتے ہوئے پردے اور احترام کو ملحوظِ خاطر رکھنا پسند فرمایا۔

بعد ازاں ہم دربار شریف کے احاطے سے باہر نکلے تو دیوان صاحب ہمیں پھر اپنی جگہ پر لے گئے ۔ اِسی دوران اذانِ عصر کی صدائیں بلند ہوئیں اور میں نے اپنی زندگی میں بہت کم اذان کی ایسی بارعب اور قلب وروح کی گہرائیوں تک اُتر جانے والی آواز سنی تھی۔

اذان کے بعد دیوان صاحب نے ہمیں کہا کہ اب آپ کو ایک خاص تحفہ پیش کرنا ہے۔ کچھ دیر کے بعد ایک بزرگ گلابی رنگ اور سنہری تاروں والی کچھ پٹیاں لیکر آئے جو اُنہوں نے چاروں کے سروں پر درود شریف پڑھ کر باندھ دیں اور ارشاد فرمایا یہ خواجہ صاحب کا تبرک ہے، اِسے خاص جگہ پر رکھنا۔

پھر ہمیں لنگر شریف سے چائے دی گئی اور مزید کچھ دھاگے تبرکاً دیے گئے ۔اب ہم نے دیوان صاحب سے اجازت مانگی تو وہ بھی ہمارے ساتھ چل پڑے اور احاطہء دربار شریف میں نمازِ عصر کی ادائیگی کے لیے دعوت دی اور ساتھ ہی بتایا کہ یہ مسجد اولیاء ہے یہاں دو نفل ضرور پڑھنا۔ جب خواجہء اجمیری سرکار تشریف لائے تو یہاں دو نفل ادا فرمائے تھے چنانچہ ہم نے دو نفل ادا کیے اور پھر وہاں نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد دیوان صاحب ہمیں ایک دوسری سمت لے گئے جہاں ہم سب نے سیڑھیاں چڑھیں اور اوپر چلے گئے ۔اوپر جا کر ہم نے دیکھا کہ

ایک وسیع وعریض دیگ ہمارے سامنے ہے جس کے متعلق ہم اکثر سنتے رہتے تھے مگر آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ دیگ تقریباً آدھی سے زیادہ چاول، آٹا اور دیگر نذرانہ وغیرہ سے بھر چکی تھی چنانچہ ہم نے بھی کچھ نہ کچھ حصہ ڈالا اور پھر نیچے اُتر آئے۔ میں نے نیچے اُترتے ہوئے سیڑھیوں کی تعداد کو گیارہ تک شمار کیا۔

دیوان صاحب نے یہاں سے ہمیں اجازت دی اور ساتھ ارشاد فرمایا کہ آپ آئے نہیں بلکہ آپ کو بلایا گیا ہے۔

باہر نکل کر باباجی نے ہمیں کچھ خریدنے کے لیے فرمایا تو میں نے چند شیشہ جڑے قلم، کچھ تسبیح، انگوٹھیاں وغیرہ خریدیں اور پھر پھولوں والے دکاندار سے اپنا کیمرہ اور جوتے واپس لینے کے بعد واپس چل پڑے اور یہاں ہمارے ساتھ بے شمار فقیر و گداگر چمٹ گئے جن میں اکثر ہندو اور سکھ لوگ معلوم ہوتے تھے۔ سب خواجہء اجمیری سرکار کے دریوزہ گر تھے۔

ہم نے ہوٹل میں واپس پہنچ کر چائے پی اور تقریباً ۵:۰۰ بجے شام ہماری روانگی ہوئی۔ یہاں سے ہم مشورہ کرنے لگے کہ رات جے پور ٹھہریں یا مسلسل سفر کرتے ہوئے محمد رمضان (کیپٹن) کے گاؤں چت ,گل پہنچیں جسے ہم نے اپنی آمد سے قبل ازیں آگاہ کرنے کے ساتھ وہاں آنے کا وعدہ بھی کیا تھا، بالآخر اِس بات پر اتفاق ہوا کہ باہر نکل کر پنجاب کی طرف چلتے ہیں اور جہاں تھک جائیں گے وہاں آرام کرلیں گے تاہم محمد رمضان کیپٹن سے صبح ملاقات کریں گے۔

گاڑی کا ڈرائیور ,گل یہاں سے باربار کہنے لگا کہ ہم "سیکر" کی طرف سے چلتے ہیں چنانچہ ہم نے ایک دو جگہ سے سیکر کا راستہ معلوم کیا مگر کسی نے مصدقہ

انداز میں راستہ نہیں بتلایا چنانچہ ایک جگہ میں نے گاڑی کھڑی کروائی اور نیچے اُتر کر وہاں موجود میڈیکل اسٹور والے سکھ سے سیکر کا راستہ پوچھتے ہوئے بتایا کہ ہمیں پنجاب جانا ہے تو اُس نے کہا کہ آپ سیکر کیوں جا رہے ہیں؟ وہ تو ایک طرف ذرا ہٹ کر واقع ہے۔ اِس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ گل بلاوجہ سیکر لیجانا چاہتا ہے بظاہر جس کی وجہ یہی ہے کہ اُسے سیکر سے آگے راستہ معلوم ہے چنانچہ میں نے اُس سے کہا کہ آپ ہمیں سو دو سو کلومیٹر والے اسٹاپ بتائیں تا کہ ہم پوچھتے ہوئے پنجاب چلے جائیں۔ چنانچہ اُس نے کہا کہ آپ دیودان تک سفر کریں اور پھر وہاں سے اگلا راستہ پوچھ لیں۔

رات کچھ گہری ہو چکی تھی اور ہم راجستھان میں محوِ سفر تھے۔ یہاں ہمیں اندازہ ہوا کہ اِس صحرائی علاقے میں آبادی بہت کم ہے۔ کوئی بندہ بشر ڈھونڈے سے بھی نظر نہیں آتا تھا۔ تقریباً ایک یا ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد ہم دیودان پہنچ گئے جو ہائی وے پر ہی واقع تھا۔ یہ ایک چھوٹا قصبہ معلوم ہوتا تھا جس کے اندر سے ھائی وے گذر رہی تھی۔ یہاں سے ہمیں پنجاب جانے کے لیے راستہ معلوم کرنا تھا۔

تھوڑا آگے جا کر ہماری نظر ایک بورڈ پر پڑی جس پر "مدرسہ حنفیہ خواجہ غریب نواز" عبارت درج تھی اور ایک تیر کا نشان بھی بنا ہوا تھا۔ ہم اُس کے مطابق وہاں پہنچے تو مسجد سے تقریباً ۵۰ سے زیادہ لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر باہر نکل رہے تھے۔ ہم نے سلام کیا اور بتایا کہ خواجہ اجمیری سرکار کی درگاہ سے واپس آ رہے ہیں اور ہمیں پنجاب پہنچنا ہے چنانچہ اُنہوں نے ہمیں بتایا کہ بس اسٹینڈ سے بائیں ہاتھ

مڑ کر تیسرے چوک سے دائیں مڑ جائیں جو مورتی والا چوک ہے۔ ہم تھوڑا آگے بڑھے تو بس اسٹینڈ آ گیا۔ باباجی نے فرمایا کہ مجھے انسولین کی کمی محسوس ہو رہی ہے لہذا کچھ کھانے کے لیے یہاں سے لے لو۔ میں اور حاجی طارق محمود نیچے اُترے اور وہاں سے مٹھائی، چپس اور کولڈ ڈرنک وغیرہ خرید لیں۔

بس اسٹینڈ کے اِرد گرد اَن گنت سور گھوم پھر رہے تھے جسے ہم نے کافی منفرد اور عجیب محسوس کیا۔ یہاں سے ہم پھر سفر کرنے لگے جبکہ رات بھی کچھ زیادہ ہو چکی تھی۔

مزید کچھ مسافت طے کرنے کے بعد ہم ہنومان گڑھ پہنچ گئے۔ راستے میں ایک مرتبہ ہمارا پروگرام بنا کہ رات ہنومان گڑھ قیام کریں اور صبح پھر روانہ ہو جائیں مگر ہنومان گڑھ پہنچ کر ہمارا ارادہ بدل گیا اور ہم ہنومان گڑھ کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے نکل گئے۔

تقریباً ایک دو گھنٹے سفر کرنے کے بعد مجھے بھوک محسوس ہوئی تو ہم ایک بڑے شہر کے بائی پاس سے گذرتے ہوئے ایک چھوٹے سے ہوٹل پر رُک گئے جہاں ہم نے کھانا کھایا۔ یہاں سبزی کا سالن بہت عمدہ انداز میں پکایا گیا تھا جسے سب نے پسند کیا۔

کھانے کے بعد باباجی نے مجھے مخاطب ہو کر پوچھا: طبیعت کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا، بالکل ہشاش بشاش ہوں تو آپ نے مجھے ڈرائیونگ کرنے کے لیے کہا اور میں نے یہاں سے گاڑی ڈرائیو کرنا شروع کی۔ تقریباً تین چار گھنٹے ڈرائیونگ کرنے کے دوران ہم ایک بڑے شہر کے قریب سے گزرے۔ زیادہ تر

سڑک کشادہ تھی تاہم ایک آدھ جگہ تعمیراتی کام جاری ہونے کی وجہ سے کچھ تاخیر ہوئی۔ رات کا اندھیرا دم توڑ رہا تھا اور صبح کی پو پھوٹنے والی تھی جبکہ ہم ہریانہ سے پنجاب میں داخل ہو چکے تھے۔ روشنی کے تقریباً ساتھ ساتھ ہم بھی بٹھنڈہ شہر میں داخل ہو گئے۔

ساری رات سفر کرنے کی وجہ سے ہمیں آرام کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی چنانچہ ہم ایک ہوٹل کے سامنے ٹھہر گئے اور میں نے جا کر ہوٹل میں کمرے کی دستیابی کے متعلق معلوم کرنا چاہا۔ ریسپشنسٹ نے کمرے دستیاب ہونے کا عندیہ دیا تو میں نے ویزا کاپی اُس کے سامنے رکھی لیکن جیسے ہی اُسے ہمارا پاکستانی ہونا معلوم ہوا، اُس نے ہمیں ٹھہرانے سے صاف انکار کر دیا۔ میں نے اُسے بتایا کہ ہم نے دہلی اور جے پور میں بھی قیام کیا ہے مگر اِس کے باوجود وہ انکار پر قائم رہا اور مجھے ہوٹل سے باہر آنا پڑا۔

اب ہم دوبارہ ہوٹل کی تلاش میں بٹھنڈہ کی سڑکوں پر گھوم رہے تھے۔ یہ پنجاب کا ایک بڑا شہر معلوم ہوتا تھا جس طرح پاکستان میں فیصل آباد شہر ہے تاہم قابل ذکر بات یہ ہے کہ وہاں تھرمل پاور پلانٹ بھی موجود تھا۔ یہاں کا کلچر پاکستانی کلچر سے بیحد ملتا جلتا تھا تاہم دکانوں پر لگے ہوئے سائن بورڈ وغیرہ پر لکھی عبارت چونکہ ہندی اور گورمکھی زبان میں تھی لہذا یہی ایک بڑا فرق معلوم ہوا۔ تھوڑی دیر گھومنے کے بعد ہم ایک ہوٹل جس کا نام ''ریکھی ہوٹل'' تھا، وہاں پہنچے تو بکنگ کے سلسلہ میں ذرا بھر دشواری نہ ہوئی اور ہمیں فوراً دو کمرے دے دیے گئے۔ میں اور باباجی ایک کمرے میں جبکہ حاجی لطف اللہ، حاجی طارق محمود اور کلو ندر گل

دوسرے کمرے میں آرام کرنے لگے۔

دوپہر صبح کے ساتھ بغل گیر ہو چکی تھی جب میری آنکھ کھلی اور میں نے بیدار ہونے کے بعد حاجی لطف اللہ، حاجی طارق محمود اور رگل کو جگا دیا۔ ہمارے نہانے اور تیار ہونے تک ناشتہ آ گیا جو حسبِ سابق پنیر اور آلو والے پراٹھوں پر مشتمل تھا تاہم لذت اور ذائقہ میں بھی کچھ فرق محسوس نہ ہوا۔

ناشتہ کرنے کے بعد ہم وہاں سے نکلے اور ہماری اگلی منزل جت گل میں محمد رمضان (کیپٹن) کا گھر تھا جسے یقیناً بڑی شدت سے ہمارا انتظار تھا مگر ایک جگہ وی۔مارٹ شاپنگ مال دیکھ کر ہم نے تھوڑی بہت شاپنگ کا پروگرام بنایا اور میرے ساتھ حاجی طارق محمود نے کچھ شاپنگ کی۔ یہاں میں نے اپنا پاکستان والا کریڈٹ کارڈ استعمال کیا جس میں سے بغیر کسی رکاوٹ کے رقم ادا ہو گئی۔ بابا جی نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے کافی نوش فرمائی اور جب ہم واپس پہنچ گئے تو سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔

تقریباً آدھے پونے گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد ہم جت رگل گاؤں کے نزدیک پہنچے تو میں نے بابا محمد رمضان کیپٹن کو مطلع کرنے کے لیے فون کیا جسے اُس کے بیٹے محمد حسن نے ریسیو کیا، اُس نے ہمیں بتایا کہ اُس کے ابا جی صبح سے ہی سرپنچ کو ساتھ لے کر اسٹاپ پر ہمارا انتظار میں کھڑے ہوئے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو بابا محمد رمضان کیپٹن اپنے گاؤں کے سکھ سرپنچ کے ساتھ ہمارے استقبال کے لیے وہاں موجود تھا۔ ہم نے اُن دونوں کو گاڑی میں بٹھایا اور بابا محمد رمضان کیپٹن کے گاؤں چلے گئے۔

یہ چند سو گھروں پر مشتمل ایک چھوٹا اور پسماندہ گاؤں تھا جس میں بابا محمد رمضان کیپٹن کے علاوہ تمام لوگ سکھ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔

بابا محمد رمضان کیپٹن کی کیفیت دیدنی تھی۔ وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا اور محبت سے سرشار ہو کر اُس کی زبان سے بے ترتیب باتیں نکل رہی تھیں۔ جب ہم بابا محمد رمضان کیپٹن کے گھر پہنچے اور وہاں بیٹھے تو اُس کے ضبط نے جواب دے دیا اور وہ حضرت کرماں والا شریف کی باتیں کرتے ہوئے بے اختیار رونے لگا۔

بابا محمد رمضان کیپٹن کے بیٹے بھی وہاں موجود تھے اور کچھ ہی دیر میں گاؤں کے سرکردہ لوگ وہاں اکٹھے ہو گئے جن کے ساتھ باباجی نے تھوڑی دیر گفتگو فرمائی۔ یہاں پر پکوڑے اور چائے کے ساتھ ہماری تواضع کی گئی۔

بابا محمد رمضان کیپٹن نے خوشی اور جذبات کی رُو میں بہتے آنسوؤں کے ساتھ بتایا کہ جب میں باباجی میر طیب علی شاہ بخاری سجادہ نشین حضرت کرماں والا شریف کا بیعت ہوا تو اِنہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہم وہاں تمہارے پاس انڈیا آئیں تو میزبان بنو گے؟ میں نے عرض کیا، اِس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے! پھر جب مجھے معلوم ہوا کہ باباجی یہاں تشریف لا رہے ہیں تو میں نے پوچھا کتنی گاڑیاں لے کر آئیں کیونکہ ہمارے پاس جو کچھ ہے سب میرے پیر کا کرم اور صدقہ ہے۔ بابا محمد رمضان کے آنسو ایک مرتبہ پھر چھلک پڑے تو میں نے بابا محمد رمضان سے پوچھا؛ بابا رمضان! میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے بھی گاڑی روکی تھی، ذرا وہ بات سنائیں۔ تو بابا محمد رمضان کہنے لگا کہ نہ صرف ریل گاڑی بلکہ بس بھی روکی۔ واقعہ کچھ ایسے ہوا کہ میں دہلی سے پاکستان کا ویزا لگوا کر آیا اور

پنجاب میل پر رات گیارہ بارہ بجے بیٹھ گیا۔ مجھے ''جئی تو'' اُترنا تھا لیکن جب ہم ''جئے تو'' پہنچے تو میری آنکھ لگ گئی۔ گاڑی دوبارہ چلنے لگی تو میری آنکھ کھل گئی۔

میں بہت پریشان ہو گیا اور میں نے اپنے پیرومرشد سے غائبانہ عرض کیا کہ اب تو مجھے کوٹ سے واپس آنا پڑے گا کیونکہ ''جئی تو'' کے بعد پنجاب میل صرف کوٹ جا کر ٹھہرتی ہے۔

گاڑی چلتی گئی مگر تھوڑی دیر کے بعد میرے گاؤں سے بالکل قریب ایک مقام ''کسّی'' پر آ کر گاڑی ایکدم رُک گئی۔ مجھے دوسرے مسافر کہنے لگے کہ یہ تو کھیتوں میں ٹھہر گئی ہے مگر میں نے کہا کہ یہی میرے اُترنے کی جگہ ہے لہذا میں نیچے اُترا اور آرام کے ساتھ گھر آ گیا۔

پھر ایک دفعہ مجھے ''موگے'' جانا تھا اور میں پگڈنڈی پر چلتا ہوا سڑک کی طرف جا رہا تھا کہ مجھے دور سے بس نظر آئی جو موگے کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر میں جلدی پہنچ جاتا تو اِسی بس پر سوار ہو کر موگے پہنچ جاتا اور میرا کچھ وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا۔ چونکہ فاصلہ زیادہ تھا لہذا مجھے کوئی اُمید نہ تھی کہ میں پہنچ جاؤں گا مگر میری تو عادت تھی کہ ہر وقت اپنے پیر ''کرماں والے'' کو یاد کرتا رہتا۔

ہوا یہ کہ بس عین میرے سامنے سڑک پر کھڑی ہو گئی اور اُس کا ڈرائیور اُتر کر بس کے نیچے گھس گیا۔ اِدھر میں بھی پیدل چلتا ہوا اُس تک جا پہنچا اور بس کے کنڈیکٹر سے سوار ہونے کے لیے پوچھا تو اُس نے کہا بابا تم سوار ہو جاؤ لیکن یہ کچھ خراب ہو گئی ہے۔ جب میں بس میں سوار ہو گیا تو اُسی وقت ڈرائیور نے بس کو

دوبارہ اسٹارٹ کیا اور وہ فوراً چل پڑی۔ میں یہاں کوئی بات کر دوں تو اللہ کریم اُسے پورا کر دیتا ہے۔ یہاں بیسیوں لوگوں کو فائدہ ہوا حالانکہ میں تو بابے کرماں والے کا نام لے کر پھونک مار دیتا ہوں۔

میں نے بابا محمد رمضان سے پوچھا کہ اِس گاؤں میں کتنے مسلمان رہتے ہیں تو اُس نے جواب دیا کہ یہاں صرف ہمارا گھر مسلمان ہے اور میرے چھ بیٹے ہیں تو چھ گھر مزید بڑھ جائیں گے۔

میں نے گاؤں کے ساتھ ہی دو لاکھ روپے دے کر کچھ زمین خریدی ہے اور اُس میں ایک مسجد بھی تعمیر کرنا چاہتا ہوں۔ آج میں اپنے پیر و مرشد کے ہاتھ سے وہاں اینٹ بطور سنگِ بنیاد رکھوانا چاہتا ہوں۔ اِسی دوران دفعتاً باباجی نے مجھ سے پوچھا کیا چار بجے چکے ہیں یا نہیں؟ میں نے عرض کیا: ابھی پندرہ منٹ باقی ہیں۔ اِس بات کی حکمت اللہ کریم ہی جانتا ہے۔

بابا محمد رمضان نے مزید بتاتے ہوئے کہا کہ جب میں نے باباجی کے ہاتھ پر بیعت کی تو مجھے اِنہوں نے تاکید فرمائی کہ حضرت کرموں والے جانا اور دیکھنا وہاں ہمارے آباؤ اجداد کے آبائی گھر موجود ہیں یا نہیں؟ چنانچہ میں نے جانے کا وعدہ کر لیا اور ہندوستان واپس آ گیا۔ کرماں والے پیر کا مرید ہونے کے بعد میں بہت خوش تھا چونکہ حضرت کرموں والے جانے کی بات مبہم انداز میں ہوئی تھی لہٰذا میرے ذہن سے نکل گئی اور وقت گزرتا رہا۔ ایک مرتبہ پھر میں نے پاکستان جانے کا ارادہ کیا اور ویزا حاصل کر لیا۔ میں پاکستان جانے کی تیاری کرنے لگا لیکن بہت سا وقت یونہی گذر گیا۔ کبھی کوئی مسئلہ کھڑا ہو جاتا اور کبھی

کاغذات میں غلطی نکل آتی، میں پریشان تھا کہ آخر وجہ کیا ہے؟ پھر میں نے غور کرنا شروع کیا تو مجھے یاد آیا کہ میرے پیر کرماں والے نے مجھے حضرت کرموں والا گاؤں جانے کا حکم دیا تھا اور میں ابھی تک وہاں نہیں گیا چنانچہ میں اُسی دن حضرت کرموں والے گاؤں گیا اور وہاں حاضری دی۔ اِس کے بعد تین دن کے اندر اندر میں پاکستان چلا گیا۔

کچھ دیر محمد رمضان کے گھر بیٹھنے کے بعد ہم اُس کی دعوت پر گاؤں میں اُن کی آٹا پیسنے والی چکی دیکھنے گئے جس کے اندر اُنہوں نے قرآنی آیات اور اپنے پیر و مرشد کے مزارات کی تصاویر آویزاں کر رکھی تھیں۔ یہاں سے ہم بابا محمد رمضان کی خرید کردہ جگہ پر چلے گئے جہاں بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری سجادہ نشین حضرت کرماں والا شریف نے چند اینٹیں بطور مسجد کی بنیاد رکھی تھیں۔

بابا جی نے مسجد کی بنیاد رکھنے کے ساتھ ساتھ نمازِ عصر ادا فرمائی اور اِس دوران میں تاریخ و حیرت کی وادیوں میں گم ہوتا چلا گیا۔ میری یادیں مجھے کئی سال پیچھے حضرت صاحب کرماں والے کی بارگاہ میں لے گئیں جہاں آپ اپنے بیلیوں کے جھرمٹ میں بیٹھے فرما رہے تھے "بیلیو! ہماری مسجد بٹھنڈہ تک جائے گی"

مجھے یہ شرف حاصل ہو رہا ہے کہ میں اپنی زندگی میں ہی اپنی آنکھوں سے گنج کرم، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے اُس فرمان کی تکمیل کا نظارہ کر رہا ہوں۔

مسجد کی بنیاد رکھنے کے بعد بابا جی نے خصوصی دعا فرماتے ہوئے اسلام کی سربلندی، حضور نبی کریم ﷺ کی غلامی و محبت اور انتہائی قلیل مسلمانوں پر مشتمل

اِس گاؤں میں مسجد کی بنیاد رکھوانے والے بابا محمد رمضان گیلن اور اُس کے بیٹوں کے لیے دنیاو آخرت کی بھلائی کے لیے اللہ رب العزت کے حضور کئی معروضات پیش کیں۔

دعا کے فوراً بعد میں نے سب کو مسجد کی بنیاد رکھے جانے پر مبارک باد پیش کی۔ بابا جی نے بھی سب کو مبارک باد دی۔ میں نے محمد حسن کو مسجد کا نام ''حضرت کرماں والا مسجد'' تجویز کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے باقاعدہ بورڈ لگانے کی تاکید کی۔

اِسی دوران ایک معمر سکھ نے بابا جی حضور کی خدمت میں ہاتھ سے لکھی ہوئی ایک کتاب پیش کرتے ہوئے بتایا کہ یہ کتاب ۱۹۴۶ء میں تحریر کی گئی۔

کتاب میں مختلف عنوانات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی روایات اور تاریخ کے متعلق لکھا گیا تھا۔ ایک عنوان ''عید مبارک'' کے ماتحت لکھا ہوا تھا کہ مسلمان سال میں تین عیدیں مناتے ہیں:

۱۔عید الفطر ۲۔عید الاضحیٰ ۳۔عید المیلاد

بابا جی نے کتاب پڑھ کر بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور عید المیلاد کے الفاظ پر انگلی رکھ کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں رہنے والے سکھ عید المیلاد کو مانتے ہیں مگر مسلمانوں میں بعض لوگ غبثِ باطن کی وجہ سے اِس کا انکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو شرم کرنی چاہیے۔

محمد حسن نے بابا جی سے اللہ اللہ بتانے کے لیے عرض کیا تو بابا جی نے اُنہیں نئی قائم شدہ مسجد کی جگہ میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ محمد حسن وہاں بیٹھ گیا تو اُس

کے ساتھ اُس کے دو بھائی بھی آ کر بیٹھ گئے جن سے باباجی نے دوبارہ پوچھا کہ اگر وہ اپنی مرضی سے مرید ہونا چاہتے ہیں تو ہو جائیں۔ اُنہوں نے بخوشی بیعت ہونے کے لیے عرض کیا تو باباجی نے اجازت دے دی اور وہ بھی محمد حسن کے ساتھ بیٹھ گئے۔ باباجی نے بسم اللہ کے بعد تین مرتبہ

صلی اللہ علیٰ حبیبہٖ محمد و آلہٖ وسلم

درود شریف خضری پڑھایا اور ہر دفعہ پڑھانے سے قبل پنجابی میں ارشاد فرماتے: ''فیر پکالوو''۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ اِسی طرح بیعت کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی کہتا کہ سرکار! آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تو حضرت صاحب فرمایا کرتے کہ میں دل اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہوں۔ یہی آپ کا طریقہ تھا۔ بعد ازاں باباجی نے خصوصی تخفیف کے ساتھ دیگر وظائف تلقین فرمائے اور رابطہ رکھنے کی تاکید بھی فرمائی۔

اِس کے بعد باباجی حضور نے بابا محمد رمضان گیٹن سے واپسی کے لیے پوچھا اور وہ آگے بڑھ کر آپکے ساتھ بغلگیر ہو گیا۔ تمام بیلیوں کے ساتھ الوداعی ملاقات کرنے کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہو گئے اور اب ہمیں ایک مرتبہ پھر بوٹا مَل کے گھر تلونڈی بھائیکے جانا تھا جہاں سے ہرپریت نے کئی دفعہ فون کر کے مجھ سے واپسی کے متعلق دریافت کر لیا تھا جو اِس بات کا اظہار تھا کہ اُنہیں بے حد شدت کے ساتھ ہمارا انتظار ہے۔

یہاں سے نکل کر ہم رات پڑنے سے قبل بوٹا مَل کے ہاں واپس پہنچ گئے جہاں اُنہوں نے ہمیں چائے پیش کی اور بہت سے لوگوں کے ساتھ ہماری

ملاقات بھی کروائی جن میں سردار مہندر سنگھ بھی شامل تھا۔ کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد بوٹا مَل فیملی کے باڈی بلڈنگ جم کو دیکھنے کے لیے چلے گئے جس میں بہت اچھی اور معیاری مشینیں موجود تھیں۔ بوٹا مَل فیملی کے تقریباً تمام نوجوان لڑکے وہاں اکٹھے موجود تھے جن کے ساتھ بابا جی نے باڈی بلڈنگ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کئی مفید باتوں سے آگاہ کیا۔ یہاں سے ہم رات بسر کرنے کے لیے بوٹا مَل کے اُسی بیٹے کے ہاں چلے گئے جہاں پہلے دن آرام کیا تھا۔

میری آنکھ علی الصبح کھل گئی اور ہم نے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد دیگر سب آرام کرنے لگے اور میں بوٹا مَل کے بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ گپ شپ لگاتا رہا۔ بابا جی بیدار ہوئے اور اُس کے بعد تقریباً ۸:۳۰ حاجی لطف اللہ اور حاجی طارق محمود نے بیدار ہو کر واپسی کی تیاری کر لی۔ ناشتہ کرنے کے بعد ہم واہگہ بارڈر کی طرف چل پڑے جہاں سے ہمیں واپس پاکستان میں داخل ہونا تھا۔

بوٹا مَل، وریندر اور ہرپریت ہمارے ساتھ بارڈر تک آئے اور جس محبت، پیار اور عقیدت کے ساتھ اُنہوں نے ہمارا استقبال کیا تھا، اُس سے کہیں زیادہ بڑھ کر اُنہوں نے ہمیں رخصت کرتے ہوئے اپنے جذبات کا اظہار آنسوؤں کی صورت میں کیا۔

ہم سب بابا جی حضور کی قربت و معیت کی وجہ سے بہت خوش تھے اور بارڈر کراس کر کے پاکستان میں داخل ہوتے ہوئے میرے ذہن کے نہایت گہرے گوشے میں ایک بازگشت گونجتی محسوس ہو رہی تھی کہ۔

عجب میں شان ویکھے کرماں والے پیر دے

دعا بمعہ ترجمہ

جو حضرت صاحب حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عموماً نماز
اور خصوصاً درودِ پاک کے بعد پڑھتے تھے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی مَلٰئِکَتِکَ الْمُقَرَّبِیْنَ وَ عَلٰی عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ وَ عَلٰی اَھْلِ طَاعَتِکَ اَجْمَعِیْنَ وَ اَرْحَمْنَا مَعَھُمْ بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ○ اَللّٰھُمَّ یَارَبِّ بِجَاہِ نَبِیِّکَ الْمُصْطَفٰی وَحَبِیْبِکَ الْمُرْتَضٰی طَھِّرْ قُلُوْبَنَا مِنْ کُلِّ وَصْفٍ یُبَاعِدُنَا عَنْ مُّشَاھَدَتِکَ وَ مُحَبَّتِکَ وَاَمِتْنَا عَلٰی السُّنَّۃِ وَ الْجَمَاعَۃِ وَالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام ○

ترجمہ: اے اللہ درود بھیج، ہمارے سردار، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی تمام اولاد پر، اور تمام انبیاء و مرسلین اور تمام مقرب فرشتوں پر اور نیک بندوں پر اپنی رحمت بھیج اور تمام تابع فرمان بندوں پر اور اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے، اِن کے ساتھ ہمیں بھی نواز دے۔ اے اللہ، اے ہمارے پروردگار! اپنے برگزیدہ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و جلال کا صدقہ اور

اپنے چنے ہوئے حبیب کا صدقہ ہمارے دلوں کو اُن تمام باتوں سے پاک وصاف کر دے جو تیرے مشاہدہ اور محبت سے ہمیں دور کرتی ہیں اور اے جلال وعزت والے پروردگار! ہمیں اپنی ملاقات کا شوق عطا فرما اور مذھب اہلسنت پر ہمارا خاتمہ فرما۔

خدایا بدہ شوق ذاتِ رسول ﷺ	بدردِ محمد ﷺ مرا کن قبول

اے خدائے پاک! ہمیں رسول کریم ﷺ کی ذات کا شوق عطا فرما۔ اور آپ ﷺ کے دردِ محبت کے ساتھ قبول فرمالے۔

شب و روز در عشق حضرت بدار	ہمہ عمر در وصل احمد گزار

دن رات ہمیں حضور ﷺ کے عشق میں مشغول رکھ اور ہمیں تمام عمر آپ کا قرب نصیب فرما

حیاتی مماتی ہمہ وقت ما	عطا کن وصال مرا مصطفےٰ ﷺ

زندگی میں اور مرنے کے بعد ہمیشہ مصطفےٰ ﷺ کا قرب نصیب فرما

نداریم غیر از تو فریاد رس	توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

(اے اللہ) ہم تیرے علاوہ کسی کو (حقیقی) فریادرس نہیں سمجھتے۔ صرف اور صرف تو ہی ہمارے قصور معاف فرمانے والا ہے۔

نگہ دار مارا زراہ خطا	خطا در گزارو صوابم نما

خطا کی راہ پر چلنے سے ہماری حفاظت فرما اور ہماری خطاؤں کو معاف فرما کر بھلائی کی طرف راہنمائی فرما۔

اے خاصہُ خاصان رسل وقت دعا ہے	امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

اے تمام نبیوں سے برگزیدہ اور جید رسول ﷺ! دعا

کرنے کا وقت ہے۔ آپکی امت پر عجیب وقت آ گیا ہے۔

زمہجوری بر آمد جان عالم	ترحم یا نبی اللہ ﷺ ترحم

آپکی جدائی میں دنیا کی جان پر بنی ہوئی ہے، رحم فرمائیں،
اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیک وسلم)! ہم پر رحم فرمائیں

تو ابر رحمتی آن بہ کہ گاہے	کنی بر حال لب خشکاں نگاہے

آپ رحمت حق کا بادل ہیں، ہم لبِ خشک حال خادموں پر نگاہ رحمت فرمائیے۔

ہمہ انبیاء در پناہ تواند	مقیم در بارگاہ تواند

تمام کے تمام نبی آپ کی پناہ میں ہیں اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہیں

تو مہر منیری ہمہ اختراند	تو سلطان ملکی ہمہ چاکراند

آپ روشن چانداور تمام انبیاء ستارے ہیں۔ آپ خدا کی خدائی کے شہنشاہ ہیں اور باقی سب آپ کے غلام ہیں۔

وَ کُلُّ وَلِیٍّ لَہٗ قَدَمٌ وَ اِنِّیْ	عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ

یہ قصیدہ غوثیہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شعر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہر ولی میرے (نقش) قدم پر ہے۔ اور میں براہ راست بدرِ کامل نبی یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (نقش) قدم پاک پر ہوں۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا	ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

(حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) تمام دنیا کو فیض پہنچا رہے ہیں اور نورِ خدا کے مظہر ہیں، ناقص لوگوں کے لیے کامل پیر اور کاملوں کے راہنما ہیں۔

وز برائے حضرت خواجہ امیر الدین ولی	آنکہ چوں خضر است پیر کامل مرد جلی

اور حضرت خواجہ امیر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ولی کامل کے صدقے میں
جو حضرت خضر علیہ السلام کی مانند کامل پیر اور بڑے بزرگ ہیں۔

وز برائے حضرت شیر محمد بدر عید	آنکہ از تیغ محبت کرد بسمل ہر کہ دید

اور حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صدقے میں جو عید کا چاند ہیں، کہ جو بھی آپ کو دیکھتا ہے وہ آپ کی محبت بھری نظر سے آپ پر قربان ہو جاتا ہے۔

وز برائے حضرت خواجہ ما سید محمد اسماعیل شاہ	در دو عالم ہست ذات پاک او مارا پناہ

اور حضرت خواجہ سید محمد اسمٰعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صدقے میں، کہ دونوں جہاں میں اُن کی ذات پاک ہے جو ہم کو پناہ دینے والی ہے۔

نور چشم مصطفیٰ و سید عالی مقام	می نوازد خلق را از لطف خاص و فیض عام

جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کا نور اور عالی مقام سید ہیں،
اور اپنے لطفِ خاص اور فیض عام سے تمام مخلوق کو نواز رہے ہیں۔

ظاہر باطن ہو برائے خدا	چاہیں خدا سے نہ سوائے خدا

ہمارا ظاہر و باطن خدا کے لیے ہو اور ہم خدا کی ذات کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے

دیدہ بینا ہو ہر اک موئے تن	محوِ تجلی رہے روح و بدن

(اُن کے طفیل) ہمارے جسم کا ہر ایک بال دیدہ و بینا بن جائے اور روح و جسم ہمیشہ اُس نور اور تجلی کے دیدار میں مشغول رہے۔

اے مرے مولا مرے والی ولی	کر عطا مجھ کو بہ طفیلِ نبی ﷺ
اور جو مسلمان بھائی ہیں میرے	ان کو بھی تو اپنے فضل سے رتبہ دے

صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَاَنْبِيَآءِهٖ وَرُسُلِهٖ وَحَمَلَةِ عَرْشِهٖ وَجَمِيْعَ اُمَّتِهٖ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَشَفِيْعِنَآ وَحَبِيْبِنَآ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ اَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَعِتْرَتِهٖ وَعَشِيْرَتِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ○

اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں اور اُس کے نبیوں اور اُس کے رسولوں اور اُس کے عرش کے اٹھانے والوں اور نبی ﷺ کی تمام امت کے صلوٰۃ وسلام ہوں ہمارے سردار، مولا اور شفیع وحبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپکے تمام صحابہ، ازواج اور آپ کے اہل بیت اور آپکے جمیع خاندان اور آپکی اولاد پر۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے! ہم تیری رحمت کے محتاج ہیں۔

درود شریف ہی اسم اعظم ہے

﴿ فرمانِ حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ﴾

شجرۂ طریقت نقشبندیہ

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

یا اللہ کرم کر اپنی عطا کے واسطے رحم کر ہم پر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے

بخش دے ساری خطائیں اے مرے مولا کریم حضرت صدیق اکبر با وفا کے واسطے

دولت صبر و رضا دے خوگر تسلیم کر حضرت سلمان فارس بے ریا کے واسطے

کر عنایت مجھ کو سوز و مستی اے خدا حضرت قاسم امام و مقتدا کے واسطے

میرا دل معمور کر صدق و یقیں کے نور سے جعفر صادق امام الاولیاء کے واسطے

فضل سے اپنے عطا کر دولت قرب و حضور شیخ کامل بایزید باخدا کے واسطے

ابوالحسن خرقانی، شیخ بو علی صاحب کمال خواجہ یوسف شہ جود و سخا کے واسطے

عبدالخالق غجدوانی عارف و محمود نیز شیخ علی رامیتنی شاہ ہدیٰ کے واسطے

خواجہ بابا سماسی حضرت سید امیر نقشبند ما بہاؤ الدین ضیاء کے واسطے

شیخ علاؤ الدین عطار حقیقت آشنا حضرت یعقوب چرخی با صفا کے واسطے

خواجہ احرار دانائے رموز معرفت اور محمد زاہد حضرت مولانا کے واسطے

شیخ درویش محمد اور خواجگی امکنگی باقی باللہ عارف راہ ہدیٰ کے واسطے

شیخ سرہندی مجدد الف ثانی خضر راہ پیر کامل شیخ احمد پیشوا کے واسطے

حضرت قیوم ثانی خواجہ معصوم و سعید | اور عبدالاحد گل شاہ کے واسطے

خواجہ حنفی ، شیخ زکی اور محمد نیز | خواجہ زمان سلطان الاولیاء کے واسطے

حضرت خواجہ محمد قاضی احمد ، شاہ حسین | اور امام باعلی مشکل کشا کے واسطے

حضرت صادق علی بابا امیرالدین ولی | ہادیان دیں پناہ حق آشنا کے واسطے

یا الٰہی معرفت اور سوز و مستی کر عطا | شیر حق شیر محمد باصفا کے واسطے

قطب عالم شیخ کامل چارۂ بے چارگاں | حضرت اسمٰعیل شاہ غوث الوریٰ کے واسطے

کر عطا سب کو الٰہی دو جہاں کی نعمتیں | شاہ کرماں والے اتقیاء کے واسطے

پیر سیّد محمد علی ، خواجہ سیّد عثمان علی | وارثانِ بحرِ کرم ، اولیاء کے واسطے

محبتِ رسول ﷺ کو دلوں میں فروغ دے | میر طیب علی راہنما کے واسطے

کر کرم کروا کرم دونوں جہاں میں رکھ شرم | کر کرم اے کرماں والے تو خدا کے واسطے

”کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ“

ترجمہ: یعنی تم ان سب امتوں سے بہترین امت ہو جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں کیونکہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو

اپنی، اپنے گھر والوں اور دوسروں کی اصلاح کے لیے

آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف کے تبلیغی و تربیتی سلسلہ میں شمولیت اختیار کریں